قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

مجموعہ

جوابات رضویہ — غلام مہر علی

تحقیقات غلام مہر علی

پورے چودہ سو سال میں مسئلہ صلوٰۃ و سلام قبل اذان و بعد سلام نماز جنازہ اور عصمت رسول ﷺ پر نادر روزگار تحقیقی و علمی سرمایہ

حصہ اول

از افادات

عالم ربانی، عارف حقانی محقق لاثانی

حضرت مولانا علامہ غلام مہر علی دامت برکاتہم العالیہ

مہتمم دارالعلوم نور المدارس صدر عید گاہ چشتیاں شریف ضلع بہاولنگر

مسئلہ صلوٰۃ وسلام قبل اذان اور دعا بعد سلام نماز جنازہ کا مفید ترین، مفصل و مدلل

علمی و تحقیقی جائزہ

تحفۃ المناظرین

فی اثبات

مستحبات الدین

تصنیف

عالم ربانی، عارف ربانی، محقق لاثانی

حضرت مولانا علامہ غلام مہر علی دامت برکاتہم العالیہ

مہتمم دار العلوم نور المدارس، صدر عیدگاہ، چشتیاں شریف، ضلع بہاولنگر

FCA

فہرست مضامین و عنوانات مخصوصہ کتاب تحفۃ المناظرین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر شی کا ظہور اللہ رحمٰن کے نشان رحیم کے ساتھ ہے

وہ رحیم ظہور ذات حق کی تجلی اول و نور اقدم حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

ابتدائیہ

مدعیان اسلام میں علماء سوء کا ایک گروہ صرف اپنے آپ کو اہل توحید و متبع شریعت سمجھ کر اور حضرات صوفیائے کرام و اولیائے عظام و جمہور مسلمین کو مشرک و بدعتی گردان کر بزعم خود جہاد و خدمت دین میں مصروف ہے۔

منافقوں کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر الزام شرک

اہل ایمان کو مبتلائے شرک و بدعت سمجھ کر یا گردان کر انہیں مشرک و بدعتی کہنا اسلام میں یہ کوئی نیا فتنہ نہیں اور شرک و بدعت کے شکاریوں کے نشانے پر صرف امت محمدیہ کے خواص و عوام ہی نہیں بلکہ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ دیدہ دانستہ طور پر مسئلہ توحید کی غلط تعبیر سے تو بعض اشقیاء نے خود عنوان توحید حق حضور جان ایمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ارتکاب شرک کا الزام لگانے سے بھی گریز نہیں کیا تھا۔ امام شہاب الدین سید آلوسی بغدادی متوفی 1270ھ آیت مَن يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں

عَنْ مُقَاتِلٍ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يَقُولُ مَنْ اَحَبَّنِيْ فَقَدْ اَحَبَّ اللّٰهَ تَعَالٰى وَمَنْ اَطَاعَنِيْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ تَعَالٰى فَقَالَ الْمُنَافِقُوْنَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اِلٰى مَا يَقُوْلُ هٰذَا الرَّجُلُ لَقَدْ قَارَفَ الشِّرْكَ وَهُوَ نَهٰى اَنْ يُعْبَدَ غَيْرُ اللّٰهِ مَا يُرِيْدُ اِلَّا اَنْ نَتَّخِذَهٗ رَبًّا كَمَا اتَّخَذَتِ النَّصَارٰى عِيْسٰى فَنَزَلَتْ۔ الخ (تفسیر روح المعانی ج 5 ص 91 طبع مصر) حضرت مقاتل سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔ جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کرلی اور جس نے میری تابعداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی تابعداری کرلی۔ تو منافقوں نے کہا۔ سنو تو سہی یہ مرد (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ تو شرک کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ خود ہی روکتے ہیں کہ غیر اللہ کی عبادت نہ کرو۔ اب یہ خود ہی تقاضا کر رہے ہیں کہ ہم انہیں رب بنا لیں۔ جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو رب بنا لیا تھا

تب قرآن مجید کی یہ آیت من یطع الرسول فقد اطاع اللہ نازل ہوئی۔

خارجیوں کی اصل عبداللہ تمیمی اور حرقوص کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر الزام گناہ و ناانصافی

مسئلہ توحید و اتباع شریعت میں غلط فہمی و غلو و افراط میں بدمست تبلیغی خارجیوں کا نجس تمیم عبداللہ نامی شخص جو حقیقتاً منافق، گستاخ رسول اور بظاہر لشکر اسلام کا انصاری صحابی رسول تھا اپنے زعم تقویٰ و تبلیغ دین میں جنگ حنین کے مال غنیمت کی تقسیم کے موقعہ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کھڑا ہوگیا تھا اور معاذ اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کو ظلم و ناانصافی کا مرتکب و حکم خداوندی اِعْدِلُوْا کا نافرمان قرار دے کر اس عظیم پاک ذات و اعدل الخلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ کر رہا تھا کہ اِعْدِلْ یَامُحَمَّدُ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انصاف کیجئے یعنی معاذ اللہ آپ مال غلط تقسیم کر رہے ہیں - یہ روایت صحیح بخاری و مسلم و دیگر مورخین نے بھی مختلف الفاظ میں ذکر کی ہے - بخاری کی روایت میں قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ بھی ہے۔ (الصارم المسلول ابن تیمیہ ص 225 طبع حیدر آباد دکن) یعنی وہ عبداللہ انصار مدینہ کی جماعت سے تھا۔

سب گستاخ رسول علماء و قاری و متقی و مبلغین اسلام اسی گستاخ رسول عبداللہ کی جڑ سے نکلے ہیں

اس گستاخ رسول عبداللہ نے جب بار بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں یہ گستاخی کی کہ آپ مال صحیح تقسیم نہیں فرما رہے تو حضرت عمر نے آپ سے اجازت مانگی تھی کہ اسے قتل کردیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دعہ اسے اس کی حالت پر چھوڑ دو کیونکہ اس کی اصل سے بڑے بڑے نمازی اور روزہ دار و قاری پیدا ہوں گے جو نماز و روزہ و قراءت قرآن کے باوجود کافر ہوں گے (الصارم المسلول ص 219)

عبداللہ انصاری کی جڑ سے پیدا شدہ گستاخ رسول کافر نمازی و کافر روزہ دار و کافر قاری مسلمانوں میں قیامت تک چلیں گے

انہیں گستاخ رسول موحدین و مبلغین و قاری و علماء سوء مرتدین کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:

لَا یَزَالُوْنَ یَخْرُجُوْنَ حَتّٰی یَخْرُجَ آخِرُھُمْ مَعَ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ (الصارم المسلول ص 17) یعنی میری امت میں ایسے گستاخ رسول علماء و قراء و مبلغین و نمازی پیدا ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کے آخری لوگ دجال کے ساتھ مل جائیں گے۔

مسئلہ توحید و تقویٰ و اتباع شریعت میں غلو بھی گستاخیٔ رسول کا باعث بن سکتا ہے

ابن تیمیہ صاحب کہتے ہیں فَإِنَّ الْقَوْمَ لَمْ يَتَعَرَّضُوا لِرَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بَلْ كَانُوا يُعَظِّمُونَهُ وَيُعَظِّمُونَ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَلٰكِنْ غَلَوْا جَاوَزُوا بِهِ حَدَّهُ (الصارم المسلول ص 179) وہ گستاخ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے منکر نہیں تھے بلکہ وہ آپ کی اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم کی تعظیم بھی کرتے تھے مگر دین میں غلو و افراط کی وجہ سے آپ پر شرک وخلاف شریعت ہونے کا حکم کرکے آپ کو تبلیغ بھی کرتے تھے۔

عبداللہ و حرقوص کے اذناب گستاخ مفتی نمازی و روزہ دار قاری کافر ہیں

عبداللہ کی گستاخی اور حضرت عمر کے اس کے قتل کی اجازت مانگنے پر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عبداللہ کی اصل یعنی گستاخی رسول سے ایک قوم پیدا ہوگی کہ ان کی نمازوں و روزوں کے سامنے تم اپنی نمازیں و روزے ہیچ شمار کرو گے وہ قرآن بھی پڑھیں گے مگر دین سے باہر ہوں گے۔ (الصارم المسلول ص 219) یعنی کافر ہوں گے۔

عبداللہ و حرقوص گستاخوں کی جڑ سے پہلا گستاخ فرقہ "خارجی جماعت" پیدا ہوئی

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خبر کے مطابق ان گستاخوں کے اثر سے صوفی نما۔ مولوی صورت۔ قلنسوہ و دستار جبہ و رومال۔ تسبیح و لوٹا نواز تہجد و نوافل کے پابند مبلغین و فقہ و حدیث کے علم بردار علماء و مقررین بے مثال مگر گستاخ رسول پیدا ہوتے رہے اور ہو رہے ہیں اور آمد دجال تک ہوتے رہیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر شرک و ظلم کا فتویٰ دینے کے بعد انہوں نے اہل ایمان پر "بدعت" بازی کا سب سے پہلا حملہ امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر کیا۔ ہم اپنی تالیف کتاب "دیوبندی مذہب" کی ابتدا میں "تاریخ اسلام" مؤلفہ حمیدالدین ایم۔اے۔ لکچرار پنجاب یونیورسٹی لاہور طبع فیروز سنز لاہور کے صفحہ 183 کے حوالہ سے اس کی یہ عبارت لکھ چکے ہیں کہ "(قاتلین عثمان) کا ساتواں الزام یہ تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مذہب میں بعض ایسی بدعتیں پیدا کیں جن کو اکثر صحابہ نے ناپسند کیا"۔ الخ (تاریخ اسلام ص 183)

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مشرک اور حضرت عثمان غنی کو بدعتی قرار دینے والے ان بدنہاد مفتیوں نے بدعتی قرار دے کر حضرت عثمان کو شہید کرادیا اور پھر حضرت علی کو بھی مشرک

کہہ کر شہید کر ڈالا۔

اپنے آپ کو مُوَحِّد اور متقی و مُتَشَرِّعْ سمجھنے والے یہ اشقیاء جنگ صفین سن 37 ھ میں حضرت علی سے بغاوت کر کے آپ کی فوج سے خارج ہو گئے تو اس گستاخِ رسول و گستاخِ خلفاء و اولیاء گروہ کا نام "خارجی" مشہور ہوا۔ علامہ ابن کثیر دمشقی متوفی 774 ھ لکھتے ہیں کہ ان خارجیوں کا امیرالمومنین حضرت علی پر یہ ہی الزام تھا کہ یَا عَلِیُّ اَشْرَکْتَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ الرِّجَالَ وَلَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ (البدایہ والنہایہ ج 7 ص 281 طبع مصر) اے علی تو نے اللہ کے دین میں مردوں کو اللہ کا شریک بنا لیا ہے اور اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں چل سکتا۔ وہابی دیوبندی فرقہ کے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے یہ بات شرح دل سے قبول کی ہے کہ یہ گستاخِ رسول و گستاخِ خلفائے رسول "خارجی" فرقہ انہیں گستاخِ رسول منافقین و عبداللہ تمیمی و حرقوص کی غلاظت سے ہی پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخالف عدل و شریعت کہنے والے کا حلیہ خبیثہ ڈونگی آنکھیں، اونچا ماتھا، بھاری داڑھی، موٹی گالیں، سر مونڈا ہوا بیان کرنے کے بعد بحوالہ بخاری و مسلم لکھتا ہے وذکر الحدیثفی صِفَۃِ الْخَوَارِجِ وفی آخرہ یَقْتُلُوْنَ اَھْلَ الْاِسْلَامِ وَیَدْعُوْنَ اَھْلَ الْاَوْثَانِ۔ الخ (الصارم المسلول ابن تیمیہ ص 220) یعنی اہل ایمان بلکہ جان ایمان صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرک و ظالم قرار دینے والے یہ بدبخت لوگ "خارجی" فرقہ کے ہی پیشوا تھے۔

منافقین سے "خارجی" اور خارجیوں سے "وہابی" نمودار ہوئے

صحیحین کے حوالہ سے ابن تیمیہ نے خارجیوں کی علامت واضح طور پر بیان کر دی ہے کہ مسلمانوں کو قتل کرنا اور غیر مسلموں سے درگذر و محبت خوارج کا شیوہ ہے۔ حرمین شریفین سے شرفاء مکہ و حکومت ترک کا انخلاء وہابیوں کے انگریزوں سے اتحاد اور اہل مکہ و مدینہ مؤمنین کے قتل سے ہی وقوع پذیر ہوا۔ اہل اسلام سے دشمنی اور عیسائیوں یہودیوں سے مؤاخات وہابیوں کی ضرب المثل ہے اور گستاخی انبیاء و اولیاء میں وہابی اپنے پیشواء "خوارج" کے طابق النعل بالنعل ہیں اور مسلمانوں کو مشرک و بدعتی قرار دینے میں بعینہ "خوارج" ہیں۔ چنانچہ خاتمۃ المحققین امام الفقہاء الاحناف سید ابن عابدین شامی لکھتے ہیں کہ خارجی اور وہابی یہ دونوں فرقے اسلام کے باغی ہیں۔ کَمَا وَقَعَ فِیْ زَمَانِنَا فِیْ اَتْبَاعِ عَبْدِالْوَھَّابِ الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ نَجْدٍ وَّ تَغَلَّبُوْا عَلَی الْحَرَمَیْنِ الخ (ردالمختار علی الدرالمختار ج 3 ص 319) یعنی باغی اسلام ہونا "خوارج" کا مسلم ہی ہے مگر محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکار "وہابی" بھی بغات اسلام ہیں۔ پھر لکھتے ہیں

وحکم الخوارج عند جمهور الفقہاء والمحدثین حکم البغاۃ (رد المحتار ج 3 ص 319)
اور خارجیوں کا حکم جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک یہ ہے کہ وہ باغیان اسلام ہیں۔

منافقین سے "خارجی" اور خارجیوں سے "وہابی" اور وہابیوں سے "دیوبندی" فرقہ پیدا ہوا

ابن تیمیہ کی الصارم المسلول کے حوالہ سے آپ پڑھ چکے کہ گستاخانِ رسول کسی غیر مذہب سے ہی نہیں بلکہ خود مسلمانوں سے بھی توحید و دین میں افراط و غلو کا شکار کافی علماء و متقیان نابجار انبیائے کرام کی بے ادبی کی وجہ سے کافر ہوگئے ہیں یعنی مسئلہ توحید و اتباع شریعت میں غلط انہماک ان کی بربادیٔ ایمان کا سبب بن گیا اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و عظمت کے نشہ میں مدہوش ہو کر اللہ تعالیٰ کی تحمید و توصیف کے ساتھ ساتھ اللہ کی طرف غلط امور مثلاً امکان کذب وغیرہ کی نسبت کرکے اور حضرات انبیائے کرام کی توہین و تذلیل کے مرتکب ہو کر مرتد ہوگئے۔ وہابیوں نے مسائل توحید کے بیان میں انبیائے کرام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ذلیل کیا۔

حرمین شریفین پر قابض موجودہ سعودی وہابی حکومت کے جلالت الملک سعود بن عبدالعزیز کے حکم سے مطبوعہ رسالہ (المنسک الواضح اللطیف فی ارشاد الحجاج الیٰ ہدی النبی الحنیف ص 30) میں واضح طور پر لکھا گیا ہے۔

فالدعاءُ والذبحُ والنذرُ وغیرُ ذالکَ مِنَ العباداتِ اِنّما ھُوَ لِلّٰہِ وحدَہٗ لایجوز صرف شئی منہ لالنبی ولالولیِّ ولالملکٍ فھوٗ لا کلھم عبید اَذِلاَّءُ مملوکون لِلّٰہِ تعالی الخ (ص 30) یعنی یہ نبی ولی فرشتے سب کے سب ذلیل بندے ہیں اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں۔

دیکھئے وہابی فرقہ کی حکومتی کتاب المنسک الواضح جس کے ٹائٹل پر اَمَر بوضعہ صاحب الجلالۃ سَعُوْدُ بْنُ عَبْدِالعَزِیز طبع شدہ ہے۔ میں انبیائے کرام کو اَذِلاَّءُ جس کا ترجمہ ذلیل ہے لکھا گیا ہے۔ اس کتاب میں درج مسئلہ نذر وغیرہ اور اس کی عبارت کی فنی حیثیت پر گفتگو بڑی طویل بھی ہو سکتی ہے۔ ایک آدمی کے لئے لفظ جلالت کا استعمال بھی خارجی نجدی اصول سے چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ مگر ہم اس وقت یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نبیوں کے لئے یا نبیوں کا اپنے لئے تمام الفاظ کا استعمال امت کے لئے جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو فعصیٰ آدمُ ربّہٗ فغویٰ فرمایا۔ خود آدم علیہ السلام نے اپنے لئے ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا میں لفظ ظلم

استعمال فرمایا مگر کوئی امتی حضرت آدم کو عاصی ' نافرمان اور ظالم کہے تو کفر ہے - اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو ذلیل کہنا ان کی بارگاہِ عزت پناہ میں گستاخی و کفر ہے-کیونکہ لفظ ذلیل ہمارے محاورہ میں توہین کے طور پر استعمال ہوتا ہے - تو جس طرح وہابی گستاخ ہیں دیوبندی علماء بھی ان گستاخیوں میں وہابیوں سے متحد ہیں - چنانچہ امام الاشقیاء گستاخ انبیاء مولوی محمد اسماعیل دہلوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب "تقویت الایمان" میں خارجیوں وہابیوں کی طرح غلط توحید کے نشہ میں بدمست ہوکر منافقوں خارجیوں وہابیوں کی طرح حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں عموماً اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں خصوصاً کثیر گستاخانہ الفاظ کے استعمال کے ساتھ وہابیوں کی طرح ذلیل کا لفظ بھی بکا وہ شقی تقویت الایمان میں کہتا ہے "یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے (تقویت الایمان ص 16)-

وہابیوں نے المسک الواضح میں اذلاء یعنی ذلیل کہا اور اسماعیل نے "چمار سے زیادہ ذلیل" کہا اور دیوبندی فرقہ کے سب آوے کے مرکزی بھام گیر امام زبانی رشید احمد گنگوہی نے تقویت الایمان کی ان ایمان سوزیوں کو عین ایمان اور منافقوں خارجیوں اور وہابیوں کی گستاخیوں کی اس پٹاری اور اس کے کفریات میں ان سے متحد ہونے کا کھلا اقرار کیا ہے - گنگوہی صاحب کہتے ہیں-

1- عقائد میں سب متحد مقلد و غیر مقلد ہیں (فتاویٰ رشیدیہ ج 2 ص 10)

2- محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں ان کے عقائد عمدہ تھے (فتاویٰ رشیدیہ ج 1 ص 111)

3- کتاب تقویت الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے (الی قولہ) اس کا رکھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے - (فتاویٰ رشیدیہ ج 1 ص 20)

منافقوں خارجیوں وہابیوں کے توحید میں مفرطانہ غلو اور دین کی غلط تعبیر و سنت و بدعت کی خود ساختہ میزان کی حمایت میں علمائے دیوبند ان کے شریک کھاتہ ہوئے - بلکہ بعض اشقیاء نے تو منافقین و خوارج و وہابیہ کے گستاخانہ اصول یعنی حضرات انبیائے کرام کی بے ادبی کو عین ایمان و اسلام قرار دیا ہے - اس گستاخ فرقہ کے پیشواء تھانوی صاحب لکھتے ہیں " وہابی کے معنی بے ادب با ایمان اور بدعتی کے معنی ہیں با ادب بے ایمان " (افاضات الیومیہ ج 4 ص 170)- گستاخ رسول خارجیوں کے نئے ایڈیشن بے ادب وہابیوں کو با ایمان اور بے ادبی کو ایمان قرار دینے والے اس فرقہ کی حقیقت و سریت پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں - بے ادب با

ایمان اور باادب بے ایمان کے اس دیوبندی فیصلہ کو بار بار پڑھئے اور شیطانی سازش کے اس گورکھ دھندا کو از خود پہچان لیجئے کہ

کہاں اگلی غلاظت کفر نے بدبو کہاں تک ہے

اہلِ ایمان پر شرک کے لفظ کا استعمال منافقوں نے چالو کرکے سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرک کہا پھر خارجیوں نے حضرات خلفائے راشدین پر شرک کی پریکٹس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں پر بدعت کے لفظ کا مزید اضافہ کرکے انہیں مشرک بھی کہا اور بدعتی بھی۔ بعدہٗ وہابیوں نے منافقوں و خارجیوں کی شاگردی میں حضرات انبیاء و اولیاء کے غلاموں پر یہ سیفِ بے نیام استعمال کرکے اپنی عاقبت برباد کی اور پھر علمائے دیوبند نے ان منافقانہ و خارجیانہ نیزوں کو تمام اولیائے کرام اور ان کے پیروکاروں کے سینوں میں پیوست کرکے اپنا ایمان برباد و خاتمہ خراب کرلیا۔ علمائے دیوبند اور غیرمقلد وہابیوں و نجدیوں کی وحدت خارجیانہ کے متعلق مزید تفصیل کے لئے میری تالیف کتاب "دیوبندی مذہب" کا ضرور مطالعہ کیجئے۔ آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ حنفیۃ کے بہروپ میں ملت اسلامیہ کے لئے عذاب الٰہی خروج و نفاق کا سراسر تعفن اور بظاہر شہرت و حقیقتہً زہر ہلاہل گروہ مجالی و مظاہر شیونات الٰہیہ کی ہر تجلیاتی مظہری و عطائی شان کو شرک اور معمولات اولیائے کرام کے ہر مستحب و مباح امر کو بدعت سیئہ قرار دے کر کس طرح نفاق و خارجیت کی نمک حلالی کررہا ہے۔

منافقانہ و خارجیانہ سازش کا عبرتناک انجام

اہل سنت و جماعت اور خارجیانہ سازش کا شکار وہابی اور دیوبندی یہ تینوں فرقے اہل سنت ہونے کے مدعی چلے آرہے ہیں مگر منافقانہ و خارجیانہ توحید و سنت کی بنیاد پر اہل سنت و جماعت جمہور اہلِ اسلام پر وہابیوں و دیوبندیوں کے فتاویٰ شرک و بدعت نے وحدت ملی کو تار تار کرکے جس تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے وہ کسی سے بھی مخفی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خلفائے حق پر شرک و بدعت کے الزامات کی طرح آپ کی امت مقبولانِ بارگاہ الٰہی عاشقانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و ادب گستاخانِ بارگاہِ رسالت و جمہور مسلمین پر وہابیوں دیوبندیوں کی شرک و بدعت باری سے ہر شہر و قریہ میں آئے دن جنگ و جدال، مناظرے و مجادلے اور فریقین کے باہمی دست و گریبان ہونے کے حادثات روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں۔ خصوصاً آج کل صلوٰۃ وسلام علیٰ خیر الانام قبل اذان اور دعاء بعد سلام نماز جنازہ پر محرر سطور کے منکرین سے کئی مناظرے ہوئے۔ بعض خیرخواہوں اور مریدین و تلامذہ کا مدت سے اصرار تھا کہ

جن دلائل قاہرہ سے میں نے مختلف مناظرین کو لاجواب شکستوں سے دوچار کیا وہ ایک رسالہ کی صورت میں قلمبند کردوں - رسالہ پیش خدمت ہے - اس کو پڑھئے اور وہابیوں دیوبندیوں خارجیوں کو راہ راست دکھائیے اور میرے لئے دعائے خیر بھی فرمائیے -

طالب دعاء

غلام مہر علی
خطیب جامع مسجد' غلہ منڈی' چشتیاں شریف
مہتمم دارالعلوم عربیہ اسلامیہ نورالمدارس صدر عیدگاہ' ہائی وے روڈ' چشتیاں شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ مَظہرِ محمودیتہٖ سیدنا محمد العالمین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

ان اعمال و افعال کو جو اپنی انفرادی حیثیت سے شرعاً مستحسن اور نیک کام ہوں مگر کسی زمانہ میں کسی دینی مصلحت کیلئے عملاً ان کی اجتماعی صورت پیدا ہوگئی ہو یا وہ امور خیر جنکی فضیلت و ترغیب عمل تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے موجود ہو مگر آپ کا کرنا ثابت نہ ہو۔ ایسے امور کو مطلقاً بدعت و مذموم و حرام قرار دیکر شیرازۂ امت کو تار تار کرنا یہ ایک فتنہ ہے۔ جس کا دھندا بعض فریب خوردۂ خارجیت علماء بڑے ولولے سے چلانے میں مصروف ہیں۔ گویا کہ باوجود کتب فقہ میں روزمرہ مستحبات وحظروا باحت کی ابحاث پڑھنے پڑھانے کے فرض و واجب و سنت کے علاوہ مستحب یا مباح نام کا کوئی فعل ان کے نزدیک کوئی شرعی حکم رکھتا ہی نہیں۔

حالانکہ احکامِ شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی جو تقسیم علمائے اصول یا فقہائے کرام نے اپنی اپنی اصطلاح میں کی ہے۔ سب کے نزدیک استحباب احکام شرعیہ میں سے ایک مسلّم شرعی حکم ہے۔ علمائے اصول نے اپنی اصطلاح میں احکام شریعت کی تقسیم یوں کی ہے۔

امام الاصولیین علامہ ابوالولید محمد بن رشد قرطبی اپنی مستند کتاب بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں:

"وَاَمَّا المعانیُ المتداولۃُ مِن ھذہ الطُّرقِ اللفظیۃ لِلمکلّفین فھی اِمَّا امرٌ بشیءٍ و اِمَّا نھیٌ عنہ و اِمَّا تخییرٌ فیہ و الامر ان فُھِمَ منہ الجزمُ و تعلق العقاب بترکِہٖ سُمِّیَ واجباً وان فُھِمَ منہ الثوابُ علی الفعلِ و انتفی العقاب مع الترک سُمِّیَ ندباً والنھی ایضاً ان فھم منہ الجزم و تَعَلُّقُ العقابُ بالفعلِ سُمِّیَ مُحرَّماً و مَحظوراً و ان فُھِمَ منہ الحثّ علی ترکہٖ من غیرِ تعلق عقاب بفعلہٖ سُمِّیَ مکروھاً فتکون اصناف الاحکام الشرعیۃ الملتفاۃ من ھذہ الطرق خمسۃ واجبٌ و مَندوبٌ و محظورٌ و مکروہٌ و مخیَّرٌ فیہ وھو المباحُ"۔ (بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد ج 1 ص 5 طبع مصر)

واجب۔ وہ ہے کہ اس کے کرنے کا حکم قطعی ہو اور نہ کرنے پر سزا کی وعید ہو۔

حرام۔ وہ ہے کہ اس سے قطعی طور پر منع کردیا گیا ہو اور کرنے پر سزا کی وعید ہو۔

مندوب۔ مستحب وہ ہے کہ اس کے کرنے کی ترغیب دی گئی ہو اور نہ کرنے پر سزا نہ ہو۔

مکروہ- وہ ہے کہ اس کے کرنے سے منع کیا جائے مگر کر لینے پر سزا نہ ہو-
مباح- وہ ہے کہ امت کو اس کے کرنے یا نہ کرنے میں اختیار ہو-

اہل ظواہر غیر مقلدین کے مُسلّم فقیہ و محدث صدیق حسن صاحب بھوپالی اپنی کتاب "مسک الختام شرح بلوغ المرام" میں احکام شریعت کی اسی تقسیم کو تسلیم کرتے ہوئے صاحب بلوغ المرام شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی کے الفاظ للاحکام الشرعیة کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں (احکام) جمع حکم است و آن نزد اہل اصول خطاب خدا است کہ متعلق باشد بافعال مکلف من حیث ہو مکلف و آن پنج است- وجوب- تحریم- ندب- کراہت- اباحت-
(مسک الختام ج ۱ ص ۱۰)

اب فقہائے اسلام نے احکام مشروعہ کی جو تعریف اپنی اصطلاح میں کی ہے ملاحظہ ہو- خاتمۃ الفقہاء امام ابن عابدین کہتے ہیں-

اعلم انّ المشروعات اربعةُ اقسام فرضٌ و واجبٌ و سنتٌ و نفلٌ (ردالمحتار ج ۱ ص 72 طبع مصر) جان لے کہ شریعت میں مشروع افعال کی چار قسمیں ہیں - فرض، واجب، سنت، نفل.

علمائے اصول نے استحباب کو ندب اور فقہاء نے اسی استحباب کو نفل کی تعبیر سے حکم شرعی تسلیم کیا ہے-

آپ نے واضح طور پر پڑھ لیا کہ ندب و امر مندوب و نفل و مستحب اجماعاً سب علما امت کے نزدیک ایک مسلّم شرعی حکم ہے اور علماء ماہرین احکام شریعت اسی امر مستحب کو مختلف الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں- امام الفقہاء محمد علاؤالدین حصکفی درمختار میں لکھتے ہیں-

ومستحبہٌ و یُسمّیٰ مندوباً وادباً وفضیلةً- مستحب کو مندوب و ادب وفضیلت بھی کہتے ہیں-

صاحب درمختار کے ان الفاظ کی شرح میں خاتمۃ المحققین امام ابن عابدین شامی ردالمحتار میں لکھتے ہیں-

زاد غیرہ و نفلاً و تطوعاً و قد جری ما الیہ الاصولیون من عدم الفرق بین المستحب و المندوب و الادب کما فی حاشیة نوح آفندی علی الدرر فسمّی مستحباً من حیث ان الشارع یُحبّہ و یؤثرہ و مندوباً من حیث انہ بیّن ثوابہ و فضیلتہ من ندب المیت و ہو تعدید محاسنہ و نفلاً من حیث انہ زائد علی الفرض والواجب ویزید بہ الثواب وتطوعاً من حیث ان فاعلہ یفعلہ تبرعاً من غیر ان یؤمر بہ حتماً (الی قولہ) وقد یُطلق علیہ اسم السنّة

وصرح القهستانی بانه دون سنن الزوائد قال فی الامداد و حکمه الثواب علی الفعل و عَدمُ اللَّوم علی الترک (الی قوله) ولا شک اَنَّ ترکَ المَندُوبِ خِلافُ الاَولیٰ (ردالمحتار ج1 ص 87)

امام حصکفی و علامہ شامی علیہما الرحمۃ کی عبارات کا خلاصہ یہ ہوا کہ مستحب کو ہی مندوب اور ادب اور فضیلت اور نفل و تطوع بھی کہتے ہیں۔ اسے مستحب اس لئے کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے محبوب جانا۔ امام طحاوی در مختار کی شرح میں لکھتے ہیں کہ لفظ مستحب میں حرف سین اور حرف تا معنی طلب کے لئے ہیں۔ اصل لفظ مُحَبٌّ ہی ہے اور اس مستحب کو مندوب اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ نُدبہ سے لیا گیا ہے۔ کسی آدمی کی وفات کے بعد اس کے محاسن و خوبیاں بیان کرنے کو نُدبہ میت کہتے ہیں تو چونکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی مستحب فعل کی خوبیاں بیان فرما دیتے ہیں۔ اس لئے اس کو مندوب بھی کہہ دیا جاتا ہے اور اسے نفل اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مستحب فعل فرض و واجب سے زائد ہوتا ہے۔ نیز اس کے کرنے سے ثواب میں زیادتی بھی ہوتی ہے۔ اور اسے تطوع بایں وجہ کہا جاتا ہے کہ فعل مستحب کرنے والا اسے کسی حتمی حکم کے بغیر تبرعاً کرتا ہے۔ اور بعض فقہاء اسے سنت بھی کہہ دیتے ہیں۔ علامہ قہستانی نے کہا ہے کہ اسے سنت کہنے کی صورت میں یہ سنت سنن زوائد سے کم مرتبہ کی سنت ہوگی۔ اور مستحب کرنے والے کو ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے پر ملامت نہیں ہوتی مگر مستحب کام نہ کرنا بہتر نہیں یعنی کرنا چاہئے۔

امام شمس الدین قہستانی کے مطابق سنت کی تین قسمیں ہوئیں۔ سنت مؤکدہ۔ سنت غیر مؤکدہ۔ سنت مستحب۔

مستحب کی تعریف = علماء نے مستحب و مندوب کی کئی تعریفیں کی ہیں۔ فقہ کی مشہور کتاب درمختار میں علامہ حصکفی نے مستحب کی تعریف یہ کی ہے۔ وھو ما فعلَہُ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَرَّۃً وَ تَرَکَہٗ اُخرٰی وَمَا اَحَبَّہُ السَّلَفُ۔ (درمختار علی ہامش ردالمحتار ج1 ص/11)
یعنی مستحب وہ فعل ہوتا ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کیا اور کبھی چھوڑ دیا اور وہ فعل بھی مستحب ہوتا ہے جسے سلف مشائخ نے محبوب جانا۔

دیوبندی فرقہ کے مشہور پیشواء مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی مستحب کی اس دوسری قسم یعنی فعل محبوب مشائخ کو ان الفاظ سے تسلیم کرتے ہیں۔ سُمِّیَ مُستحباً باعتبار انه اَحَبَّهٗ علماُؤنا (بوادر النوادر تھانوی ص 777) یعنی نماز کی نیت کرتے وقت منہ سے بھی نیت ادا کر لینا یہ مستحب بایں معنی ہے کہ ہمارے علماء نے اسے اچھا جانا ہے۔ نہ بایں معنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیا ہے یا اس کی ترغیب فرمائی ہے۔

مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی بھی یہی لکھتے ہیں کہ نماز کی نیت دل میں کرنا تو ضروری ہے مگر زبان سے بھی کہہ لینا محبوب علما کی رو سے مستحب ہے۔

وَمُسْتَحَبٌ عَلٰی مافی المُنْیَۃِ ای بمعنی مَافَعَلَہُ العُلَمَاءُ وَاسْتَحَبُوْہُ لا بمعنی مَافَعَلَہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَوْ رَغَّبَ اِلَیْہِ فَاِنَّہٗ لَمْ یَثْبُتْ۔ (عمدۃ الرعایۃ) زبان سے نماز کی نیت کرنا مستحب بایں طور ہے کہ اسے علماء و مشائخ نے محبوب سمجھا اور کیا۔ اس معنی میں یہ مستحب نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کیا یا اس کی ترغیب دی۔ کیونکہ آپ کا زبان سے نیت کرنا یا امت کو ترغیب دینا ثابت نہیں۔

صاحب درمختار و عمدۃ الرعایہ و بوادر النوادر کی ان عبارات سے مستحب کی دو قسمیں ثابت ہو گئیں۔

1۔ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محبوب جانا اور کبھی خود بھی کیا اور اس کی ترغیب بھی فرمائی۔

2۔ نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کیا اور نہ ہی ترغیب دی بلکہ علماء نے اسے محبوب جانا اور کیا۔

اب مستحب کی تیسری تعریف جو سب سے زیادہ صحیح ہے امام ابن ہمام صاحب فتح القدیر شرح ہدایہ کی زبانی سنئے۔

فَالاَوْلٰی مافی التحریر اَنَّ مَا وَاظَبَ عَلَیْہِ مَعْ تَرْکِ مَا بِلَا عُذْرٍ سُنَّۃٌ وَمَالَمْ یُوَاظِبْ عَلَیْہِ مَنْدُوْبٌ وَمُسْتَحَبٌ وَاِنْ لَمْ یَفْعَلْہُ بَعْدَ مَا رَغَّبَ فِیْہِ (ردالمحتار ج 1 ص 87)

سنت اور مستحب کے درمیان فرق کے لئے مستحب کی بہترین تعریف یہ ہے کہ جس کام کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ کیا مگر بغیر کسی عذر کے کبھی اسے ترک بھی فرمادیا وہ سنت ہے اور جس کام پر مواظبت نہ فرمائی بلکہ اس کام کو خود کبھی نہ کیا صرف اس کی ترغیب فرمادی تو یہ مستحب ہے۔ امام ابن ہمام نے اپنی کتاب التحریر میں مستحب کی یہی تعریف کی ہے اور یہی اولیٰ ہے۔

ظاہر ہے کہ علماء و مشائخ کے محبوب فعل کو درمختار و عمدۃ الرعایہ و بوادر النوادر کے مطابق مستحب قرار دینا اس کے لغوی معنی یعنی محبوب فعل کے لحاظ سے مستحب کہا جاتا ہے جیسا کہ فقہاء منقول عن العلماء کو بھی سنت کہہ دیتے ہیں۔ جیسا کہ دیوبندی حکیم الامت تھانوی صاحب لکھتے ہیں: "سنت کے کئی معنی ہیں۔ 1۔ منقول عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ الخ 2۔ منقول عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم او الخلفاء الراشدین۔ الخ 3۔ منقول عن الرسول صلی

اللہ علیہ وسلم او الصحابۃ او التابعین - الخ 4- منقول عن العلماء - الخ (بوادر النوادر تھانوی ص 778 طبع دیوبند) یعنی سنت کے تعمیم معنی ھی الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین کے لحاظ سے جس طرح منقول عن العلماء کو سنت کہہ دیا جاتا ہے اسی طرح فعل محبوب علماء و مشائخ کو بھی فقہاء مستحب کہہ دیتے ہیں ورنہ مستحب کی اَولیٰ واصح تعریف وہ ہی ہے جو امام ابن ہمام نے کی ہے یعنی مستحب دو قسم کا ہوتا ہے-

مستحب نمبر1 | جس کام کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فضیلت بیان فرمائی اور امت کو اس کے کرنے کی تحریص و ترغیب فرمائی مگر وہ کام کرنا اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہونا ثابت نہ ہو جیسے کہ جمعہ کے دن کثرت سے درود شریف پڑھنا اور خود اذان پڑھنا کہ یہ اور اس قسم کی بے شمار عبادات کی آپ نے ترغیب فرمائی مگر سنت نہیں ہیں اور بوجہ آپ کی ترغیب کے مستحب ہیں اور اذان کے متعلق امام ترمذی کی روایت میں جو اَذَّنَ وارد ہے وہ اسی راوی سے دوسری مفصل حدیث روایت کردہ امام احمد میں فَاَمَرَ بِلَالًا کے الفاظ میں وارد ہے دیکھو فتح الباری شرح بخاری ج 2 ص 79 طبع لاہور ہے-

فعُرِفَ اَنَّ فی روایۃ الترمذی اِخْتِصَارًا وَاَنَّ مَعْنٰی قَوْلِہٖ اَذَّنَ اَمَرَ بِلَالًا بِہٖ - الخ-

یعنی امام ترمذی کی روایت میں جو لفظ اذن ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اذان پڑھی - یہ حدیث مجمل ہے اور امام احمد کی روایت میں جو الفاظ فَاَمَرَ بِلَالًا ہیں یعنی بلال کو حکم فرمایا تھا کہ اذان پڑھو یہ روایت مفصل ہے اور مجمل مفصل پر محمول ہے تو خود اذان پڑھنا سنت نہیں مستحب ہے-

مستحب نمبر2 | جس کام کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فضیلت بیان فرمائی اور امت کو ترغیب فرمائی اور وہ کام کبھی خود بھی کیا جیسے کہ دعا بعد نماز جنازہ کہ نماز جنازہ بھی نماز ہے اور عمومی ترغیب ہر نماز کے بعد دعا مانگنے کی احادیث میں وارد ہے اور نماز جنازہ کے بعد کبھی کبھی دعا مانگنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت بھی ہے جیسا کہ جنگ موتہ کے شہداء کی نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا اور ایک بچے کی نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے - جس کی تفصیل آئندہ انشاء اللہ آپ دعا بعد نماز جنازہ کی بحث میں پڑھنے والے ہیں - تو یہ مستحب کہلاتا ہے اور امام ابن ہمام کی تعریف مستحب کے الفاظ وَاِنْ لَمْ یَفْعَلْہُ بَعْدَ مَا رَغَبَ فِیْہِ سے مستحب کی دونوں تعریفیں اور دونوں قسمیں واضح طور پر عیاں ہیں- جو بدبخت یہ کہتے ہیں کہ جو کام سنت نہ ہو بس وہ بدعت مذمومہ ہی ہوتا ہے ان کے لئے تازیانہ عبرت ہے-

مستحب کا کرنا اَولیٰ (افضل) ہے | شریعت مطہرہ کی رو سے جو کام کو فرض ' واجب یا سنت تو نہ ہو مگر مستحب ہو اس کو چھوڑنا بہتر نہیں ہوتا بلکہ اس کا کرنا افضل و اولیٰ ہوتا ہے - اس

مسئلہ کے متعلق خاتمۃ المحققین راس الفقہاء امام سید ابن عابدین فقہ کی مستند و متداول کتاب رد المحتار شرح در مختار میں مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

ولا شک اَنَّ تَرْکَ الْمَنْدُوْبِ خِلَافُ الْاَوْلٰی (رد المحتار ج 1 ص 87 طبع مصر)

اس میں کوئی شک نہیں کہ مستحب کا نہ کرنا اولیٰ و افضل کے خلاف ہے یعنی بہتر یہی ہے کہ مستحب و مندوب کام کرنا چاہئے۔

احکام و ترغیبات عمومی و خصوصی

آپ محقق الفقہاء ابن ہمام کی تعریف سنت و تعریف مستحب پڑھ چکے ہیں کہ سنت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کرنا ضروری ہوتا ہے مگر مستحب کے لئے آپ کا ترغیب فرما دینا ہی کافی ہوتا ہے کرنا ضروری نہیں ہوتا اور گو کہ محدثین و علمائے اصولیین کے نزدیک سنت کی اپنی اپنی اصطلاحات کتب علماء میں اور بھی موجود ہیں مگر فقہاء کے نزدیک سنت و مستحب کے فرق کے لئے یہی تعریف معتبر ہے جو امام ابن ہمام کی کتاب "التحریر" سے گزر چکی ہے کہ مستحب کے لئے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ترغیب فرما دینا ہی کافی ہوتا ہے کرنا شرط نہیں ۔ اور اہل علم و دانش پر یہ بھی مخفی نہیں کہ احکام و ترغیبات کی دو قسمیں ہیں ۔ عمومی و خصوصی ۔ فرائض ہوں یا واجبات، سنن ہوں یا مستحبات قرآن مجید و احادیث نبویہ میں بعض احکام تو افراد و اشیاء کو مخصوص و نامزد کر کے دیئے جاتے ہیں مگر بعض احکام افعال کے لئے مطلق و عام قواعد کلیہ سے ذکر کئے جاتے ہیں اور اس مطلق و عام کے تمام افراد اس حکم میں داخل ہو جاتے ہیں ۔

قرآن مجید میں عمومی و خصوصی احکام قرآن مجید میں نماز کے لئے وضو فرض ہونے کا حکم ہے چنانچہ :

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ اے ایمان والو جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو ۔ پس دھو اپنے موہوں کو اور ہاتھوں کو، کوہنیوں اور پاؤں کو ٹخنوں سمیت اور مسح کرو اپنے سروں پر ۔

اس آیت کریمہ میں ہر نماز کے لئے وضو کا فرض ہونا اور وضو کے لئے منہ ' ہاتھوں ' پاؤں کا دھونا اور سر کا مسح کرنا ' یہاں عموم حکم اور خصوص حکم دونوں موجود ہیں ۔ نماز کے لئے فرضیت وضو کا حکم مطلق و عام لفظ سے دیا گیا ہے یعنی لفظ صلوٰۃ جس کا معنی ہے نماز ۔ تو نماز کے تمام افراد نماز ظہر ۔ نماز عصر ۔ نماز مغرب ۔ نماز عشاء ۔ نماز فجر ۔ نماز جنازہ ۔ نماز جمعہ ۔ نماز عید وغیرہ سب افراد کو یہ حکم عام ہے اور گو کہ لفظ صلوٰۃ میں نماز ظہر وغیرہ کسی نماز کا نام تو نہیں لیا گیا مگر یہ حکم عام سب افراد کے لئے قطعی ہوگا ۔ اسی آیت میں خصوصی حکم بھی دیکھئے کہ وضو

میں دھونے اور مسح کے اعضا کا خصوصی نام لے کر ذکر فرمادیا گیا ہے۔

حدیث نبوی میں عمومی و خصوصی احکام | ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:
اذا فرغ احدکم من صلاتہ فلیدع باربع - الخ (سنن کبریٰ بیہقی ج 2 ص 154 طبع دکن حیدر آباد)
تم میں سے کوئی جب اپنی نماز سے فارغ ہو تو چار چیزوں کی دعا مانگے - عذاب جہنم - عذاب قبر - زندگی و موت اور دجال کے فتنہ سے پناہ مانگے پھر جو چاہے اور دعا کرے - مفصل حدیث بلفظہ ہم بحث دعا بعد نماز جنازہ میں ذکر کریں گے -
دیکھئے یہاں بھی نماز کے بعد دعا کا عمومی حکم ہے جو کہ ہر نماز ظہر - عصر - مغرب - عشاء - فجر - تہجد - جمعہ - عیدین - اشراق - چاشت - نماز جنازہ - نماز اوابین - وتر - نوافل سب کو عام ہے اور سب کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے اور اسی حدیث میں خصوصی حکم بھی ہے کہ جن چیزوں سے بچنے کی دعا مانگی ہے ان کا نام بھی ذکر فرما دیا گیا ہے اور پھر عام دعا کا ارشاد فرما کر ہر نماز کے بعد حسب منشا دعا مانگنے کا استحباب بھی ذکر فرما دیا گیا ہے -

دعویٰ خاص و دلیل عام | مذکورہ بالا ذکر احکام کی وضاحت کے بعد اگر کوئی ہٹ دھرم یا جاہل شخص یہ کہے کہ مثلاً مغرب کی نماز کے لئے وضو فرض نہیں اور اسے مغرب کی نماز کے لئے وضو کی فرضیت کے لئے ارشاد الٰہی اذا قمتم الی الصلوٰۃ سنایا جائے تو کہہ دے آیت میں لفظ صلوٰۃ ہے جو کہ عام ہے اور میرا دعویٰ خاص نماز مغرب کے لئے ہے یا کوئی بے عقل یہ کہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مستحب نہیں اور اسے اذا فرغ احدکم من صلاتہ فلیدع الخ - سنایا جائے تو کہہ دے کہ یہاں تو لفظ صلوٰۃ عام ہے اور میرا دعویٰ خاص نماز جنازہ کے بعد دعا کے مستحب نہ ہونے کا ہے اور دعویٰ خاص عام دلیل سے ثابت نہیں ہو سکتا تو ایسے مَنّاعٍ لِلخیر ابلہ کا علاج سوائے سنسمہ علی الخرطوم کے کسی کے پاس نہیں ہے کیونکہ اس طرح تو کتب اصول فقہ میں عام و خاص کی ساری ابحاث ہی معطل ہو کر رہ جائیں گی -

صلوٰۃ و سلام قبل اذان و دعا بعد سلام نماز جنازہ عمومی ترغیب نبوی سے مستحب ہیں

اس تمہید و توضیح کے بعد اب ہم صلوٰۃ و سلام قبل اذان اور دعا بعد فراغ از سلام نماز جنازہ کا مستحب ہونا دو وصلوں میں بیان کرتے ہیں - وصل اول در بیان استحباب صلوٰۃ و سلام قبل اذان اور وصل دوم در بیان استحباب دعا بعد نماز جنازہ ہے -

وصل اول دربیان استحباب صلوٰۃ و سلام قبل اذان

مستند علمائے اصول احکام شریعت و فقہائے احناف کے اقوال کی روشنی میں مستحب کے احکام شریعت سے قرار دیئے جانے اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امت کو کسی کام کی ترغیب فرما دینے اور خود وہ کام نہ کرنے کے باوجود اس کام کے مندوب و مستحب ہونے کے تیقن ہوجانے کے بعد ہمارا دعویٰ ہے کہ اذان - تکبیر - تلاوت قرآن مجید - وضو - نماز - طواف کعبہ و دیگر ہر اہم و نیک کام سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و صلوٰۃ و سلام پڑھنا مستحب ہے - پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے اور نہ پڑھنا خلاف اَولیٰ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور ارشاد عموی اذان تکبیر وغیرہ سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا ترغیبی ارشاد فرمایا ہے - آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں -

كُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَا یُبْدَاءُ فِیْهِ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَ الصَّلٰوةِ عَلَیَّ فَهُوَ اَقْطَعُ مَمْحُوْقٌ مِنْ كُلِّ بَرَكَةٍ: الرہاوی عن ابی ہریرۃ (جامع صغیر امام سیوطی ج 2 ص 92 طبع مصر) یعنی ہر اہم امر و نیک کام جس کی ابتدا میں حمد الٰہی اور مجھ پر صلوٰۃ نہ پڑھی گئی وہ ناقص اور ہر برکت سے محروم ہوگا - اس حدیث کو محدث رہاوی نے اپنی کتاب "الاربعین" میں حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے -

اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واضح ہے کہ ہر نیک و اہم کام سے پہلے حمد الٰہی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا مستحب ہے اور اذان و تکبیر بھی بہت بڑے اہم و نیک کام ہیں - لہٰذا بطور شمول حکم کل امرٍ ذی بالٍ ان سے پہلے بھی صلوٰۃ و سلام پڑھنا مستحب ہے -

اذان امر ذی بال ہے اذان کے امر ذی بال یعنی اہم و مہتم بالشان کام ہونے کے متعلق حدیث شریف ملاحظہ ہو - المؤذنون اَطول الناس اعناقاً یومَ القیمۃِ: رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص 63) یعنی قیامت کے دن اذان پڑھنے والوں کی گردنیں دوسرے لوگوں سے بلند ہوں گی -

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے بعد یہ واضح ہے کہ اذان امر ذی بال اور اہم کام ہے - اور جب یہ کام ذی بال و اہم کام ہے تو ضَرَب یضرِب کے حافظ کسی عالم یا مفتی کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ اس سے پہلے صلوٰۃ و سلام کو بدعت مذمومہ یا اضافہ قرار دے کر منشاء نبوی سے تصادم کرے -

لفظ کل کا مفاد لسان عرب میں عموم اور شمول حکم کے لئے الفاظ و حروف موضوع ہیں جن میں سے کل - اذا - من - ما وغیرہ کا استعمال عموم کے لئے ہوتا ہے - کتاب و سنت میں اس کا ذخیرہ موجود ہے - کسی کثیر الافراد امر کے لئے جب کوئی ارشاد فرمانا ہوتا ہے تو لفظ کل سے حکم

جاری فرما دیا جاتا ہے تاکہ جو افراد اس کلیہ کے دائرے میں آئیں وہ حکم ان سب افراد پر نافذ ہو جائے - قرآن مجید میں اس کی ایک مثال دیکھئے- زمین و آسمان کی ہر شے کا اندراج کتاب مبین یعنی لوح محفوظ میں ہے - اللہ تعالیٰ اس امر واقع کی خبر دینے کے لئے اگر ہر شے کا نام لے کر خبر دیتے تو دفتر بھی ناکافی ہوتے اس لئے لوح محفوظ میں ہر شے کے اندراج کی خبر اس طرح دی وَ کُلَّ شَیْءٍ احصینٰہ فی کتاب مبین - ہر شے کو ہم نے کتاب مبین میں ضبط کر دیا ہے - اب جو بھی شے ہے وہ کتاب مبین میں ہے کے اعلان کے بعد کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ چونکہ فلاں چیز کا نام لے کر نہیں کہا گیا کہ وہ بھی کتاب مبین میں درج ہے' لہٰذا میں نہیں مانتا کہ وہ بھی وہاں درج شدہ ہے - اسی طرح حمد الٰہی و صلوٰۃ والی مذکور حدیث میں واقع لفظ کل سے ارشاد نبوی کہ ہر نیک کام کی ابتداء میں حمد و صلوٰۃ اگر نہ پڑھی گئی تو برکت نہ ہوگی کے فرمان کے بعد کوئی عالم یا مفتی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اذان کا چونکہ حدیث میں نام نہیں ہے لہٰذا اس سے پہلے صلوۃ و سلام نہیں پڑھا جاسکتا-

حدیث مذکور میں ہر اہم اور اچھے کام کی ابتداء میں صلوہ و سلام پڑھنے کا ارشاد کل امر ذی بال سے فرمایا گیا ہے - اصول فقہ کی مستند و متداول کتاب منار تصنیف عبداللہ بن احمد ابو البرکات نسفی صاحب کنز الدقائق متوفی سن 710 ھ میں تصریح سے یہ حکم موجود ہے -

و کل للا حاطة علی سبیلِ الافراد وھی تصحب الاسماً فتعمھا - لفظ کل اپنے مدخول کے تمام افراد کے احاطہ کے لئے آتا ہے - اسموں پر داخل ہوتا ہے اور اس کے ہر فرد کو عام ہوتا ہے - اس کی شرح نور الانوار میں امام الاصولین الشیخ احمد لکھتے ہیں -

فھذا یسمی عموم الافراد - لفظ کل کے اپنے مدخول کے تمام افراد کے احاطہ کو عموم الافراد کہتے ہیں -

فَاِن دخلت علی المنکرِ اَوجب عمومَ اَفرادہٖ - جب کل اسم نکرہ پر داخل ہو تو ضروری ہے کہ اس کے مدخول کے تمام افراد اس کے حکم میں ہوں -

نورالانوار کے محشی شاہ عبدالحلیم لکھنوی اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں -

لاَن عمومَ اَفراد مدخولہٖ کل مدلول کلمةِ کل لغة" - اس لئے کہ تمام افراد کو عام ہونا کلمہ کل کا لغت مدلول ہے - (نورالانوار ص 76 طبع کراچی)

حدیث نبوی مذکور میں کُلُّ امرٍ ذی بالٍ میں لفظ کل امرٍ ذی بالٍ نکرہ پر داخل ہوا ہے - لہٰذا ہر کام ذی بال و اہم کی ابتداء میں صلوٰۃ و سلام کے استحباب کا حکم یقیناً اصولاً و لغتاً اذان کو شامل ہے اور اذان کی ابتداء میں صلوٰۃ و سلام پڑھنا بدعت نہیں بلکہ فرمان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیل ہوگی -

حکم عام کی تخصیص ہر نیک کام کی ابتداء میں صلوٰۃ و سلام کا یہ ترغیبی و استحبابی فرمان شارع علیہ الصلوٰۃ و السلام نے صادر فرمایا ہے کسی بھی متکلم کے عام حکم کو خود متکلم کے سوا کوئی دوسرا شخص خاص نہیں کر سکتا۔ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اذان کو اس عام سے خارج نہیں فرمایا تو کسی مولوی عالم یا مفتی کو ہرگز ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی فرقہ وارانہ و خارجیانہ ذہنیت کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عام حکم سے اذان کو خاص کرے اور اس سے پہلے صلوٰۃ و سلام بدعت قرار دے کر مداخلت فی الدین کرے۔

ایک اعتراض کہ رہاوی نے یہ حدیث اربعین میں تخریج کر کے کہا ہے کہ اس حدیث کا راوی اسماعیل بن ابی زیاد ضعیف ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ نیز یہ کہ امام سیوطی نے اس کے صحیح ہونے کی علامت (صح) نہیں لکھا لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ عذر لنگ قطعاً لغو اور بیہودہ ہے۔

حجت المحدثین امام جلال الدین سیوطی عموماً۔ جامع صغیر میں جب کوئی حدیث درج کرتے ہیں تو اگر ان کے نزدیک اس حدیث کا مرتبہ مصطلحہ محدثین صحیح ہونا متیقن ہو جائے تو وہ اس حدیث کے بعد (صح) صحیح ہے لکھ دیتے ہیں اور اگر اس کا ضعیف ہونا یقینی ہو تو حدیث کے آخر میں (ض) ضعیف ہے لکھ دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اسی حدیث بابت ہر اہم امر سے پہلے صلوٰۃ و سلام سے قبل ہر اہم امر سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کی حدیث جو کہ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے' اسی رہاوی سے درج کی اور اس کے آخر میں لکھ دیا۔ (ض) یعنی ہر اہم امر سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنے کی حدیث ضعیف ہے۔ مگر ہر اہم کام سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی حدیث مذکور کے آخر میں نہ تو صحیح ہے لکھا اور نہ ہی ضعیف ہے لکھا۔ غالباً صحیح تو اس لئے نہیں لکھا کہ سیوطی صاحب نے یہ حدیث رہاوی کی اربعین سے لی ہے اور رہاوی کے خیال میں اس کی روایت کی سند میں ایک راوی اسماعیل بن ابی زیاد ضعیف ہے۔ محض رہاوی کے قول کا لحاظ کرتے ہوئے خاموشی اختیار کی اور ضعیف اس لئے قرار نہیں دیا کہ اسماعیل بن ابی زیاد کا متکلم فیہ ہونا علمائے رجال کے نزدیک درست نہیں اور یہ حدیث بہ چند وجوہ ضعیف نہیں بلکہ صحیح ہے

۱۔ اسماعیل بن ابی زیاد ثقہ راوی ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

اسماعیل بن زیاد و یقال له اسماعیل بن ابی زیاد السکونی قاضی الموصل (الی قوله) وقد ذکره الدار قطنی ان اسم ابی زیاد مسلم و سیاتی بیان ذلک فی اسماعیل بن مسلم۔ (تقریب التہذیب ج ۱ ص 298 طبع حیدرآباد دکن) یعنی اسماعیل بن زیاد اسے ہی اسماعیل بن ابی زیاد کہتے ہیں یہ سکون کا رہنے والا شہر موصل کا قاضی تھا۔ دار قطنی نے کہا ہے کہ اسماعیل کے باپ ابی زیاد کا نام مسلم ہے اور عنقریب ہم اسماعیل بن مسلم کے ترجمہ

میں اس کا بیان کریں گے۔ پھر اسماعیل بن مسلم کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔
قال الدوری عن ابن معین ثقة (الی قوله) قال النسائی فی التمییز ثقه ذکره ابن حبان فی الثقات (تقریب التهذیب ج 1 ص 333)
دوری نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ اسماعیل بن مسلم معتبر راوی ہے۔ امام نسائی نے التمییز میں اسے ثقہ قرار دیا ہے اور ابن حبان نے بھی اسے ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے۔
اس وجہ سے امام سیوطی نے اس حدیث کو ضعیف تسلیم نہیں کیا۔
2۔ یہ کہ خود رہاوی نے باوجود خود ایک راوی کے ضعیف ہونے کے قول کے اس حدیث کو ضعیف نہیں کہا بلکہ غریب کہا ہے اور غریب حدیث صحیح بھی ہوتی ہے۔ امام ترمذی نے سنن ترمذی میں بہت سی احادیث کو غریب کہا اور قدوۃ المحدثین شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے مقدمہ مشکوٰۃ میں تصریح کی ہے کہ:
ولا شبهة فی جوازاجتماع الحسن والصحة بان یکون حسنالذاته وصحیحالغیره وکذلکاجتماع الغرابة والصحة کمااسلفنا۔ (مقدمہ مشکوٰۃ ص 6)
اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک ہی حدیث حسن بھی ہوسکتی ہے اور صحیح بھی کہ وہ لذاتہ تو حسن ہو لغیرہ صحیح ہو اس طرح ایک ہی حدیث غریب بھی ہوسکتی ہے اور صحیح بھی۔
اسی وجہ سے اس حدیث کُلّ امر ذی بال لا یبدأ فیه بالحمد والصلوٰة علیّ الخ۔ کو نہ تو رہاوی نے ضعیف کہا اور نہ امام سیوطی نے ضعیف قرار دیا۔
3۔ اس حدیث کے ضعیف نہ ہونے کی تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس حدیث کو صرف رہاوی نے ہی اپنی سند سے جس میں اسماعیل بن ابی زیاد ہے روایت نہیں کیا بلکہ اسے بہت سے محدثین نے اپنی اپنی سندوں سے روایت کیا ہے۔ امام ابو موسیٰ مدینی نے اسے اپنی سند سے تخریج کیا۔ امام دیلمی نے مسند فردوس میں۔ محدث محاملی نے الارشاد میں اور محدث شہیر عمرو بن مندہ نے اپنی کتاب المستخرج میں اپنی اپنی سندوں سے تخریج کیا۔ دیکھو (القول البدیع للسخاوی ص 240 طبع مدینہ منورہ)
اور محدثین کے نزدیک کوئی حدیث اگر اس کے کسی ایک طریق روایت میں کوئی راوی ضعیف بھی ہو۔ جب وہ کثرت طرق سے مروی ہو جائے تو پھر وہ حدیث ضعیف نہیں رہتی بلکہ وہ حدیث حسن ہو جاتی ہے۔
چنانچہ امام ابن ہمام حدیث شریف أن النبی صلی الله علیه وسلم کان یسجد علی کَوْرِ عمامته (رواه ابو نُعَیم فی الحِلیة و ابن عَدیٍ فی الکامل) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دستار شریف کے بل پر سجدہ فرمالیا کرتے تھے' کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ حدیث راوی

عمرو بن شمر کے ضعیف ہونے اور جابر جعفی کے کذاب ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے - پھر لکھتے ہیں کہ :

ولو تم تضعیف کلها کانت حسنةً لتعدد الطرق و کثرتها (فتح القدیر ج ۱ ص 215)
اور اگر اس حدیث کے طرق روایت تمام کے تمام ہی ضعیف ہوں تب بھی یہ حدیث ضعیف نہیں ہوسکتی بلکہ حدیث حسن کہلائے گی کیونکہ یہ حدیث متعدد وکثیر سندوں سے روایت ہوئی ہے
اسی طرح حدیث لا وضو المن لم یذکر اسم اللہ علیہ (رواہ ابوداود)
یعنی وضو کی ابتدا میں جو شخص بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو کامل نہیں ہے -
کے طرق روایت کے ضعف و انقطاع پر بحث کرنے کے بعد ابن ہمام لکھتے ہیں کہ اس کے تمام طرق روایت کے ضعف کے باوجود یہ حدیث ضعیف نہیں بلکہ درجہ حسن پر فائز ہے - کیونکہ کثرت طرق روایت نے اس حدیث کو حسن بنا دیا ہے -

بناء علی ان کثرةَ الطرقِ ترقّیہٖ الی ذلک (فتح القدیر ج ۱ ص ۱۴) یعنی کثرت طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے یہ حدیث حسن کے مرتبہ پر فائز ہوچکی ہے -
لہٰذا اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام والی حدیث کے کسی ایک طریق میں اگر کسی راوی کا ضعیف ہونا کوئی تسلیم بھی کرلے تب بھی اس حدیث کے کثرت طرق سے روایت ہونے کی بنا پر یہ حدیث ضعیف نہیں بلکہ حدیث حسن ہے -

4 - تعامل اہل اسلام | اس حدیث کے ضعیف نہ ہونے کی چوتھی وجہ یہ بھی ہے کہ کسی حدیث پر اگر تعامل اہل اسلام ہو یعنی تمام امت کے علماء کا اس پر عمل ہو تو وہ حدیث باوجود ضعیف ہونے کے ضعیف نہیں رہتی بلکہ حدیث مقبول ہوجاتی ہے - چنانچہ دیوبندی محدث مولوی محمد انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں :

اذا تأید العمل لرتقی من حال الضعف الی مرتبہ القبول قلت و ھو الا وجھہ عندی (فیض الباری ج 3 ص 409) یعنی کسی حدیث ضعیف پر امت کا اگر تعامل ہوجائے تو وہ حدیث ضعیف نہیں رہتی بلکہ حدیث مقبول کہلاتی ہے - میرے نزدیک یہی درست ہے -
اب اس حدیث ہر اہم امر سے پہلے صلوٰۃ و سلام پر تعامل امت دیکھئے - علامہ عبدالرؤف مناوی اس حدیث کی شرح میں مختلف علماء کے اقوال ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے متعلق علماء کی ناقدانہ آراء کے باوجود اس حدیث کی مقبولیت اور تمام امت کے اکابر و اصاغر علماء کے اس پر عمل کی یہ شان ہے کہ :

وفیہ کالذی قبلہ تعلیمٌ حسنٌ و توقیفٌ علی ادب جمیلٍ و بعثٌ علی التیمّن بالذکرین والتبرک بھما و الا ستظھارِ بمکانھما علی قبول ما یُلقی

الی السامعین و اصغائہم الیہ و انزالہ فی قلوبہم المنزلۃ التی یبغیہا المستمع وقد توارث العلماءُ والخطباءُ والوعاظ کابراعن کابر ھذا الادب فحمدوا اللہ و صلوا علی نبیہ اَمام کل علم مفاد و قبل کل عِظۃ و تذکرۃ وفی مفتح کل خطبۃ و تبعہم المترسلون فاجروا علیہاوائل کتبہم من الفتوح و التہانئ و غیر ذالک من الحوادث التی لہا شان - ذکرہ کلہ الزمخشری - (فیض القدیر شرح جامع صغیر ج ۹ ص ۱۴)

اس ہراہم امر سے پہلے حمد و صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے ارشاد نبوی میں اس سے پہلے ہر اہم امر سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ارشاد کی طرح اچھائی کی تعلیم ہے اور خوب ادب کی رہنمائی ہے کہ ہراہم امر سے پہلے بسم اللہ شریف بھی پڑھنی چاہئے - حمد الٰہی بھی ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھی پڑھنا چاہئے - حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمدِ الٰہی و ذکرِ نبی دونوں ذکروں سے تبرک حاصل کرنے کی ترغیب فرمائی ہے کہ ان دونوں ذکروں حمدِ الٰہی و صلوٰۃ و سلام کی مدد سے کلام سننے والوں کے متوجہ ہونے اور ان کے دلوں میں کلام کے اتارنے میں کامیابی ہوگی - تمام امت کے علماء و خطباء واعظین کا یکے بعد دیگرے یہ عمل جاری ہے کہ سب کے سب اسی حدیث و اسی فرمانِ نبوی کی وجہ سے ہی اپنی ہر علمی گفتگو ہر تقریر و وعظ ہر ذکر و خطبہ کی ابتداء میں حمد الٰہی اور صلوٰۃ و سلام پڑھتے چلے آرہے ہیں اور پھر مصنفین کا بھی اسی پر تعامل ہے کہ ہر اچھے مضمون کی کتب کی ابتداء حمد و صلوٰۃ سے ہی ہوتی ہے - علامہ زمخشری نے یہ سب کچھ ذکر کیا ہے -

علامہ عبدالروف مناوی کی اس ساری گفتگو سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ ہراہم امر سے پہلے حمد و صلوٰۃ پڑھنے کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم و ترغیب فرمائی ہے اور باوجود اس کے بعض روایات کے متکلم فیہ ہونے کے تعامل امت سے یہ حدیث مقبول ہوچکی ہے بلکہ اس حدیث پر پوری امت کا عملی اجماع ہوچکا ہے کہ کسی بھی مسلک و مذہب سے تعلق رکھنے والا کوئی عالم یا مصنف اپنی تقریر یا تصنیف و تحریر کی ابتداء میں نحمدہٗ ونصلی الخ - یا الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام الخ - یا کسی اور عبارت سے حمد و صلوٰۃ و سلام پڑھے بغیر نہ تو کوئی وعظ و بیان کرتا ہے نہ کوئی اس حدیث پر عمل کئے بغیر کتاب و رسالہ لکھتا ہے - یہاں تک کہ ہر اہم امر کی ابتداء میں بسم اللہ شریف پڑھنے کی حدیث کی نسبت بھی اس حدیث حمد و صلوٰۃ پر زیادہ تعامل جمیع مِلَل و نِحَل ہے - اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام کے منکرین خود بھی اسی حدیث پر عمل پیرا ہو کر ہی ہراہم امروعظ و تصنیف سے پہلے حمد و صلوٰۃ پڑھتے چلے آرہے ہیں -

تعامل علمائے دیوبند | کتاب "تبلیغی نصاب" تمام اکابر و اصاغر علمائے دیوبند کے نزدیک مستند

معمول بہ ہے اور یہ کتاب ہر تبلیغی مبلغ کی در بغل و حرز جان ہوتی ہے۔ اس کے مصنف مولوی محمد زکریا صاحب کاندھلوی نے فضائل درود میں صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقریبا 100 مواقع لکھے ہیں۔ جن میں یہ بھی ہیں۔

اور تکبیر کے وقت۔ اور ہر کلام کی افتتاح میں۔ اور جن اوقات میں بھی پڑھ سکتا ہو پڑھنا مستحب ہے۔ (تبلیغی نصاب ص 750) اور اہم امور کے شروع کے وقت (تبلیغی نصاب ص 751)

دیکھئے کاندھلوی صاحب کے الفاظ "اور اہم امور کے شروع کے وقت"۔ یہ اسی حدیث کُلّ امر ذی بال لایبدأ فیہ بحمداللہ والصلاۃ عَلَیَّ الخ۔ کا ہی ترجمہ ہے اور اذان کی ابتداء میں حمد وصلوٰۃ کی دلیل ہماری پیش کردہ حدیث کو کاندھلوی صاحب نے اپنا و علمائے دیوبند کا معمول بہ اور حجت تسلیم کیا ہے۔ اذان اہم امر ہے اور ہر اہم امر سے پہلے خود علمائے دیوبند کے نزدیک درود مستحب ہے تو اذان سے پہلے درود و سلام کو بدعت قرار دینا ان کا خود اپنی تکذیب کرنا ہے۔

تعامل علمائے وہابیہ | اہل ظواہر غیر مقلدین علماء کے مستند پیشواوں کے نزدیک یہ حدیث حجت و معمول بہ اور صحیح و مستند ہے۔ اور وہ اسی ہر اہم امر کی ابتداء میں حمد وصلوٰۃ والی حدیث پر عمل کر کے ہی اپنی تصنیفات و تقریرات کی ابتداء حمد و صلوٰۃ سے کرتے چلے آئے ہیں اور کرتے چلے جارہے ہیں۔ تو اذان سے پہلے حمد و صلوٰۃ پڑھنے پر ہنگامہ کیوں؟

علمائے وہابیہ کے نزدیک ابن تیمیہ سے بڑھ کر نہ کوئی سنت و بدعت کا واقف ہے اور نہ کوئی نقاد حدیث۔ غیر مقلدین اسے شیخ الاسلام بناتے ہیں۔ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "منتقی الاخبار" کے خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ اس طرح پڑھی۔

وصلی اللہ علی محمد النبی المرسل الخ۔ اور صلوٰۃ ہو محمد نبی مرسل پر

منتقی الاخبار کی مشہور شرح اس نجدی مسلک کے عظیم محدث محمد علی شوکانی نے "نیل الاوطار" کے نام سے لکھی ہے۔ شوکانی صاحب ابن تیمیہ کے خطبہ منتقی الاخبار میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر استحباب صلوٰۃ کی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں

وَلِحدیثِ ابی ھریرۃ عند الرھاوی بلفظ کُلُّ امرٍ ذی بالٍ لا یبدأُ فیہ بِحَمْدِ اللہِ والصلاۃِ عَلَیَّ فھو اَقْطَعُ۔ (نیل الاوطار ج1 ص 7)

ابن تیمیہ نے منتقی الاخبار کی ابتداء میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ اس لئے پڑھی ہے کہ رہاوی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر اہم امر جس کی ابتداء میں حمد و صلوٰۃ نہ پڑھی گئی وہ کام ناقص رہے گا۔ دیکھئے جس حدیث کے عموم کی رو سے سنی مسلمان اذان سے پہلے صلوٰۃ پڑھتے ہیں اسی حدیث کے عموم حکم سے ہی شوکانی صاحب کتاب کی ابتداء سے پہلے صلوٰۃ پڑھنا ثابت کر رہے ہیں۔ اگر وہاں اذان کا

نام نہیں تو یہاں بھی ابتداء کتاب کا ذکر نہیں ایک جگہ کل کے عموم سے حکم ثابت ہے تو دوسری جگہ بھی ثابت ہے۔ شوکانی نے اس حدیث کی مقبولیت و حجیت پر مہر ثبت کردی ہے کہ اس حدیث کے بعض رُوات کے متکلم فیہ ہونے کے باوجود یہ اکابر وہابیہ کے نزدیک معمول بہ و مقبول ہے ناقابل عمل نہیں ہے۔

ابن قیم جوزی کا عمل اسی جماعت ظاہریہ کے مشہور پیشواء محمد بن ابی بکر دمشقی المعروف بابن قیم جوزی متوفی 751ھ اپنی مشہور کتاب "جلاء الافہام" میں درود و سلام کے استحباب کے مواقع و مواطن ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

المَوْطِن الاربعون من مواطن الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم عند كل كلام خيرٍ ذى بالٍ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھنے کے مواقع میں سے چالیسواں موقع یہ ہے کہ ہر اچھے کلام کی ابتداء میں صلوٰۃ پڑھنی چاہیے۔

فانه يَبْدَاءُ بِحمدِ اللهِ والثناءُ عليه ثم بالصلاة على رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم ثم يَذْكُرُ كلامَهُ بعدَ ذٰلك یعنی ہر اچھے کلام کے پڑھنے کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی حمد ثناء کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھے۔ اس کے بعد کلام شروع کرے۔

پھر اس کی دلیل دیتے ہوئے کہ ہر اچھے کلام کی ابتداء میں حمد و صلوٰۃ کیوں پڑھنی چاہیے، ابن قیم صاحب لکھتے ہیں:

> واما الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم فروى ابو موسى المَدِينى من حديث اسماعيل بن ابى زياد عن يونس بن يزيد عن الزهرى عن ابى سلمة عن ابى هريره رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كل كلام لا يُذكَرُ الله فيه فيُبْدَاُبه والصلاة على فهو اقطع ممحوق من كل بركة۔ (جلاء الافہام ص 301)

یعنی ہر اہم کلام کی ابتداء میں حمد و صلوٰۃ اس لئے پڑھنی چاہیے کہ اسماعیل بن ابی زیاد کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر وہ کلام خیر جس کی ابتداء میں حمد الٰہی اور مجھ پر صلوٰۃ نہ پڑھی گئی وہ ناقص اور بے برکت ہے۔

دیکھئے امام زہری و ابو سلمہ جیسے معتمد راویوں سے اسماعیل نے یہ حدیث روایت کی اور ماہر صحت و ضعف احادیث ابن قیم جوزی نے کسی جرح و تنقید کے بغیر اس پر اعتماد کیا اور اس کی صحت قبول کرکے اس سے استدلال کیا ہے۔ جس سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ رہادی کے نزدیک اس کے راوی متکلم فیہ ہونے کے باوجود چونکہ یہ حدیث کثرت طرق سے مخرج ہے اور تعامل امت سے مؤید و مقبول ہے اس لئے معمول بہ و معیار استدلال و حجت ہے۔ تو اذان

بھی چونکہ بلا ریب امر ذی بال و کلام خیر ہے لہٰذا اس سے پہلے بھی حمد الٰہی و صلوٰۃ و سلام پڑھنا مستحب و باعث برکت ہے۔

حافظ الحدیث امام سخاوی کا اس حدیث پر اعتماد حافظ الحدیث امام سخاوی تلمیذ شیخ الاسلام امام ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب مستطاب "القول البدیع فی الصلوٰۃ والسلام علی الحبیب الشفیع" (جس کے باربار حوالے مولوی محمد زکریا کاندھلوی دیوبندی نے اپنی کتاب تبلیغی نصاب میں بھی دیئے ہیں) میں الصلاۃ علیہ عند افتتاح الکلام کا عنوان باندھ کر ابن قیم کی نقل کردہ یہی حدیث مذکور اس طرح ذکر کی ہے۔

و اماالصلوٰۃ علیہ عند افتتاح کل کلام فعن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کلام لا یذکر اللہ تعالٰی فیہ فیبدأ بہ و بالصلاۃ علی فھو اقطع ممحوق من کل برکۃ اخرجہ الدیلمی فی مسند الفردوس و ابو موسی المدینی والمحاملی فی الارشاد و من طریقہ الرھاوی فی الاربعین لہ وسندہ ضعیف وھو فی الثانی من فوائد عمرو بن مندۃ بلفظ کل امر ذی بال لا یبدا فیہ بذکر اللہ ثم الصلاۃ علی فھو اقطع ممحوق من کل برکۃ و الحدیث مشھور لکن بغیر ھذا اللفظ وقد قال الشافعی احب ان یقدم المرٔ بین یدی خطبتہ وکلِ امرٍ طلبہٗ حمدَ اللہ والثناءَ علیہ سبحانہ وتعالٰی و الصلاۃَ علی رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (القول البدیع ص 246 طبع مدینہ منورہ)

ہر کلام کی ابتداء میں صلوٰۃ پڑھنا' اس بارے میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ہر وہ کلام جس کی ابتداء میں ذکر الٰہی اور مجھ پر صلوٰۃ نہ پڑھی گئی وہ ناقص اور برکت سے خالی ہے۔ اس حدیث کو حافظ الحدیث امام دیلمی نے مسند الفردوس میں تخریج کیا اور محدث اصفہان ابو موسیٰ مدینی متوفی 581 ھ نے اپنی سند سے روایت کیا۔ اور امام الرجال ابن ابی حاتم کے استاذ ابوالحسین سلیمان الرہاوی محدث جزیرہ متوفی 261 ھ نے اسے اربعین میں تخریج کیا۔ صرف رہاوی کی سند میں ضعف ہے اور اسے حافظ الحدیث حسین بن اسماعیل بغدادی محاملی استاذ دار قطنی متوفی 320 ھ نے الارشاد میں روایت کیا۔ اور محدث شہیر ابو عمرو بن مندہ نے المستخرج میں تخریج کیا اور ابو موسیٰ مدینی نے انہیں ابو عمرو بن مندہ سے لیا ہے۔ جس کی مخرج حدیث کے لفظ یہ ہیں:

کل امر ذی بال لا یبدا فیہ بذکرِ اللہ ثم الصلوٰۃ علی فھو اقطع ممحوقٌ من کل برکۃ یعنی ہر اہم کام جس کی ابتداء میں حمد الٰہی اور مجھ پر صلوٰۃ نہ پڑھی گئی وہ ناقص اور ہر برکت

سے محروم ہے۔

یہ حدیث نبوی الفاظ کل امر ذی بال لا یبدا فیہ باسم اللہ سے تو مشہور ہے مگر ان الفاظ سے بھی ان پانچ محدثین نے اسے تخریج کیا ہے اور اسی حدیث کی بناء پر حضرت امام شافعی نے فرمایا ہے کہ میرے نزدیک یہی امر پسندیدہ ہے کہ کوئی بھی آدمی جب بھی کوئی مطلوب کام کرنے لگے یا خطبہ دے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھے۔

حضرت امام شافعی اور حدیث صلوٰۃ و سلام | امام سخاوی نے پانچ ثقہ محدثین سے حدیث کل امر ذی بال لا یبدأ فیہ بذکر اللہ ثم الصلوٰۃ عَلَیَّ مذکور کو ثابت کیا ہے اور ساتھ ہی حضرت امام شافعی کا اس حدیث پر عمل ذکر کرکے کہ ان کے نزدیک اس حدیث پر عمل کرنا مستحب ہے' اس حدیث پر تعامل ائمہ واضح کردیا ہے۔

محدث العصر مولانا عبدالعزیز مصنف نبراس شرح شرح عقائد کا اس حدیث سے استناد و استدلال | علامہ عبدالعزیز علماء متاخرین سے فقید المثال تبحر و نابغۂ روزگار امام الفنون مسلم ہیں

صاحب شرح عقائد نے اس کی ابتداء میں والصلوٰۃ علی نبیہ الخ لکھا۔ علامہ عبدالعزیز صاحب نبراس میں لکھتے ہیں کہ صاحب شرح عقائد نے خطبہ میں بسم اللہ و حمد الٰہی کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ اس لئے پڑھی ہے کہ ایک حدیث بسم اللہ شریف کے بارے میں اور دوسری حمد الٰہی کے بارے میں اور تیسری صلوٰۃ کے بارے میں آئی ہے۔

ثالثھا کُلُّ کَلَامٍ لا یُبْدأُ فیہ بالصلوٰۃ عَلَیَّ فَھُوَ اَقْطَعُ رواہ ابو موسیٰ المَدِیْنِی (نبراس ص 4)

تیسری حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کلام کی ابتداء میں مجھ پر صلوٰۃ نہ پڑھی گئی وہ ناقص ہے۔ اس حدیث کو امام ابو موسیٰ مدینی نے روایت کیا ہے۔

دیکھئے علامہ عبدالعزیز جیسی عبقری شخصیت نے اسی حدیث صلوٰۃ و سلام سے جو اصول حدیث روایت بالمعنی کے لحاظ سے کُلُّ اَمْرٍ ذِی بَالٍ اور کُلُّ کَلَامٍ خیرٍ ذِی بَالٍ کے الفاظ سے مقبول عندالمحدثین ہے' سے استناد و استدلال کیا اور خطبہ کی ابتداء میں کل کے عموم سے استدلال کرکے صلوٰۃ کو مستحب قرار دیا۔

امام قاضی عیاض کی طرف سے توثیقی صراحت | پانچویں صدی کے عظیم محدث امام قاضی عیاض یحصبی متوفی 544ھ جنہیں ناقد الرجال امام ذہبی عالم المغرب و امام الحدیث فی وقتہ کہتے ہیں (دیکھو تذکرہ الحفاظ ج 4 ص 98 طبع حیدر آباد دکن) اپنی کتاب الشفا فی حقوق المصطفیٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے مواقع گنواتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وَعِنْدَ الْاَذَانِ (الشفاء ج 2 ص 66 طبع مصر) اوراذان کہتے وقت صلوٰۃ و سلام پڑھنا چاہئے۔ عند کا معنی وقت ہے۔ جیسا کہ منیۃ المصلی میں باب صفت الصلوٰۃ میں ہے۔ واخرج یدیه من کمّیه عند التکبیر۔ یعنی تکبیر کہنے سے پہلے دونوں ہاتھ آستینوں سے نکال لے تو یہاں بھی یہ معنی ہوگا کہ اذان پڑھنے سے پہلے صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ لے کہ اذان نیک کام ہے اور ہر نیک کام سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھنا مستحب ہے۔ واضح رہے کہ اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھنا عموم کل واقع حدیث مذکور سے ثابت ہے اور اذان کے بعد بھی صلوٰۃ و سلام پڑھنا دوسری حدیث سے ثابت ہے وہ یہ ہے:

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص انه سمع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول ثم صلوا علیّ فانه من صلی عَلَیّ صلوٰۃً صلی اللہ علیه بها عشراً رواہ مسلم (القول البدیع للسخاوی ص 166) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ نے فرمایا۔ جب تم اذان سنو تو مؤذن کے ساتھ ساتھ وہی کلمے پڑھتے جاؤ۔ جب اذان ختم ہوجائے تو مجھ پر صلوٰۃ پڑھو۔ جس نے مجھ پر ایک دفعہ صلوٰۃ پڑھی اللہ تعالی نے اس پر دس رحمتیں نازل فرمادیں (صحیح مسلم)

حدیث مذکور "کل امر ذی بال" اور اس حدیث "اذا سمعتم المؤذن" سے ثابت ہوا کہ اذان سے پہلے بھی اور اذان کے بعد بھی صلوٰۃ و سلام پڑھنا مستحب ہے۔

حدیث ضعیف بھی صحیح ہوتی ہے غلط نہیں ہوتی | حدیث صحیح یا ضعیف اثبات حکم شرعی وجوب و استحباب کے لئے محدثین کی مراتب حدیث کی ایک اصطلاح ہے۔ بعض جہلاء و گستاخان حدیث کسی حدیث کے ضعیف ہونے سے جہلاء کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ معاذ اللہ حدیث ضعیف غلط۔ و بے کار۔ و ناقابل عمل ہوتی ہے۔ حالانکہ ایسا سمجھنا سراسر جہالت و شقاوت ہے۔ حدیث ضعیف کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ یہ حدیث من گھڑت موضوع یا باطل ہے۔ محقق احناف امام ابن ہمام کہتے ہیں۔

وبه یقوی ظن صحة المرفوعات اذ لیس معنی الضعیف الباطل فی نفس الامر بل ما لم یثبت بالشروط المعتبرة عند اهل الحدیث مع تجویز کونه صحیحاً فی نفس الامر فیجوزان نقترن قرینة تحقق ذٰلک و ان الراوی الضعیف اجاد فی هذا المتن المُعَیّن (فتح القدیر شرح ہدایہ ج 1 ص 215 طبع مصر)

یعنی مرفوع احادیث کے متعلق قوی ظن یہی رکھنا چاہئے کہ ان کی اسناد میں رواۃ کے ضعف یا جہالت کے باوجود وہ حدیثیں صحیح ہی ہوتی ہیں کیونکہ کوئی گناہ گار مسلمان بھی اپنی من گھڑت بات

کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بنانے کی جرات نہیں کر سکتا اور ضعیف کا یہ مطلب ہی نہیں کہ وہ حدیث باطل ہوتی ہے بلکہ حدیث ضعیف محدثین کے چند مقرر کردہ شرائط پر پوری نہ اترنے والی حدیث کو کہتے ہیں - حالانکہ اگر قرینہ موجود ہو تو ضعیف حدیث بھی فی نفسہ صحیح اور جید ہوتی ہے اور راوی ضعیف مضبوط متون احادیث بھی بیان کر دیتے ہیں -

حدیث عام شامل صلوٰۃ قبل اذان حدیث جید المتن ہے | محقق ابن ہمام کے مطابق حدیث کل امر ذی بال لا یُبدأ فیہ بالحمد والصلوٰۃ علیّ الخ - حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت ہے اور قرینۃً و درایۃً جید المتن ہے کیونکہ حمد الٰہی ہر وقت مطلوب ہے - اور صلوٰۃ علی النبی مشتمل بر حمد الٰہی بھی ہے اور اشد مؤکد از جمیع مؤکدات نبویہ ہے اور فضائل صلوٰۃ و سلام کا قرینہ صریحہ اظہر من الشمس ہے -

حدیث ضعیف سے استحباب ثابت ہونا شرعی مسلّم حکم ہے | آپ پڑھ چکے ہیں کہ حدیث مذکور حدیث حسن و مقبول ہے - ہم ثابت کر آئے ہیں کہ اس کے راوی اسماعیل بن ابی زیاد کے متعلق امام رہاوی کا خدشہ ضعف صحیح نہیں کیونکہ محقق علمائے رجال اس کی توثیق کرتے ہیں - نیز یہ کہ یہ حدیث کثرت طرق سے مروی ہے اور تعامل علماء امت سے حسن و مقبول ہے - مگر بصورت لا نسلم جیسا کہ فضائل مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وارد احادیث کے متعلق منکرین کی عادت ثانیہ ہے - علی سبیل التنزل اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو تب بھی ہمارے مدعی کے اثبات کے لئے کافی ہے - کیونکہ اسے امام سیوطی نے جامع صغیر میں درج کیا اور امام سیوطی نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ انہوں نے جامع صغیر میں کوئی جعلی یا جھوٹی حدیث درج نہیں کی -

وَصُنْتُہٗ عَمَّا تَفَرَّدَ بِہٖ وَضَّاعٌ اَوْ کَذَّابٌ (جامع صغیر ج ۱ ص 3) یعنی میں نے اپنی اس کتاب جامع صغیر میں منفرد، وضاع یا جھوٹے راوی کی کوئی جھوٹی یا موضوع حدیث درج نہیں کی -

اور باجماع علماء محدثین ضعیف حدیث سے مستحب ہونا ثابت ہوجاتا ہے تو چونکہ حدیث مذکور موضوع نہیں لہٰذا اس سے استحباب ثابت ہے -

علمائے دیوبند کا فیصلہ کہ حدیث ضعیف سے مستحب ثابت ہوتا ہے | دیوبندی فرقہ کے مسلّم پیشوا مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں

والاستحباب یثبت با الضعیف غیر الموضوع (فتح الملہم شرح مسلم مقدمہ) یعنی حدیث جعلی نہ ہو ضعیف ہو تو بھی مستحب ثابت ہوجاتا ہے -

اہل حدیث کہلانے والے علمائے غیر مقلدین کا فیصلہ | دیوبندی فرقہ کے عثمانی صاحب کا فیصلہ آپ پڑھ چکے ہیں اب مسلمانوں کو بدعتی و مشرک بنانے میں دیوبندیوں کی چھٹی بھائی بلکہ استاذ

جماعت غیر مقلدوہابیوں کے سب سے بڑے محدث مولوی نذیر حسین دہلوی کا فیصلہ بھی ملاحظہ کرلیجئے - نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی حدیث کے متعلق سید نذیر حسین صاحب لکھتے ہیں:

اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی عبدالعزیز بن عبدالرحمن اگرچہ متکلم فیہ ہے - جیسا کہ "میزان الاعتدال" وغیرہ میں مذکور ہے - لیکن اس کا متکلم فیہ ہونا جواز و استحباب کے منافی نہیں کیونکہ حدیث ضعیف سے جو موضوع نہ ہو استحباب و جواز ثابت ہوتا ہے -

قال فی فتح القدیر فی الجنائز والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع (فتاوی ثنائیہ بحوالہ فتاوی نذیریہ ج 1 ص 315) یعنی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے متعلق حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی عبدالعزیز بن عبدالرحمن کے متعلق جرح ہوئی ہے - مگر اس راوی کے مجروح و ضعیف ہونے کے باوجود اس حدیث سے بعد نماز ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا جواز و استحباب ثابت ہوتا ہے - جیسا کہ امام احناف ابن ہمام نے فتح القدیر شرح ہدایہ کے باب الجنائز میں ذکر کیا ہے کہ حدیث ضعیف سے استحباب ثابت ہوجاتا ہے -

غیر مقلدین کے پیشوا شوکانی کی تصریح نوافل اوابین کے متعلق ضعف احادیث کا ذکر کرتے ہوئے شوکانی صاحب لکھتے ہیں -

وان کان اکثرھا ضعیفا فھی منتھضة بمجموعھا لا سیما فی فضائل الاعمال (نیل الاوطار ج 3 ص 56) نوافل اوابین کے متعلق اکثر احادیث ضعیف ہیں مگر چند ضعیف روایات مل کر بلند مرتبہ ہو کر مستحب اعمال میں کام دیتی ہیں -

علمائے احناف کا فیصلہ امام ابن ہمام فقہائے احناف میں سے مسلم محقق فقیہ ہیں - ان کی کتاب فتح القدیر شرح ہدایہ کے باب الجنائز کا حوالہ خود مولوی نذیر حسین غیر مقلد کی زبانی آپ پڑھ چکے ہیں کہ:

والاسنحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع (فتح القدیر باب الجنائز) یعنی حدیث موضوع سے تو نہیں البتہ حدیث ضعیف سے کسی امر کا مستحب ہونا ثابت ہوجاتا ہے -

حدیث نبویؐ کے حوالہ سے اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھنا مستحب ہے

حدیث شریف: کُلُّ امْرٍ ذی بال لا یُبْدأ فیہ بالحمد والصلوٰۃ علیّ فھو اَقْطَعُ مَمْحوق من کل برکۃ یعنی ہر نیک و اہم کام جس سے پہلے حمد و صلوٰۃ نہ پڑھی گئی وہ ناقص اور ہر برکت سے محروم ہے

آپ پڑھ چکے ہیں اور یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ حدیث میں لفظ کل امر ذی بال جس کا معنی ہر

اہم کام کا ہے لفظ کل اپنے مدخول کے تمام افراد کے لئے حاوی اور محیط ہوتا ہے - اذان بھی بلا ریب اہم و نیک کام ہے اور یہ حدیث باوجود کسی راوی کے متکلم فیہ ہونے کے اس راوی کی توثیق بھی ہوچکی اور حدیث متعدد محدثین سے ' متعدد سندوں سے روایت ہو کر اور تعامل امت سے مؤید ہوکر حدیث حسن و مقبول ثابت بھی ہوچکی ہے - مزید برآں باجماع محدثین حدیث ضعیف سے بھی مستحب ثابت ہونا واضح ہو چکا - اب کسی بھی ذی شعور و با ایمان آدمی کو اس میں ذرہ برابر بھی تردد نہیں ہوسکتا کہ اذان و تکبیر و دیگر کسی بھی نیک کام سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھنا خواہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عملاً ثابت ہو یا نہ ہو بہ تقاضائے عموی ترغیبی ارشاد نبوی مستحب ہے اور مستحب ہونے کے لئے سنت نبوی ہونا شرط نہیں ہے - جیسا کہ کتب فقہ سے مستحب کی تعریف سے عیاں ہوچکا ہے تو سنت صحابہ ہونا تو بطریق اولیٰ شرط نہیں ہوگا - اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام کے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا سنت صحابہ ہونے کا ہمارا دعویٰ نہیں ہے ' ہم اس کے مستحب ہونے کے مدعی ہیں جسے ہم نے بدلائل باہرہ ثابت کردیا ہے - کسی مستحب و محبوب نبوی کو بدعت مذمومہ و حرام کہنا خدا تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینا اور کسی نئی شریعت کی ایجاد ہے جو کہ سراسر جہالت و شقاوت ہے -

اقامت صلوٰۃ یعنی جماعت نماز کے لئے تکبیر پڑھنے سے پہلے بھی صلوٰۃ و سلام پڑھنا مستحب ہے

امام شمس الدین سخاوی متوفی مدینہ منورہ 902ھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کے اوقات مستحبہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَفِی الصَّلٰوۃِ وَعَقْبِھَا وَعِنْدَ اِقَامَتِھَا الخ (القول البدیع ص ۲۵۸)

نماز کے اندر یعنی تشہد کے ساتھ اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد اور نماز کے لئے تکبیر کہتے وقت صلوٰۃ و سلام پڑھنا مستحب ہے -

دیوبندی فرقہ کے گھر سے ثبوت مواقع خیر و برکت میں صلوٰۃ و سلام کو یہ کہہ کر کہ سنت نہیں بدعت و ناجائز کہنے کا چارج دیوبندی مولوی صاحبان کے پاس ہی ہے - مگر دیکھئے ان کے مایہ ناز مولوی محمد زکریا صاحب مصنف تبلیغی نصاب نے فضائل درود شریف کے جہاں تقریباً ایک سو مواقع ذکر کئے ہیں ' یہ بھی لکھا ہے کہ:

اذان کے جواب کے بعد اور تکبیر کے وقت اور دعا مانگنے کے شروع میں (تبلیغی نصاب ص 750)

دیکھ لیا آپ نے ؟ کہ خود علمائے دیوبند کے نصاب دین کی رو سے نماز باجماعت کی تکبیر کے وقت صلوٰۃ و سلام پڑھنا چاہئے - اب ان سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ اذان سے پہلے صلوٰۃ و

سلام سے تو تمہاری حالت غیر و عالم نزع کی سی کیفیت صرف اس لئے ہوجاتی ہے کہ یہ سنت نہیں بدعت ہے تو پوری دنیا کے علمائے دیوبند تکبیر کے وقت درود و صلوٰۃ کسی حدیث سے کیا سنت نبوی و سنت بلال دکھا سکتے ہیں ؟ اور اگر سنت تونہیں مگر تکبیر کے اہم و نیک امر ہونے کی وجہ سے مستحب ہے تواذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھنے پر ہی یہ زہرافشانی کیوں؟ جس دلیل سے تکبیر سے پہلے صلوٰۃ وسلام مستحب ہے اسی دلیل سے اذان سے پہلے بھی صلوٰۃ وسلام مستحب ہے۔اور وہ یہی حدیث نبوی ہے جس کی رو سے ہراہم امر سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنا مستحب ہے۔

ہر اہم و نیک کام اذان وغیرہ سے پہلے صلوٰۃ و سلام اور مفسرین کرام

مستحب کا احکام شرع سے ہونا اور مستحب کی اصح تعریف کہ مستحب امر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کرنا ضروری نہیں - بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس کام کی امت کو ترغیب فرمادیں خود نہ بھی کریں تو بھی وہ مستحب ہے اور حدیث نبوی کہ ہر اہم کام سے پہلے صلوٰۃ پڑھو اور اذان کا اہم کام ہونا دلائل سے ثابت کرنے کے بعد اب ہم قرآن مجید میں ارشاد ربانی یا ایھا الذین امنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیما - پارہ 22 میں وارد حکم صلوٰۃ و سلام شامل جمیع اوقات ممکنہ حاویہ ہروقت قبل اذان و جمیع مواقع حسنہ مستحبہ کے متعلق مفسرین کرام و علماء و فقہاء کی چند تفسیرانہ آراء مبارکہ بھی ذکر کرتے ہیں -

ارشاد الٰہی ہے - ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی - یا ایھاالذین آمنوا صلوا علیہ وسلّموا تسلیما (سورہ احزاب پارہ 22)

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر - اے ایمان والو تم صلوٰۃ بھیجو اور خوب سلام پڑھو -

مفسرین کے مطابق اس آیت کریمہ میں ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی جملہ اسمیہ ہے - جو کہ استمرار و دوام پر دلالت کرتا ہے یعنی جملہ اسمیہ سے جو خبر دی جائے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ کام ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔اسی لئے مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ سے اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ اور ہر وقت صلوٰۃ وسلام بھیجنے کی دلیل قائم کی ہے -

کتب تفاسیر میں سے تفسیر روح المعانی علمائے دیوبند کے نزدیک بھی مستند و معتمد تفسیر ہے - ان کے مولوی محمد انور شاہ صاحب کشمیری کی تفسیر مشکلات القرآن کے مقدمہ یتیمۃ البیان میں ہے وعندی بمنزلۃ فتح الباری لصحیح البخاری الخ (مقدمہ مشکلات القرآن ص 24) یعنی جس طرح فتح الباری سے بڑھ کر بخاری کی کوئی معتمد علیہ شرح نہیں اسی طرح روح المعانی سے بڑھ کر قرآن مجید کی بھی کوئی تفسیر نہیں ہے -

آیۂ مذکورہ کی تفسیر میں علامہ سید آلوسی بغدادی صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

والتعبیر بالجملة الاسمیة للدلالة علی الدوام والاستمرار وُذکِر ان الجملة تفید الدوام نظرا الی صدرها - من حیث انها جملة اسمیة و تفید التجدد نظرا الی عجزها من حیث انه جملة فعلیة فیکون مفادها استمرار الصلاه و تجددها وقتاً فوقتاً الخ (روح المعانی ج 22 ص 75 طبع مصر)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے درود بھیجنے کے بیان ان اللہ سے علی النبی تک کی عبارت میں جملہ اسمیہ کا استعمال اس لئے کیا گیا ہے کہ جملہ اسمیہ دوام و استمرار کا فائدہ دیتا ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مسلسل و ہر وقت صلوٰۃ بھیجتے رہتے ہیں - اور علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اس جملہ اسمیہ کے پھر دو حصے ہیں - پہلا حصہ ان کے اسم کا ہے جو کہ اللہ و ملائکتہ معطوف علیہ و معطوف دونوں ہی اسماء ہیں یہ پہلا حصہ بوجہ اسماء پر مشتمل ہونے کے دوام صلوٰۃ پر دلالت کر رہا ہے اور اس جملہ کا پچھلا حصہ جو کہ ان کی خبر ہے جملہ فعلیہ یصلون فعل سے لایا گیا ہے اور یہ فعل تجدد پر دلالت کرتا ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی طرف سے صلوٰۃ ہر وقت نو بہ نو جاری رہتی ہے

یٰاَیها الذین آمنوا صلوا علیه ای عَظِّموا شانه عاطِفین علیه فانکم اَولٰی بذٰلک -وظاهر سوق الایة لا یجاب اقتدائِنا به تعالٰی فیناسب اتحاد المعنی مع اتحاد اللفظوقراة ابن مسعود صلوا علیه کما صَلّٰی علیه (روح المعانی ج 22 ص 76)

اے ایمان والو - اس نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجو کا مطلب یہ ہے کہ ان کی بڑائی اور فضیلت و عظمت شان ہی بیان کرتے رہو، انہیں کی طرف جھکے رہو، انہیں کے در پر پڑے رہو، انہیں کے تصور میں مست اور انہیں کے ذکر سے رطب اللسان رہو - ان کی طرف متوجہ رہنے اور ہر وقت انہیں کا ذکر کرنے کے تم تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں سے بھی زیادہ حق دار ہو کہ تمہارا تو ان کے بغیر کوئی سہارا ہی نہیں ہے -

آیت کریمہ کی روانگی و طرز بتا رہے ہیں کہ اے ایمان والو - تم بھی اللہ تعالیٰ کی طرح ہر وقت متجدد و نو بہ نو صلوٰۃ و سلام بھیجتے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے اور مومنوں کے لئے ایک ہی لفظ صلوٰۃ آیا ہے تو اس کا مفہوم درود بھیجنا بھی ایک طرح کا دوامی و مسلسل و ہمہ وقتی ہونا چاہئے - عبداللہ بن مسعود تو اس آیت میں صَلُّوا علیه کے ساتھ کَمَا صَلّٰی عَلَیْهِ ملا کر پڑھا کرتے تھے - کہ خدا تعالیٰ کے ہمہ وقتی درود کی طرح ہی تم بھی ہمہ وقتی صلوٰۃ و سلام پڑھتے رہو -

بندوں کے لئے ہمہ وقتی اوقات | اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے لئے تو دائماً ہر وقت صلوٰۃ وسلام کے لئے کوئی موقع بھی نامناسب نہیں مگر بندوں کے لئے بعض مواقع و حالات ذکر کے لئے نامناسب بھی ہوتے ہیں جو کہ ایسے مسائل میں عرفاً از خود مستثنیٰ شمار ہوتے ہیں اور وہ کل آٹھ مواقع ہیں۔ جماع کے وقت۔ کسی دنیاوی مقصد۔ فروختگی مال۔ قدم پھسلتے ہوئے۔ تعجب۔ ذبح جانور۔ چھینک کے بعد (ردالمحتار ج 1 ص 314) تلاوت قرآن مجید کے درمیان (تبلیغی نصاب ص 751) ان آٹھ مواقع کے علاوہ اذان یا تکبیر سے پہلے صلوٰۃ و سلام منع ہونے کا موقع نہ فقہاء نے لکھا نہ ہی مولوی محمد زکریا دیوبندی نے اپنے تبلیغی نصاب میں ذکر کیا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا موقع تمام علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے فرمان یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ کے ہمہ وقتی استحباب صلوٰۃ میں داخل ہے اور بلا ریب اذان و تکبیر وغیرہ غیر ممنوعہ مواقع میں صلوٰۃ و سلام پڑھنا مستحب ہے۔ جسے فقہا نے اس تصریح سے ذکر کردیا ہے۔

و مستحبۃٌ فی کل اوقاتِ الامکانِ (ردالمحتار ج 1 ص 514) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام ہر ممکن وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔

جن اوقات میں درود شریف پڑھنا منع نہیں وہ سب اوقات امکان ہیں اور اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام اوقات ممنوعہ سے نہیں۔ لہٰذا اب کسی عالم یا مفتی کو کوئی نئی خانہ ساز شریعت بنا کر اپنی طرف سے اذان سے قبل صلوٰۃ و سلام کا وقت اوقات ممنوعہ سے بنا کر مداخلت فی الدین کرنے کا قطعاً کوئی حق نہیں ہے۔

دیوبندی حکیم الامت کا استدلال | اسی آیۃ مذکورہ میں فرمان الٰہی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما کی تفسیر کے تحت دیوبندی فرقہ کے حکیم الامت و مجدد مولوی تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

(صلوٰۃ و سلام) عمر میں ایک بار تو فرض ہے (الیٰ قولہ) اور جس مجلس میں آپ کا ذکر مبارک ہو وہاں نظراً الی الوعید الوارد فی الاحادیث و الی دلائل النافیۃ للحرج ایک بار واجب ہے اور اس سے زیادہ نظراً الی الفضائل مستحب ہے (بیان القرآن ج 9 ص 63 طبع تھانہ بھون)

تھانوی صاحب کے "الفاظ" اس سے زیادہ " میں کسی وقت کی کوئی قید نہیں اور نہ ہی اس امر کی پابندی ہے کہ صلوٰۃ و سلام کے لئے کسی وقت میں پڑھنے کا ثبوت بھی درکار ہے۔ لہٰذا سوائے چند اوقات ممنوعہ مصرحہ فی کتب الفقہ و کتب الدیوبندیہ کے اذان سے قبل ہو یا بعد شرعاً و اصولاً صلوٰۃ و سلام پڑھنا مستحب ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ | بعض معاندین صلوٰۃ و سلام کے متعلق یہ مغالطہ دینے کی کوشش بھی

کرتے ہیں کہ اگر حدیث کی رو سے یہ مستحب ہے تو اسے بعض علماء نے زادبعض الخلف یا احدث المؤذنون یا ھی بدعة حسنة کی تعبیرات سے زیادتی یا احداث یا بدعت کیوں کہا۔ جیسا کہ امام سخاوی اور امام ابن حجر ہیثمی مکی نے کہا۔

قد احدث المؤذنون الصلاة و السلام علی رسول الله صلی الله علیه وسلم عقب الاذان للفرائض الخمس الا الصبح والجمعه فانهم یقلمون ذلک فیها علی الاذان و الا المغرب فانهم لا یفعلونه اصلا لضیق وقتها الخ

امام سخاوی و ابن حجر کی طویل ملتی جلتی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ موذنوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کی یہ نئی صورت جاری کی ہوئی ہے کہ وہ صبح اور مغرب کی اذانوں کے علاوہ ظہر، عصر اور عشاء کی اذانوں کے بعد بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں جبکہ فجر و جمعہ کی اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں اور مغرب کی اذان سے پہلے یا بعد تنگی وقت کی وجہ سے پڑھتے ہی نہیں۔ (معلوم ہوا کہ اہتمام و التزام سے جہراً صلوٰۃ و سلام قبل و بعد اذان کی یہ صورت 564 ھ سے آج 1417 ھ تک جاری ہے) اور اس کے آغاز کی وجہ یہ ہوئی کہ 564 ھ سے قبل یہاں مصر میں روافض کی حکومت تھی اور والیٔ مصر ابوالفضائل حاکم بامراللہ کو جب قتل کردیا گیا اور اس کا بیٹا ظاہر تخت نشین ہوا تو حاکم بامراللہ کی بہن نے موذنوں کو حکم جاری کیا تھا کہ ظاہر کے عوام میں رعب کے لئے ہر مؤذن اذان سے قبل ظاہر کو سلام کہے۔ پھر یہ سلام ہر حاکم مصر کے لئے جاری چلا آرہا تھا کہ 564 ھ میں سلطان نورالدین زنگی کے تعاون سے سلطان صلاح الدین ایوبی مصر پر حملہ کر کے اور رافضی حکومت کا قلع قمع کر کے خود مصر پر قابض ہوگیا اور اس طرح جب مصر پر اہل سنت کی حکومت ہوگئی تو سلطان صلاح الدین نے اذان کے ساتھ اُمَرا پر سلام کی رسم بد کو ختم کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترغیبی ارشاد کل امر ذی بال لا یبدا فیه بالحمدو الصلاة علي فهو اقطع الخ۔ یعنی ہر اہم کام جس کی ابتداء میں حمد الٰہی اور مجھ پر صلوٰۃ نہ پڑھی گئی وہ ناقص ہے کے مطابق اذان سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بلند آواز سے بھی جاری کرادیا جو کہ آج تک ساری دنیائے اسلام میں زندہ جاوید و جاری و ساری ہے۔

امام سخاوی نے یہ واقعہ لکھ کر آخر میں لکھا ہے جُوزِیَ خَیراً اللہ تعالیٰ اذان سے قبل صلوٰۃ و سلام کے اجرائے مستحب پر سلطان صلاح الدین ایوبی کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔ (القول البدیع ص 193)

امام ابن حجر مکی نے بھی صلاح الدین کو دعا دی فَجَزَاہُ اللّٰہُ خَیراً پس اللہ تعالیٰ صلاح الدین کو صلوٰۃ و سلام قبل اذان جاری کرنے کی جزائے خیر عطاء فرمائے (فتاویٰ کبریٰ ابن حجر ج 1

ص 131)

اسی طرح حضرت امام شعرانی بھی صلوٰۃ و سلام قبل اذان کے دیار مصر میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں احیاء و اجراء کا واقعہ لکھ کر کہتے ہیں فَجَزَاہُ اللّٰہُ خَیْراً اللہ تعالیٰ صلوٰۃ و سلام قبل اذان کے اجراء پر صلاح الدین کو جزائے خیر دے (کشف الغمہ ج 1 ص 78) علی رغم انف المنکرین کہ یہ اس کو بدعت سیئہ و گناہ کہہ کر عاقبت خراب کر رہے ہیں - فقہ اسلام کی معروف کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ کے مولفین عبدالرحمن حنفی، محمد باہی شافعی، محمد سبیع حنبلی، محمد سمالوطی مالکی وغیرہم اعاظم فقہائے وقت مذاہب اربعہ اہل سنت بھی صلوٰۃ و سلام قبل و بعد اذان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

زاد بعض الخلف عقب الاذان وقبله امورا منها الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم (الى قولهم) وهى بدعة حسنة لانه لم يرد فى الشرع ما يمنعها و عموم النص يقتضيها (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج 1 ص 238)

پچھلے زمانہ کے بعض موذنین اذان سے پہلے اور اذان کے بعد صلوٰۃ و سلام (بلند آواز سے) پڑھتے ہیں - یہ اچھی اور نیک بدعت ہے - کیونکہ شریعت میں اس کی منع کی کوئی دلیل نہیں اور عموم نص یعنی کتاب و سنت میں حکم عام استحباب صلوٰۃو سلام جمیع اوقات شامل وقت اذان کا تقاضا ہے کہ اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھا جانا چاہئے -

امام سخاوی نے القول البدیع میں اذان سے قبل صلوٰۃ و سلام کو مستحب اور بدعت حسنہ قرار دیا اور دعائے خیر کی - ابن حجر نے نِعْمَ مَا فَعَلَ کہہ کر دعائے خیر کی - مصنفین الفقہ علی المذاہب الاربعہ نے بھی بدعت حسنہ ہونے کی تصریح کی اور امام شعرانی نے امراؑ و سلاطین مصر پر سلام کو بدعت کہا مگر صلوٰۃ و سلام علی خیر الانام قبل اذان کو بدعت شکن امر قرار دیا اور پھر سب نے صلوٰۃ و سلام قبل اذان کو صراحت اور اس کے اس صورت میں اجرا و احیا پر صلاح الدین ایوبی کے لئے نیک دعائیں کی ہیں ان کی پوری عبارات یہ ہیں

امام سخاوی صاحب کی مفصل عبارت یہ ہے -

قد احدث المؤذنون الصلاة والسلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم عقب الاذان للفرائض الخمس الا الصبح والجمعة فانهم يقدمون ذلک فيها على الاذان والا المغرب فانهم لا يفعلونه اصلاً لضيق وقتها و كان ابتدا حدوث ذلک من ايام السلطان الناصر صلاح الدين ابى المظفر يوسف بن ايوب و أمْرِه - واما قبل ذلک فانه لما قتل الحاكم بن العزيز امرت اخته بنت الملک ان يسلم على ولده الظاهر فسُلِّم عليه بما صورته السلام على الامام

الظاہر ثم استمر السلام علی الخلفاءِ بعدہ خلفاً بعد سلفٍ الی ان ابطلہ الصلاح المذکور جوزِیَ خیرا : وقد اختلف فی ذلک ھل ھو مستحب او مکروہ اوبدعۃ او مشروع و استدل للاول بقول تعالٰی وافعلوا الخیر و معلوم ان الصلاۃ و السلام من اجل القرب لا سیما وقد تواردت الاخبار علی الحث علی ذلک مع ماجا فی فضل الدعاء عقب الاذان والثلث الاخیر من اللیل وقرب الفجر والصواب انہ بدعۃ حسنۃیوجر فاعلہ بحسن نیتہ - (القول البدیع ص 193)

امام حجر ہیتمی لکھتے ہیں

قد احدث المؤذنون الصلاۃ و السلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقب الاذان للفرائض الخمس الا الصبح والجمعۃ فانھم یقدمون ذلک فیھما والا المغرب فانھم لا یفعلونہ غالبا الضیق وقتھا و کان ابتداء حدوث ذلک فی ایام السلطان الناصر صلاح الدین بن ایوب و بامرہ فی مصر و اعمالھا وسبب ذلک ان الحاکم المخذول لما قتل امرت اختہ المؤذنین ان یقولوا فی حق وللہ السلام علی الامام الظاہر ثم استمر السلام علی الخلفاء بعدہٗ حتی الی ان ابطلہ الصلاح الدین المذکور و جعل بدلہ الصلاۃ والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فَنِعْمَ ما فعل فجزاہ اللہ خیراً (فتاویٰ کبری ابن حجر مکی ج 1 ص 131)

حضرت امام شعرانی صاحب لکھتے ہیں

قال شیخنا رضی اللہ عنہ لم یکن التسلیم الذی یفعلہ الموذنون فی ایام حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا الخلفا الراشیدین و قال کان فی ایام الروافض بمصر شرعوا التسلیم علی الخلیفۃ و وزرائہ بعد الاذان الی ان توفی الحاکم بامر اللہ وولّوا اختہ فسلموا علیھا و علی وزرائھا من النساء فلما تولی الملک العادل صلاح الدین بن ایوب فابطل ھذہ البدعۃ وامر المؤذنین با لصلاۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدل تلک البدعۃ و امر بھا اھل الامصار و القری فجزاہ اللہ خیراً (کشف الغمہ امام شعرانی ج 1 ص 78)

تو ان علماء کے کلام میں لفظ زاد یا احدث یا بدعت سے مراد بلند آواز صورت محدثہ حسنہ ہے نہ کہ اصل صلوٰۃ و سلام کیونکہ نفس صلوٰۃ و سلام عقب اذان کو تو خود امام سخاوی بروایت مسلم

مستحب لکھ چکے ہیں - وہ خود ہی اسے بدعت مطلقہ مُحرّمہ کیسے لکھ سکتے ہیں - کیونکہ ہر فی نفسہٖ نیک کام کی ہر صورت محدثہ بدعت مذمومہ نہیں ہوتی بلکہ جو امر محدث مغیر سنت ہو وہ بدعت مذمومہ ہوتا ہے

دیوبندی جماعت کی استاذ جماعت وہابیہ غیر مقلدین کے پیشوا صدیق حسن خان صاحب بھوپالی لکھتے ہیں

وہر امر محدث و بدعت کہ مخالف سنت و سبب تغییر آن باشد باعث ضلالت و گمراہی است۔ (مسک الختام شرح بلوغ المرام ج 2 ص 84) یعنی وہ ہر نو پیدا شدہ امر اور بدعت جو سنت کے مخالف اور سنت کو بدلے وہ باعث گمراہی ہوتا ہے۔

تو امام سخاوی و ابن حجر و مولفین الفقہ علی المذاہب الاربعہ کی عبارات میں اگر کہیں لفظ بدعت حسنہ ہے تو اس سے مراد بدعت حقیقیہ نہیں بلکہ بدعت صوریہ ہے جو کہ مُغیّر سنت نہیں ہوتی بلکہ سنت کے ساتھ جمع بھی ہو سکتی ہے - دیوبندی پیشوا مولوی اشرفعلی صاحب جو کہ بدعت گروں میں سب سے بڑے ماہر بدعت گر ہیں خود لکھتے ہیں:

پس سنت حقیقیہ و بدعت حقیقیہ جمع نہیں ہو سکتیں لیکن بدعت صوریہ سنت حقیقیہ کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے چنانچہ تلفظ بنیۃ الصلوۃ کو سنت کہا گیا ہے - بعض معنی کے اعتبار سے کہ وہ معانی ایک قسم ہے سنت حقیقیہ کی - اور بدعت بھی کہا گیا ہے بعض معانی سنت کے مقابلہ کے اعتبار سے - (بوادر النوادر ص 776 طبع دیوبند)

اور یہ دعویٰ کہ امام سخاوی و مؤلفین الفقہ علی المذاہب الاربعہ کے اطلاق بدعت حسنہ سے مراد محض بدعت صوری ہے اس پر مولفین الفقہ علی المذاہب الاربعہ کا فقرہ و عُمُوْمُ النص یَقْتَضِیْھا قرینہ صریحہ موجود ہے - کیونکہ وہ صلوٰۃ و سلام قبل اذان کو اقتضاء النص سے ثابت مان رہے ہیں اور اصول فقہ کی مستند کتاب نور الانوار میں ہے۔

والثابتُ منہُ کالثابت بِدلالۃِ النص الا عند المعارضۃ (نور الانوار ص 151)

جب تک کوئی امر مقابل و مانع نہ ہو اقتضا النص سے ثابت امر کا حکم دلالت النص سے ثابت کی طرح قطعی ہوتا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ صلوٰۃ و سلام قبل اذان جب اقتضاء النص سے ثابت ہے تو بوجہ امر مانع و معارض نہ ہونے کے دلالت النص سے ثابت قطعی مستحب کی طرح قطعی مستحب ہے - اور کسی بھی امر خیر کی ہر صورت جدیدہ نہ بدعت مذمومہ ہے نہ امر ممنوع بلکہ باعث جزائے خیر و برکت ہے - پندرہویں صدی کے کسی نام نہاد عالم کو ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ علماء محققین کے نزدیک مستحب یا بدعت حسنہ وامر باعث جزائے خیر کو اپنی طرف سے کوئی چونکہ چنانچہ لگا کر بدعت ضلالۃ و ناجائز و منع قرار دے۔

صلوٰۃ و سلام قبل اذان زمانہ قدیم سے شروع اور تمام ائمہ سلف اہل سنت کے نزدیک مقبول ہے

یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ صلوٰۃ و سلام قبل اذان کوئی چودھویں صدی کا نیا عمل مشروع ہے۔ ہم نے سلف صالحین و ائمہ محققین کی تصریحات سے واضح کردیا ہے کہ اس مستحب امر بحدیث نبوی کا بلند آواز سے اجراء چھٹی صدی کی ابتدا میں ممالک عرب مصر وغیرہ میں ہوا۔ اور آج پندرھویں کی ابتدا ہے۔ تقریباً ایک ہزار سال سے عالم اسلام کے مختلف ممالک (سوائے خارجیت و وہابیت زدہ ممالک کے) میں جاری و ساری ہے اور اس کے اجرا کے بعد سے آج تک تمام اکابر ائمہ و علماء و فقہاء نے اسے سراہا اور اسے مستحب و محبوب جانا۔ امام سخاوی و ابن حجر مکی و امام العلماء الربانیین امام عبدالوہاب شعرانی اور پورے عالم اسلام میں شائع مذاہب اربعہ اہل سنت و جماعت حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کے معتمد علیہم فقہاء مولفین "الفقہ علی المذاہب الاربعہ" کی تصریحات کے بعد کسی ایرے غیرے مولوی و مفتی کا اسے بدعت یا اضافہ یا ناجائز کہنا سورج کی طرف تھوکنے سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

اندھیرا چھٹتا جاتا ہے اجالا ہوتا جاتا ہے
محمد مصطفےٰ کا بول بالا ہوتا جاتا ہے

منکرین کا شبہ کہ صحابہ کی اذان کے بیان کے ساتھ صلوٰۃ و سلام مذکور و منقول نہیں

یہ شبہ بھی جاہلانہ و سراسر لغو و بیہودہ ہے کہ چونکہ حضرت بلال بن رباح و دیگر موذنین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبداللہ بن قیس معروف بہ عبداللہ بن ام مکتوم و سعد بن عائذ و اوس بن مغیرہ معروف بہ ابو محذورہ و زیاد بن حارث کی اذان کے ساتھ صلوٰۃ و سلام مذکور و منقول نہیں لہٰذا یہ مستحب نہیں اور اگر مستحب ہوتا تو وہ ضرور اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھتے اور اذان والی حدیثوں میں کلمات اذان سے پہلے اس کا ذکر بھی ہوتا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ منکرین کا یہ اعتراض بہ چند وجوہ مردود ہے۔
اولاً تو اس لئے کہ کسی فعل یا معاملہ کا کسی جگہ ذکر نہ ہونا اس بات کی دلیل بن ہی نہیں سکتا کہ وہ فعل ہوا ہی نہ تھا۔ فرض وواجب ضروری ہوتے ہیں ان کی سنتیں و مستحبات ان کے متعلقات و مزینات ہوتے ہیں۔ مسائل کے بیان میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی واقعہ کا راوی نظریہ ضرورت کے تحت کسی اہم امر کا ذکر تو کردیتا ہے مگر اس فرض یا واجب کے سنن یا مستحبات کا ذکر نہیں کرتا۔
دیکھئے وضو سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا سنت ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کے متعلق جو صحیح حدیث حضرت عثمان و حضرت علی سے مروی ہے اس میں آپ کا وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مذکور و منقول نہیں۔ اس لئے صاحب ہدایہ نے اس کے سنت ہونے کی بجائے یہ کہہ دیا

کہ والصحیح انہ مستحب یعنی صحیح یہ ہے کہ وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بوجہ صحیح احادیث میں ذکر نہ ہونے کے سنت نہیں بلکہ مستحب ہے۔ صاحب عنایہ شرح ہدایہ لکھتے ہیں کہ اس کا مستحب ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کلی ترغیبی عموی ارشاد سے ثابت ہے اور وہ یہ ہے
کل امر ذی بال لم یبدا فیہ ببسم اللہ فھو ابتر (عنایہ علی ہامش فتح القدیر ج 1 ص 14 طبع مصر) یعنی ہر اہم کام جس کی ابتداء میں بسم اللہ نہ پڑھی گئی وہ ناقص ہے۔
جیسا کہ اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام مستحب ہونا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک کلی عموی ترغیبی ارشاد سے ثابت ہے اور وہ یہ ہے
کل امر ذی بال لا یبدا فیہ بحمداللہ والصلاۃ علی فھو اقطع الخ (جامع صغیر ج 2 ص 92) یعنی ہر اہم کام جس کی ابتداء میں حمد الٰہی اور مجھ پر صلوٰۃ نہ پڑھی گئی وہ ناقص ہے۔
محقق علی الاطلاق فقہاء احناف امام ابن ہمام فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ ان عثمانَ و علیاً رضی اللہ عنھما حکیا وضوءَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم ینقل عنھما التسمیۃ۔ (عنایہ حوالہ مذکورہ) یعنی حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو جو بیان کیا ہے اس میں وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مذکور و منقول نہیں اور جن احادیث میں بسم اللہ کا ذکر ہے وہ ضعیف ہیں۔ اس لئے صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ یہ سنت نہیں مستحب ہے۔
و مستندہ فیہ ضعف الاحادیث (فتح القدیر ج 1 ص 14)
تو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو سے پہلے آپ کا بسم اللہ پڑھنا حضرت عثمان و علی والی صحیح احادیث میں تو منقول و مذکور نہیں دوسری جن احادیث میں بسم اللہ مذکور و منقول ہے وہ احادیث ضعیف ہیں اور احادیث ضعیفہ سے مستحب ہی ثابت ہوتا ہے سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ لہٰذا صاحب ہدایہ نے اسے مستحب قرار دیا ہے پھر امام ابن ہمام کہتے ہیں کہ حضرت عثمان و حضرت علی والی صحیح روایۃ میں وضو سے پہلے بسم اللہ کے ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنا سنت ہی نہ ہو۔
وعدم نقلھما فی حکایتھما اما لانھما حکیا الافعال التی ھی الوضو والتسمیۃ لیست من نفسہ (فتح القدیر ج 1 ص 14)
اور حضرت عثمان و حضرت علی نے وضو سے پہلے بسم اللہ اس لئے ذکر نہیں کی کہ وہ وضو بتا رہے ہیں اور بسم اللہ وضو نہیں بلکہ اس کی سنتوں سے ہے۔ پھر امام ابن ہمام کہتے ہیں کہ
اذ قد ینقل بعض الاحادیث اشتغالاً بالمُھِمّ۔ راویان حدیث کسی مشغولیت کی بناء پر واقع کا کچھ حصہ بیان کر دیتے ہیں تمام ذکر نہیں بھی کرتے پھر امام ابن ہمام اس شبہ عدم ثبوت بوجہ

عدم ذکر کا قلع قمع کرتے ہوئے لکھتے ہیں

وبالجملة عَدَمُ النَّقْلِ لا یَنْفی الوجودَ (فتح القدیر ج ۱ ص 14)

خلاصہ کلام یہ کہ کسی جگہ کسی چیز کا کسی فعل کے ساتھ ذکر و منقول نہ ہونا اس بات کی قطعاً دلیل نہیں بن سکتا کہ وہ چیز اس فعل کے ساتھ ہوئی ہی نہ تھی - بنابریں ہم بھی یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ حضرت بلال یا کسی بھی مؤذن کی اذان سے پہلے یا بعد کسی راوی حدیث کے صلوٰۃ و سلام ذکر نہ کرنے سے ہرگز لازم نہیں آتا کہ وہ اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہی نہ تھے -

اور دیکھئے - سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے دونوں صاحبزادوں حضرت اسماعیل و حضرت اسحاق علی نبینا و علیہما الصلوٰۃ و السلام میں سے ذبیح اللہ کون ہے - اس میں اکابر اسلام کا اختلاف ہے - اور گو کہ جمہور کا قول یہی ہے کہ حضرت اسماعیل ہی ذبیح اللہ تھے مگر جو حضرات حضرت اسحاق کو ذبیح اللہ قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ واقعہ ذبح سے پہلے بشارت کا ذکر فبشرناہ بغلام حلیم سے قرآن مجید میں آیا ہے اور پھر مبشر بہ کا ذکر وبشرناہ باسحاق نبیا من الصالحین سے بھی بصراحت حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذکر سے آیا ہے۔

توچونکہ ذبح ہونے والے کی بشارت اور حضرت اسحاق کی بشارت ہر دو قرآن مجید میں مذکور ہیں لیکن حضرت اسمائیل علیہ السلام کا نام لے کر ان کی بشارت قرآن مجید میں مذکور نہیں اس لئے غالب یہی ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہی تھے -

خاتمۃ المحققین و عمدۃ المدققین علامہ ابوالفضل شہاب الدین السید محمود آلوسی بغدادی متوفی 1270ھ اپنی تفسیر روح المعانی میں اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ ان کی بشارت کے ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی بشارت ہوئی ہی نہ تھی ثم عَدَمُ الذکرِ لا یَدُلُّ علی عَدَمِ الوُجُودِ (روح المعانی ج 23 ص 135 طبع مصر) یعنی کسی جگہ کسی چیز کا ذکر نہ ہونا اس امر کی دلیل نہیں بن سکتا کہ وہ چیز ہوئی ہی نہ تھی -

دیکھئے کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا فرمان نبوی بھی ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک بھی اظہر من الشمس ہے مگر بعض مواقع میں راویان حدیث نے آپ کے کھانے کے ساتھ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک صحابیہ کے گھر تشریف لے گئے۔ اس نے بکری کا گوشت پکایا فَاَکَلَ منها آپ نے اس سے تناول فرمایا وَاَتَتْهُ بِقِنَاعٍ من رُطَبٍ فاکل منه وہ کھجوروں کا طباق لائی اس سے بھی آپ نے تناول فرمایا۔ پھر آپ نے وضو فرمایا اور نماز ظہر پڑھی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو وہ صحابیہ اس گوشت کا بچا ہوا کچھ حصہ

پھر لائی آپ نے اس سے کچھ کھایا پھر نماز عصر پڑھی اور وضو نہ فرمایا (ترمذی شمائل ص 12)
اس حدیث میں حضرت جابر نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے کا تین بار ذکر کیا مگر کسی دفعہ بھی کھانے سے قبل بسم اللہ پڑھنے کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ ان کا مقصد کھانے کے سنن و مستحبات کا ذکر کرنا نہیں تھا بلکہ وہ یہ بیان کرنا چاہتے تھے کہ آگ پر پکی ہوئی کسی چیز کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا کہ آپ نے ظہر کے وضو کے بعد پکا ہوا گوشت کھایا اور اسی ظہر والے وضو سے نماز عصر پڑھ لی۔
تو کیا کوئی بے وقوف آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس موقع پر چونکہ حضرت جابر نے کھانے سے پہلے بسم اللہ کا ذکر نہیں کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بسم اللہ پڑھی ہی نہ تھی۔
ایسی بے شمار مثالیں آپ کو کتاب و سنت میں ملیں گی کہ ایک چیز موقع پر واقع ہوئی ہوتی ہے مگر اس کا ذکر نہیں ہوتا۔ امام ابن ہمام کے قول کہ عدم النقل لا ینفي الوجود یعنی کسی چیز کا کسی جگہ منقول نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ وہ چیز اس موقع پر ہوئی ہی نہ تھی اور صاحب روح المعانی جیسے محقق مفسر کا یہ ضابطہ ذکر کر دینا کہ عدم الذکر لا یدل علی عدم الوجود کے بعد کسی ہٹ دھرم جاہل کا یہ کہنا کہ چونکہ حدیث میں اذان کے ساتھ صلوٰۃ و سلام مذکور نہیں لہٰذا یہ مستحب نہیں ہو سکتا ہر طرح تحکم و باطل و مردود ہے۔
اس کی ایک اور مثال دیکھئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے پاس تشریف لاتے یا گزرتے تو سلام ضرور دیتے تھے۔ مگر حضرت جابر کہتے ہیں۔ میں ایک مکان میں بیٹھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے فاشار الیّ فقمت مجھے اشارہ فرمایا تو میں کھڑا ہو گیا۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور ہم چل دیئے۔ الخ (صحیح مسلم ج 2 ص 183) دیکھئے یہاں سلام دینے کا ذکر نہیں ہے تو کیا کوئی کہہ دے گا کہ آپ نے سلام نہیں دیا تھا تو ثابت ہو گیا کہ عدم ذکر الشی لا یدل علی عدم وجود الشی کسی شے کا کسی جگہ ذکر نہ ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ وہ شے وہاں ہوئی ہی نہ تھی۔ لہٰذا ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اتنے بڑے اکابر محققین کے اس فیصلہ کے بعد کہ عدم الذکر لا یدل علی عدم الوجود کسی خارجی مولوی حکیم الامت یا مفتی منکر صلوٰۃ و سلام کی یہ مجنونانہ بڑ کہ چونکہ احادیث میں مذکور اذان کے ساتھ صلوٰۃ و سلام کا ذکر نہیں اس لئے موء ذنین صحابہ کرام باوجود اس حدیث کے علم کے صلوٰۃ و سلام نہیں پڑھتے تھے۔ کسی صاحب انصاف اہل ایمان و علم کے نزدیک قطعاً باطل و بے بنیاد ہے۔
ثانیاً اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر فعل یا ہر قول ہر صحابی کے علم میں ہونا ضروری نہیں تھا۔ ورنہ صحابہ کرام اور پھر ائمہ مذاہب اربعہ کے درمیان اختلافات کی صورت ہی نمودار نہ ہوتی۔ اہل علم جانتے ہیں کہ بعض احادیث کا بعض صحابہ کے علم میں ہونا اور دوسروں

کے علم میں نہ ہونا ہی اختلافات مسالک امت کا باعث بنا۔ ورنہ ان کی دیانت و للٰہیت پر کے شک ہو سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے وقت بعض موجود ہوتے اور بعض اپنی مصروفیات کی وجہ سے حاضر نہیں ہوتے تھے۔ خود حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے مذہب کی بنیاد بعض احادیث راویان احادیث اہل شام و عراق پر ہے جو اہل حجاز کے علم میں نہ تھیں کیونکہ فتوحات اسلامیہ کے دور فاروقی میں بیشتر صحابہ و حفاظ احادیث عراق، مصر اور شام منتقل ہو گئے تھے تو ممکن ہے کہ بابت صلوٰۃ و سلام یہ حدیث جسے امام رہاوی وغیرہ نے راویان اہل عراق سے روایت کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرماتے وقت حضرت بلال موجود ہی نہ ہوں تو عام شیوع احادیث پانچویں صدی میں یہ حدیث راویان حدیث سے منظر عام پر آئی ہو تو اس کے مطابق مصر وغیرہ بلاد اسلام میں اس پر عمل جاری ہو گیا ہو۔

مزید برآں دیکھئے۔ بارشاد حضرت صدیق و فاروق حضرت زید کے جمع قرآن کے وقت خود قرآن کی سورت توبہ کی آخری آیت انہیں ابو خزیمہ انصاری کے سوا کسی سے دستیاب نہ ہوئی تھی اور جب قرآن مجید کی ہر آیت ہر صحابی کے پاس ہونی ضروری نہ تھی تو ہر حدیث ہر صحابی کے علم میں ہونی کیسے ضروری ہو سکتی تھی۔

ثالثاً اس لئے کہ مستحب کی تعریف آپ ابن ہمام کی "التحریر" سے پڑھ چکے ہیں۔ وَاِن لَمْ یَفعلہ بَعْدَ مَارَغَبَ فِیْہِ یعنی مستحب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت کو کسی کام کی ترغیب دے دینا ہی کافی ہوتا ہے۔ آپ کا اس مستحب کام کو کرنا ضروری نہیں تو ہم یہ کہتے ہیں کہ مستحب کام کے مستحب ہونے کے لئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کرنا ضروری نہیں تو صحابی حضرت بلال یا کسی اور مؤذن کا کرنا کس طرح ضروری ہو سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا کرنا اس کام کے سنت کہلانے کے لئے ضروری ہے مستحب ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ تلفظ بہ نیت نماز کا سنت نبوی و سنت صحابہ ہونا ثابت نہیں مگر مستحب ہے تو معلوم ہوا کہ آپ اور آپ کے صحابہ وہ کام نہ بھی کریں تو بھی وہ مستحب ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ وان لم یفعلہ کے الفاظ سے ظاہر ہے تو کوئی بھی امتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر مطلع ہو کر جب چاہے عمل کر کے خیر و برکت حاصل کر سکتا ہے۔

لہٰذا حضرت بلال یا کسی صحابی نے اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام نہ بھی پڑھا ہو تو امت کے کسی بھی فرد کے لئے اس کا پڑھنا مستحب رہے گا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اہم امر سے پہلے حمد و صلوٰۃ کی ترغیب فرمائی ہے۔ حدیث آپ پڑھ چکے ہیں اذان بھی بہت بڑا اہم امر ہے تو اس سے پہلے اور پیچھے بھی از روئے عمومی ترغیبی ارشاد نبوی صلوٰۃ و سلام پڑھنا محبوب و مستحب ہے۔ صلوٰۃ و سلام میں حمد الٰہی بھی ادا ہو جاتی ہے مختلف احادیث میں ہر اہم کام سے پہلے تین چیزیں

پڑھنے کا ارشاد نبوی وارد ہے۔ اسم اللہ۔ حمدِ الٰہی۔ صلوٰۃ و سلام علی خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم۔ افضل تو یہی ہے کہ تینوں چیزیں پڑھے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین الصلاۃ والسلام علیک وعلیٰ الک واصحابک یارسول اللہ۔ جیسا کہ ہمارے ہاں ہر اذان و تکبیر سے پہلے صدر عیدگاہ چشتیاں شریف میں معمول بہ ہے۔ لیکن اگر کوئی صرف صلوٰۃ وسلام ہی پڑھ لے تو اسم الٰہی و حمد الٰہی معنیً ادا ہو جائیں گے۔ یارسول اللہ میں اللہ کا اسم اللہ ذکر ہو گیا اور صلوٰۃ یعنی طلبِ رحمت الٰہی سے اللہ کی تعریف بھی ضمناً ہو گئی۔ اسلئے اگر کسی وجہ سے اختصار مطلوب ہو تو الصلاۃ والسلام ضرور پڑھا جائے تاکہ فرامین نبویہ کی تعمیل ہو

صلوٰۃ و سلام قبل اذان بدعت یا اذان میں اضافہ و تحریف اذان نہیں بلکہ تعمیل فرمان نبوی ہے

شیطان جب بھی کسی نیک کام سے لوگوں کو محروم کرنے کی سازش کرتا ہے تو کسی نہ کسی مسئلہ کی آڑ میں بھی امور خیر و برکت سے متنفر کر دیتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حوا کے جنت سے نکالنے اور شجرہ ممنوعہ سے کھانے کے لئے اس نے قسمیں اٹھا کر جنت میں ہمیشہ رہنے کا مسئلہ بتا کر ہی جنت سے نکلوایا۔ وہی منکرین صلوٰۃ و سلام کو اس کے بدعت محرمہ یا اضافہ یا تحریف اذان ہونے کا وسوسہ ڈال کر ہی صلوٰۃ و سلام قبل اہم امر اذان کی برکت سے محروم کر رہا ہے۔ پاک زوجہ نبی کو وسوسہ میں ڈال لینے کے بعد علماء و مفتیان و شیخ الحدیث و حکیم الامت قسم کے حضرات کو وسوسہ بدعت میں دھکیل دینا۔ تم کون؟ میں معمول۔ میں کون؟ تم عامل۔ ون ٹو تھری کا کرتب اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے جو تقریباً ایک صدی سے پاک و ہند میں محراب و منبر کے رنگ میں کھیلا جا رہا ہے۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بعد کہ "ہر اہم امر جس کی ابتداء میں حمد و صلوٰۃ نہ پڑھی گئی ہو ناقص ہے" اذان یا کسی بھی نیک کام سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھنا ہرگز بدعت مذمومہ نہیں بلکہ تعمیل فرمان مصطفےٰ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اسے بدعت و امر حرام کہنا منشاء نبوی سے تصادم و بغاوت کی وجہ سے گستاخی بھی ہے۔

اذان سے پہلے اپنی طرف سے کچھ پڑھ لینا اضافہ نہیں بلکہ سنت صحابہ ہے اذان اللہ اکبر سے شروع ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذنین کو اللہ اکبر سے ہی اذان سکھائی گئی اور کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان سے پہلے انہیں کوئی دعا وغیرہ بھی سکھلائی ہو۔ مگر حضرت بلال اپنی طرف سے اذان سے پہلے بلند آواز سے ایک دعا مانگا کرتے تھے۔

اللھم انی احمدک واَستعینک علی قُریش اَن یقیموا دینکَ (ابوداؤد شریف ج 1 ص 77) یعنی اے اللہ میں تیری حمد کرتا ہوں اور قریش کے بارے تیری مدد مانگتا ہوں کہ وہ تیرے

دین کو قائم کریں۔

اور یہ دعا مانگ کر پھر اذان پڑھتے اللہ اکبر اللہ اکبر الخ - اس حدیث کی راویہ صحابیہ کہتی ہیں کہ چونکہ میرا مکان مسجد نبوی کے متصل مکانوں میں سے سب سے اونچا تھا اس لئے بلال ہمیشہ صبح کی اذان میرے مکان کی چھت پر پڑھتے تاکہ اذان دور تک سنائی دے - وہ صحابیہ کہتی ہیں کہ مجھے اللہ کی قسم کہ یہ دعا بلال نے کبھی نہ چھوڑی (ہمیشہ باہتمام و بالالتزام پڑھتے تھے)

اگر بغیر فرمان نبوی اپنی طرف سے اذان سے پہلے کچھ پڑھنا اضافہ و گناہ ہو گا تو معاذ اللہ حضرت بلال بھی بدعت قبیحہ و تحریف و اضافہ کے مرتکب ہوں گے - اور جب کہ بغیر سنت و فرمان نبوی کے اپنی طرف سے دعا مانگ کر اذان پڑھنا جائز ہے تو درود و سلام دعا سے بھی زیادہ محبوب عند النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے - اس کا اذان سے پہلے پڑھنا کسی عالم کی خانہ ساز شریعت سے منع نہیں قرار دیا جاسکتا- بلکہ بحدیث مذکور کل امر ذی بال الخ - دعا سے زیادہ مستحب ہے - صلوٰۃ و سلام کی اہمیت اس حدیث سے ملاحظہ کریجئے - حضرت اُبَیّ بن کعب کہتے ہیں - میں نے بارگاہ اقدس میں عرض کیا:

انی اکثر الصلاۃ علیک فکم اجعل لک من صلاتی فقال ما شئت قلت الربع قال ماشئت فان زدت فھو خیر لک قلت النصف قال ما شئت فان زدت فھو خیر لک قلت فالثلثین قال ماشئت فان زدت فھو خیر لک قلت اجعل لکَ صلاتی کلھا قال اذاً تُکفیٰ ھَمَّکَ وَیُکفَرُ لکَ ذَنبُکَ (مشکوٰۃ ص 86)

یا رسول اللہ میں آپ پر کثرت سے درود پڑھنا چاہتا ہوں تو کتنا وقت پڑھا کروں- فرمایا کہ جتنا دل چاہے پڑھ لیا کر- میں نے عرض کیا کل وقت فارغ کا چوتھا حصہ پڑھ لیا کروں- فرمایا جتنا چاہے پڑھ لیا کر اس چوتھائی وقت سے زیادہ پڑھے گا تو بہتر ہو گا- میں نے عرض کیا کہ آدھا وقت پڑھ لیا کروں- فرمایا کہ جتنا چاہے پڑھ لیا کر اس نصف وقت سے زیادہ درود پڑھے گا تو بہتر ہو گا- میں نے عرض کیا کہ دو تہائی وقت صلوٰۃ پڑھ لیا کروں- فرمایا جتنا دل چاہے پڑھ لیا کر اس دو تہائی وقت سے زیادہ پڑھے گا تو بہتر رہے گا- میں نے عرض کیا کہ پھر میں سارا وقت درود شریف ہی پڑھتا رہوں گا- فرمایا کہ اس طرح ہر وقت صلوٰۃ و سلام پڑھنے سے تیری تمام مرادیں پوری ہو جائیں گی اور تیرے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

من صلی علیَّ واحدۃً فتُقُبِّلت منہ محا اللہ عنہ ذنوبہ ثمانین سنۃً (رد المحتار ج 1 ص 364 طبع مصر) یعنی جو مجھ پر ایک دفعہ صلوٰۃ پڑھے اور قبول ہو جائے تو اس کے اسی (80) سال کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں

خاتمۃ المحققین سید ابن عابدین لکھتے ہیں

والذی یظھر من ذلک ان المراد بقبولھا قطعاً انھا لا ترد اصلاً مع ان کلمۃ الشھادۃ قدترد (الی قولہ) والدعا منہ المقبول و منہ المردود (الی قولہ) خرجت الصلاہ من عموم الدعا (ردالمحتار ج1 ص 365)

اس سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کلمہ شہادت بھی کبھی رد ہو جاتا ہے مگر صلوٰۃ و سلام قطعاً قبول ہوجاتا ہے۔ دعا بھی کبھی قبول ہوتی ہے کبھی نہیں مگر ہر صلوٰۃ قبول ہوتی ہے۔

صلوٰۃ و سلام کسی وقت بھی منع نہیں صرف بعض مواقع و حالات میں منع ہوجاتا ہے

مذکورہ دلائل سے اچھی طرح واضح ہوگیا کہ صلوٰۃ و سلام ہر وقت مستحب ہے صرف چند نامناسب حالات میں پڑھنا منع ہے جو کہ فقہاء کی زبانی آپ پڑھ چکے ہیں۔ مگر کسی بھی حالت و فعل کے لئے چونکہ وقت ظرف ہوتا ہے۔ لہذا بعض علماء مجازاً بعلاقہ ظرف و مظروف فلاں کام فلاں وقت منع ہے کہہ دیتے ہیں حقیقت میں وقت منع نہیں ہوتا' موقع و حالت ممنوع ہوتے ہیں۔ اذان سے قبل درود و سلام کے مناسب ترین موقع و حالت سے بڑھ کر اور کون سا موقع احسن و انسب ہوسکتا ہے کہ مؤذن باوضو قبلہ رو ہو کر پاک مقام میں کھڑا اہم امر اذان سے مشرف ہو رہا ہوتا ہے اس سے بڑھ کر اس کے لئے صلوٰۃ و سلام علیٰ خیرالانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اور کیا موقع غنیمت ہوسکتا ہے؟

کسی ماثور در حدیث کلام میں تعظیم نبوی کے لئے اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے

اس وضاحت کے بعد کہ کلام ماثور و مسنون کے اول یا آخر میں کسی فرمان نبوی کے ترغیبانہ تقاضے پورے کرنے کے لئے کچھ پڑھ لینا قطعاً اضافہ و تحریف نہیں بلکہ فرمان نبوی کی تعمیل ہوتی ہے' یہ مسئلہ بھی ذہن نشین رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام کی ماثور و منقول عبارت میں بھی شرف و تعظیم نبوی کے لئے تعظیمی لفظ کا اضافہ کرلینا محبوب و مستحب ہے۔ چنانچہ فقہائے احناف بلکہ پیشوایان وہابیہ نے بھی خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمائے ہوئے الفاظ درود میں آپ کی تعظیم کے لئے لفظ "سیدنا" کا اضافہ مستحب قرار دیا ہے۔ در مختار فقہ احناف کی معتمد و مفتی بہ کتاب ہے۔ دیوبندی بھی اس پر فتویٰ دیتے ہیں۔ اس کے مصنف امام علاء الدین حصکفی دمشقی متوفی 1088ھ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کتاب کے لکھنے کی اجازت لے کر آپ کے روضہ انور کے زیر سایہ آپ کے مواجہہ شریفہ کے سامنے اسے شروع کیا۔ اس مقدس کتاب کے مصنف نماز کے تشہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ الفاظ درود ابراہیمی کے جملہ اللھم صل علیٰ محمد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم پاک محمد سے پہلے لفظ "سیدنا" کا اضافہ کرکے اللھم صل علیٰ سیدنا محمد پڑھنا

مستحب قرار دے رہے ہیں:

وندب السیادۃ لان زیادۃ الاخبار بالواقع عین سلوک الادب فھو افضل من ترکہ ذکرہ الرملی الشافعی (درمختار مع ردالمحتار ج 1 ص 360) درود ابراہیمی میں سیدنا کا لفظ بڑھانا ہی طریق ادب ہے۔ پس یہ لفظ بڑھانا نہ بڑھانے سے افضل ہے امام خیرالدین رملی شافعی نے ایسا ہی ذکر کیا ہے۔

مسلمانوں کو بدعتی و مشرک بنانے میں دیوبندی جماعت کی بیٹی بھائی بلکہ استاذ جماعت غیر مقلدین وہابیہ کے سب سے بڑے محدث قاضی شوکانی صاحب لکھتے ہیں۔

وقد روی عن ابن عبدالسلام انہ جعل من باب سلوک الادب۔ ابن عبدالسلام سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے (تشہد نماز والے درود ابراہیمی میں لفظ سیدنا کے اضافے کو) ادب کا طریقہ قرار دیا ہے:

پھر شوکانی صاحب اس اضافے کے متعلق ابن عبدالسلام کے قول کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں

وھو مبنی علی ان سلوک طریق الادب احب من الامتثال ویؤیدہ حدیث ابی بکر حین امرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یثبت مکانہ فلم یتمثل وقال ما کان لابن ابی قحافۃ ان یتقدم بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکذلک امتناع علیّ عن محو اسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الصحیفۃ بعد ان یأمرہ بذلک و قال لاامحوا اسمک ابدا وکلا الحدیثین فی الصحیح فتقریرہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الامتناع من امتثال الامر تادبا مشعر باولویتہ (نیل الاوطار ج 2 ص286)

اس لفظ سیدنا کے درود ابراہیمی میں اضافہ کرلینے کے استحباب کی بنیاد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی بعینہ تعمیل سے آپ کا ادب کرنا زیادہ محبوب ہے اور اس اصول ادب کی تائید خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے واقعات سے ہوتی ہے۔

1۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض کے ایام میں آپ کے ہی حکم سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز کی جماعت کرا رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی جماعت کے دوران نماز کے لئے مصلیٰ کی طرف تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر کو محسوس ہوا تو وہ ادباً مصلیٰ امامت سے پیچھے ہٹنے لگے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پیچھے ہٹنے سے روکا تو وہ نہ رکے اور پیچھے ہٹ گئے۔ نماز سے فراغت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ وہیں کھڑے رہو تو تم نے میرے حکم کی تعمیل کیوں نہ کی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! ابو قحافہ کے بیٹے (ابوبکر) کے لئے یہ لائق نہ

تھا کہ رسول اللہ کے آگے مصلّٰی پر کھڑا رہے - دیکھئے یہاں حضرت صدیق اکبر نے فرمان کی تعمیل پر ادب کو ترجیح دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات سن کر اس کو رد نہیں فرمایا - اس کو محدثین تقریری سنت کہتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات کا رد نہ فرما کر اس عمل کو مقرر رکھا اور پسند فرمایا - یہ حدیث مفصل صحیح مسلم میں موجود ہے -

2 - صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا - انہوں نے صلح نامہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محمد رسول اللہ لکھا - کفار مکہ نے آپ کے اسم مبارک کے ساتھ لفظ رسول اللہ پر اعتراض کیا کہ ہم آپ کو رسول اللہ نہیں مانتے - یہ لفظ مٹا دو ورنہ ہم صلح نامہ پر دستخط نہیں کرتے - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو حکم دیا کہ اے علی! یہ لفظ کاٹ دو! مگر حضرت علی نے عرض کی کہ یا رسول اللہ میں آپ کو رسول اللہ مانتا ہوں - میں یہ لفظ نہیں مٹا سکتا - تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے صلح نامہ لے کر خود وہ لفظ مٹایا مگر حضرت علی کی اس تعمیل حکم کی بجائے ادب و تعظیم کی ترجیح کو رد نہ فرمایا اور اس ادبی و تعظیمی عمل کو مقرر و پکا فرمادیا -

ان دونوں واقعات کی دلیل دے کر شوکانی صاحب کا یہ کہنا کہ مُشعر باَولویتہ یعنی فرمان نبوی کی بعینہ تعمیل کی بجائے امتی کا اپنی حیثیت کے لحاظ سے ادب کو ترجیح دینا اولیٰ و محبوب و مستحب ہے - اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کے نزدیک بھی یہ اضافہ افضل ہے -

آپ نے اپنی آنکھوں سے پڑھ لیا کہ فقہاء کے نزدیک کسی ماثور کلام نبوی میں تعظیم و ادب کے لئے اضافہ بھی مستحب ہے - فقہ کی مستند کتاب درمختار اور شوکانی کی نیل الاوطار کی عبارات کے علاوہ درمختار کے شارح خاتمۃ المحققین امام فقہائے احناف سید ابن عابدین صاحب درمختار کے قول ذکر الرملی الشافعی کی شرح کرتے ہوئے ردالمحتار میں لکھتے ہیں:

ای فی شرحہ علی منہاج النووی و نصہ والافضل الاتیان بلفظ السیادۃ کما قالہ ابن ظہیرۃ وصرح بہ جمع و بہ افتی الشارح لان فیہ الاتیان بما اُمِرنا بہ الخ

(ردالمحتار ج 1 ص 360)

امام رملی نے شرح منہاج میں اور ابن ظہیرہ و فقہاء کی جماعت نے ایسا ہی کہا ہے (کہ سیدنا کا لفظ بڑھانا مستحب ہے) اور یہی فتویٰ صاحب درمختار نے دیا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے پابند ہیں اور سیدنا کے لفظ کے اضافے سے امر ربانی کی تعمیل ہی ہو رہی ہے کوئی غلط کام نہیں ہو رہا ہے نیز امام طحاوی نے بھی درمختار کی شرح میں یہی راِخبار عن الواقع ہی کہہ کر اس اضافہ کی تائید کی ہے -

دیوبندیوں کی مستند کتاب تبلیغی نصاب میں ان کے محدث کاندھلوی صاحب اسی درمختار کے حوالہ

سے اس موقع پر اس اضافہ کے متعلق لکھتے ہیں۔
سیدنا کا لفظ بڑھا دینا مستحب ہے (تبلیغی نصاب ص 761 طبع ملتان)
اب صلوٰۃ و سلام قبل اذان کو اضافہ اور غلط کہنے والے مولوی صاحبان سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ صلوٰۃ و سلام قبل اذان یا بعد اذان تو اذان سے پہلے یا بعد ہی پڑھا جاتا ہے اذان کے اندر یہ کوئی اضافہ نہیں بن سکتا۔ اصلی حنفی بننے والے دیوبندی علماء بتائیں کہ صاحب درمختار امام حصکفی جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر فرمودہ الفاظ درود ابراہیمی کے درمیان لفظ سیدنا کا اضافہ مستحب بتا رہے ہیں اور امام خیر الدین و ابن ظہیریہ اور وہ سب فقہاء جنہیں امام ابن عابدین شامی و صرح بہ جماعۃ سے اس کا قائل بتا رہے ہیں۔ خود امام شامی و طحطاوی اور غیر مقلدین کے پیشوا قاضی شوکانی جو مُشْعِرٌ بِاَوْلَوِیَّتِہٖ سے اس اضافہ کو اولیٰ و افضل بتا رہے ہیں بمعیت مولوی زکریا کاندھلوی دیوبندی کیا یہ سب بدعتی اور بدعت گر تھے؟ ان سب کو بدعتی کہنے کا یہ نادر موقع ہے۔ بڑے شوق سے فتویٰ بازی کی عادت پوری کرسکتے ہیں۔

ہر بدعت بری نہیں ہوتی بدعت کے سوداگر جس دیدہ دلیری سے ہر بدعت کو برا کہہ کر دین میں بددیانتی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شعوری یا لاشعوری طور پر گستاخی کررہے ہیں ہمیں حیرت ہے کہ علماء کہلا کر ان کے دماغ اس قدر اندھے کیوں ہوگئے ہیں۔ کتب اصول شریعت میں عموم و خصوص کی ابحاث سے سب علما کو معلوم ہے کہ شارع علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ و السلام کو یہ حق ہے کہ وہ کسی بھی اپنے عام فرمان کو جب چاہیں متصلاً یا علیحدہ کسی ارشاد میں خاص کرسکتے ہیں اور اس کی مثالیں کتب اصول فقہ میں بے شمار موجود ہیں۔ کسی عام کو خصوص اگر متصلاً ہی لاحق ہوجائے تو اسے تخصیص اور اگر اس عام حکم کو خصوص کسی علیحدہ ارشاد سے لاحق ہو تو اسے نسخ کہتے ہیں۔ پہلی صورت میں اس عام کو مخصوص عنہ البعض اور دوسری صورت میں اس کو حکم عام کا عموم منسوخ کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے ہی کسی عام حکم کو مخصوص یا منسوخ فرمادینے کے بعد اس سے مستفاد امر خاص کو نظر انداز کرکے اس کے عموم کا ہی ذکر کرتے چلے جانا یہ ازحد درجہ بے ایمانی و بددیانتی بھی ہے اور بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گستاخی بھی۔

بدعت کے متعلق عام حکم اور پھر اس کی تنسیخ احادیث نبویہ میں بدعت کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام حکم کل بدعۃٍ ضلالۃٌ یعنی ہر بدعت گمراہی ہے اور پھر اس عام حکم کے عموم کو منسوخ کرنے والا حکم ومن ابتدع بدعۃ ضلالۃً لا یرضاھا اللہ و رسولہ کان علیہ من الاثم الخ۔ اور جس نے بری بدعت پیدا کی جسے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول پسند نہ کریں اس کا گناہ پیدا کرنے والے پر ہوگا۔ الخ (مشکوٰۃ ص 30)

حدیث اول کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ ہر بدعت گمراہی ہے۔ جس کا علماء وہابیت و دیوبندیت ہر وقت وظیفہ کرتے رہتے ہیں میں لفظ ضلالۃ کل بدعۃ کی خبر ہے۔ مگر حدیث دوم ومن ابتدع بدعۃ ضلالۃً لا یرضاھا اللہ و رسولہ میں لفظ ضلالہ بدعۃ کی صفت ہے اور لا یرضا اللہ و رسولہ پھر صفت بعد صفت ہے۔ پہلی حدیث میں ہر بدعت کو گمراہی کا کام فرمایا گیا ہے مگر دوسری حدیث میں ہر بدعت کو گمراہی نہیں فرمایا بلکہ بری بدعت کو اور ایسی بدعت کو گناہ قرار دیا گیا ہے جس پر اللہ اور رسول راضی نہ ہوں۔ یعنی جو بدعت بری نہ ہو بلکہ نیک بدعت ہو اور اللہ اور رسول اس بدعت کو اچھا سمجھیں وہ بدعت گناہ نہیں ہوتی بلکہ کار ثواب ہوتی ہے۔

دیکھئے پہلی حدیث میں حکم عام ہے اور دوسری حدیث میں اس عام کو پہلے عام حکم سے متصلاً نہیں بلکہ علیحدہ ارشاد میں خاص فرمادیا گیا ہے اور اصول فقہ کی مسلم و معتمد علیہ کتاب نورالانوار میں یہ شرعی ضابطہ واضح طور پر موجود ہے۔

و کذا ان لم یکن موصولاً بل کان متراخیا لا یسمی تخصیصاً بل نسخاً علی ما سیجیئ تفاصیلھا (نورالانوار ص 71) یعنی کسی حکم عام کو تخصیص اگر متصلاً لاحق نہ ہو بلکہ علیحدہ لاحق ہو تو اسے تخصیص نہیں بلکہ نسخ کہتے ہیں۔

بدعت کے متعلق ان دونوں حدیثوں سے واضح ہے کہ یہ دونوں ارشادات علیحدہ علیحدہ وارد ہوئے ہیں۔ پہلی حدیث حضرت عرباض سے اور دوسری حدیث حضرت بلال سے روایۃ ہے تو کل بدعۃٍ ضلالۃٌ کے عموم کو بدعۃً ضلالۃً کا خصوص تراخی سے لاحق ہوا ہے۔ لہذا کل بدعۃٍ ضلالۃٌ کا عموم منسوخ ہوگیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے ارشاد سے اسے منسوخ فرمادینے کے بعد ہر بدعت کو گمراہی و گناہ کہنا شرعاً حرام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی بھی ہے اور انکار اجماع امت بھی۔

اجماع امت کہ ہر بدعت گناہ نہیں امت محمدیہ کے مدعی تمام مسالک و مذاہب کے نزدیک بدعت حسنہ امر مسلم ہے یعنی ہر بدعت بری نہیں ہوتی بلکہ کئی بدعات کار ثواب بھی ہوتی ہیں۔

مذاہب اربعہ اہل سنت و جماعت احناف - شوافع - حنابلہ - مالکیہ - کے نزدیک اتفاقاً بدعت حسنہ امر مسلم ہے

چاروں مذاہب کی متفقہ فقہ کی معروف کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں استغاثات و صلوٰۃ و سلام قبل اذان و بعد اذان کے متعلق چاروں مذاہب کے نمائندہ مستند فقہا کا یہ فیصلہ موجود ہے کہ وھی بدعۃٌ حسنۃٌ یہ بری بدعت نہیں اچھی اور نیک بدعت ہے۔ مفصل عبارت الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج 1 ص 238 طبع مصر کے حوالہ سے ہم

پہلے لکھ آئے ہیں۔
جس سے صاف عیاں ہے کہ اہل سنت و جماعت کے تمام مسالک کے اعیان علماء کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی ارشاد ومن ابتدع بدعۃً ضلالۃً میں بدعت ممنوعہ کو بری بدعت سے خاص کر دینے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کل بدعۃٍ ضلالۃٌ کا عموم منسوخ ہو چکا ہے اور ہر بدعت بری نہیں ہوتی بلکہ کئی بدعات اچھی بھی ہوتی ہیں اور ان کا کرنا کار ثواب ہوتا ہے
فقہاء اسلام کے نزدیک بدعت کی پانچ قسمیں تسلیم شدہ ہیں جہلائے زمانہ کا یہ ہذیان کہ جو شے سنت نہ ہو وہ بدعت محرمہ ہی ہوتی ہے اور پھر بعض بدعات حسنہ کو بدعت کے لفظ سے حرام یا ممنوع کام مشہور کر کے خارجیت کی نمک حلالی کرنا اور سنت کے بعد مستحب و مباح کا نام تک نہ لینا یہ ایک شیطانی سازش ہے کوئی دینی یا شرعی مسئلہ نہیں ہے کیونکہ اسلام کے تمام مسالک حقہ کے فقہاء کے نزدیک ہر بدعت حرام و ممنوع کام نہیں ہوتی بلکہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ جن میں سے بدعت واجبہ جس کا کرنا ضروری ہے اور بدعت مندوبہ مستحبہ جس کا کرنا کار ثواب ہے اور بدعت مباحہ یعنی جائز کام بھی تسلیم شدہ ہیں۔ فقہ حنفی کی مستند و معمول بہ کتاب رد المحتار معروف بہ فتاویٰ شامی بحث امامت نماز میں ہے۔

(قوله صاحب بدعته) ای محرمة والا فقد تكون واجبةً كنصب الادلة للرد على اهل الفرق الضالة وتعلم النحو المفهم للكتاب والسنة و مندوبة كاحداث نحو رباط و مدرسة و كل احسان لم يكن فى الصدر الاول و مكروهة كزخرفة المساجد و مباحة كالتوسع بلذيذ الماكل والمشارب والثياب الخ (رد المحتار ج 1 ص 393 طبع مصر)

یعنی صاحب در مختار نے جو یہ کہا ہے کہ صاحب بدعت کی نماز کے لئے امامت درست نہیں ان کی مراد یہ ہے کہ بدعت محرمہ کرنے والے کی امامت درست نہیں ورنہ بدعت تو واجبہ بھی ہوتی ہے اور مندوبہ مستحبہ بھی مکروہہ بھی اور مباحہ بھی۔ ان بدعات کرنے والے کی امامت بلا شبہ درست ہوتی ہے۔
بدعت کی پانچ قسمیں بھی اکابر اہل سنت نے تسلیم کی ہیں۔ دیکھو اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج 1 ص 125۔ الحاوی للفتاوی امام سیوطی۔ فتح الباری شرح بخاری امام ابن حجر عسقلانی وغیرہم رحمہم اللہ۔
غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک بھی ہر بدعت بری نہیں بلکہ بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے غیر مقلدین اہل ظواہر اہلحدیث کہلاتے ہیں۔ شریعت کی فہرست سے مستحب و مباح کو خارج کر کے جو سنت نہ ہو اس کو بدعت محرمہ و امر ممنوع و حرام بنانے کا اصل ہیولیٰ یہی ہیں۔ اور گو

کہ آج کل ان کے جگری بھائی دیوبندی فرقہ کے علماء نے گستاخی خاصان حق اور تفریق بین المسلمین کے شوق میں عام مسلمانوں کو مشرک و بدعتی بنانے میں وہابیوں سے مکمل چارج لے کر انہیں ہر قسم کی زحمت سے فارغ کردیا ہے تاہم عصائے وحدت ملی کے پرخچے اڑانے میں اس گینگ کی مسلسل تباہ کاری کسی سے مخفی نہیں۔ آپ یہ دیکھ کر حیران ہوں گے کہ ان کے اکابر کے نزدیک بھی ہر بدعت بری نہیں بلکہ بدعت اچھی اور کار ثواب بھی ہوتی ہے۔ غیر مقلدین کے نزدیک قاضی شوکانی ان کے بہت بڑے محقق و محدث و معتمد علیہ فیصل عالم ہیں وہ لکھتے ہیں:

قال فی الفتح البدعة اصلها ما احدث علی غیر مثال سابق و تطلق فی الشرع علی مقابلة السنة فتکون مذمومة والتحقیق انها ان کانت مما یندرج تحت مُستَحسَنٍ فی الشرع فهی حَسَنَةٌ وان کانت مما یندرج تحت مُستَقبَحٍ فی الشرع فهی مُستَقبَحَةٌ والا فهی من قسم المُبَاحِ وقد تَنقَسِمُ الی الاَحکَامِ الخَمسَةِ (نیل الاوطار شوکانی ج 3 ص 53)

شیخ الاسلام امام ابن حجر عسقلانی شافعی نے فتح الباری شرح بخاری میں کہا ہے کہ بدعت کا اصل لغوی معنی تو ہے "نئی چیز کا پیدا ہونا" اور علمائے شریعت سنت کے مخالف فعل کو بدعت مذمومہ کہتے ہیں اس کی تفصیلی تحقیق یہ ہے کہ وہ نیا کام جو دین میں کسی پسندیدہ فعل کی نئی صورت ہے تو وہ بدعت حسنہ ہوگی اور اگر وہ نیا کام دین میں کسی ناپسندیدہ کام کی نئی صورت پیدا کرتا ہے تو وہ بدعت قبیحہ ہوگی اور اگر وہ نیا کام نہ تو کسی نیک کام سے میل کھاتا ہے اور نہ ہی کسی برے کام سے ملتا جلتا ہے تو وہ بدعت مباحہ ہوگی اور بدعت پانچ قسموں 1۔ بدعت محرمہ 2 بدعت مندوبہ مستحب 3۔ بدعت مکروہہ 4۔ بدعت واجبہ 5۔ بدعت مباحہ پر مشتمل ہوتی ہے۔
دیکھا آپ نے۔ اہل حدیث کہلانے والے غیر مقلدین وہابیوں (جو کہ ہر نئی صورت میں کسی بھی اصلاً نیک کام کو بدعت قبیحہ کہتے ہوئے ہزار دانہ کی تسبیح پوری کر کے سانس لیتے ہیں) کے امام نے بدعت واجبہ وبدعت مندوبہ وحسنہ مان کر کتنا واضح طور پر سنی بریلوی مسلک کو صحیح تسلیم کیا ہے

اکابر علمائے دیوبند کے نزدیک بھی ہر بدعت بری نہیں
بلکہ بدعت واجبہ بھی ہوتی ہے اور حسنہ بھی

بدعت کار لشکر جرار کے سب سے بڑے مجدد حکیم الامت خطاب یافتہ مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی ہیں۔ ساری عمر ان کا اوڑھنا بچھونا ہی شرک و بدعت گری تھا۔ ساری عمر نجدیت کے اس مکروہ دھندے میں صرف کردی۔ مستحب یا مباح یا بدعت حسنہ ان کے جغرافیے میں ہی نہ تھا مگر قدرت خدا کا تماشا دیکھئے کہ عمر کے آخری حصے میں پیران عظام اہل سنت کی عزت و عظمت کی ریس میں انہیں بھی پیر بننے کا شوق لگ گیا تو پیری مریدی بھی شروع کر بیٹھے۔

اب ظاہر ہے کہ بزرگانِ دین اولیاء اللہ نے مریدین کے تزکیہ نفس و اصلاح قلب و باطن کے لئے کچھ ایسے جدید صورت اعمال و اشغال و وظائف بھی ترتیب دیئے ہیں - جن کی نہ تو زمانہ خیر القرون و صدر اول کے صالح نفوس کو ضرورت تھی اور نہ ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و صحابہ کرام نے مرتب فرمائے - تھانوی صاحب کو بھی وہ اعمال و وظائف مریدین میں چالو کرنے پڑے - اور ساری عمر سنت نہ ہونے کا بہانہ بنا کر فاتحہ - عرس - میلاد - سوم - چہلم کو بدعت قبیحہ کہنے والے یہ تھانوی صاحب خود بدعات میں جکڑ گئے تو ان کا ہی ایک جاں نثار مرید خود ان سے ہی سوال کرتا ہے - جس کا خلاصہ یہ ہے کہ -

"مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی نے اپنی کتاب ایضاح الحق الصریح میں (کسی امام کی تقلید کرنا - حنفی کہلانا - چلے کرنا - ذکر معین تعداد سے دل پر ضربیں لگانا - نماز معکوس پڑھنا - کشف قبور یا کشف قلوب کے اعمال کرنا - تصور شیخ و مراقبہ و استغراق اور اوراد و وظائف و مناجاتوں کا پڑھنا) بدعت قرار دیا ہے تو ہم لوگوں کے لئے یہ سب اشغال و اعمال کس طرح درست ہوسکتے ہیں اور اس مشکل کا جواب کیا ہے ؟"

اب دیکھئے یہی تھانوی صاحب اپنے تماشائیوں کی آنکھیں بند کر کے جھرلو چلا کر کس طرح ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہیں - اور سنت و بدعت کی کئی قسمیں بنا کر کس طرح پینترا بدلتے ہیں - چار صفحات پر مشتمل ان کے جواب کے مندرجات ملاحظہ کیجئے -

نمبر1- **الجواب** فی ردالمحتار سنن الوضوء ان کان مما واظب علیه الرسول صلی اللہ علیه وسلم اوالخلفا الراشدون من بعده سنة والا فمندوب ونفل جو کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین نے ہمیشہ کیا وہ سنت ہوگا ورنہ مستحب ونفل ہوگا

نمبر2 - فی الدرالمختار بحث النیة - والتلفظ عندالارادة بها مستحب هوالمختار و قیل سنة یعنی احبه السلف او سنة علمائنا اذلم ینقل عن المصطفی ولا الصحابته ولا التابعین بل قیل بدعة فی ردالمحتار قوله قیل سنة عزاه فی التحفة (الی قوله) ولعل الا شبه انه بدعة حسنة درمختار میں ہے کہ نماز کی نیت کے الفاظ منہ سے بول لینا مستحب ہے یہی قول پسندیدہ ہے - بعض فقہا نے کہا ہے کہ یہ سنت ہے - یعنی ہمارے بزرگوں اور علماء کی سنت ہے - کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ و تابعین سے نیت کا منہ سے کہنا منقول نہیں - بلکہ بعض نے کہا ہے کہ یہ بدعت ہے اور درمختار میں یہ بھی ہے کہ یہ سنت ہے - مگر صحیح یہ ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے - پھر تھانوی صاحب حوالہ مذکورہ ردالمحتار سے جسے ہم قریب ہی ذکر کر آئے ہیں سے بدعت کی پانچ قسمیں مانتے ہیں - کہتے ہیں :

نمبر3 - فی ردالمحتار قوله ای صاحب بدعة ای محرمة والا فقد تکون واجبة

كنصب الادلة علی اهل الفرق الضالة وتعلم النحو المفهم للكتاب و السنة ومندوبة كاحداث نحو رباطو مدرسة و كل احسان لم يكن فی الصدر الاول و مكروهة كزخرفة المساجد و مباحة كالتوسع بلذيذ الماكل والمشارب والثياب (الخ)

(بوادر النوادر تھانوی ص ۷۷۷ طبع دیوبند) رد المحتار میں ہے کہ امامت صرف بدعت محرمہ کرنے والے کی درست نہیں ورنہ بدعت تو واجبہ بھی ہوتی ہے جس کا کرنا شرعاً ضروری ہوتا ہے ۔ جیسا کہ گمراہ فرقوں کے ساتھ مناظروں کے لئے دلائل بنانا اور قرآن و حدیث سمجھنے کے لئے علم نحو پڑھنا ۔ اور بدعت مندوبہ مستحب بھی ہوتی ہے جیسا کہ مسافروں کے لئے سرائیں اور عربیہ اسلامیہ مدارس بنانا اور وہ تمام نیک کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ و تابعین کے زمانہ میں نہیں ہوئے تھے ۔ اور بدعت مکروہہ بھی ہوتی ہے جیسا کہ مسجدوں کو خوبصورت بنانا ۔ اور بدعت مباحہ بھی ہوتی ہے جیسا کہ عمدہ کھانوں ' عمدہ شربتوں اور عمدہ کپڑوں کا استعمال (کہ یہ سب بدعات بھی ہیں اور درست بھی ہیں)

جل تو' جلال تو ۔ آئی بلا ٹال تو ۔ دیکھ لیا آپ نے کہ مسلمانوں کو ہر ایسا نیک کام کرنے پر جس کی یہ صورت صدر اول یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام و تابعین کے زمانہ میں نہ تھی ۔ بدعتی ہونے کا سرٹیفکیٹ ہاتھ میں تھما کر اہل سنت کی لسٹ سے نکالنے والے دیوبندی حکیم الامۃ اور ان کی امت کا حال کہ اگر کوئی دوسرا آدمی صلوۃ و سلام قبل اذان پڑھ لے یا نماز جنازہ کے بعد اجتماعی دعا مانگ لے یا کسی بزرگ کی وفات کے دن خیرات و عرس کرلے یا کھانا سامنے رکھ کر قرآن شریف کا ختم ایصال ثواب کرلے تو یہ اتنا بڑا جرم بنادیا جاتا ہے کہ "ہل کھڑی کرو اور اس کے برابر روٹیوں کا تہ بہ تہ جوڑ کر فدیہ دو ۔ تب کہیں بدعتی ہونے کا جرم معاف ہوگا " مگر تھانوی صاحب اور ان کے مرید اگر ایسے کام ۔ چلے ۔ اوراد ۔ وظائف ۔ اعمال کشف وغیرہ کرلے جو زمانہ صدر اول میں نہ تھے ۔ تو ہل لمبی ڈال کر اس پر صرف ایک ایک روٹی بچھا کر جان بچا لو ۔ اب تو صرف بدعت مباحہ و حسنہ ہی نہیں بلکہ بدعۃ واجبہ بھی مان لی گئی ۔ اسے کہتے ہیں

مشکل جو سر پہ آ پڑی تیرے ہی نام سے ٹلی

تھانوی صاحب کو فقہائے احناف کے پاؤں پکڑ کر بریلوی بننا پڑا ۔ حق حق ہی ہوتا ہے ۔ دیکھئے ساری عمر یہ کہنے والے کہ اگر عرس ' میلاد وغیرہ نیک کام ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کیوں نہ کرتے ۔ تھانوی کی مسلمہ محولہ عبارت وَكُلُّ اِحْسَانٍ لَمْ يَكُنْ فِی الصَّدْرِ الْاَوَّلِ " ہر وہ نیک کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کے زمانہ میں نہ ہوا بعد میں جاری ہوا

وہ بدعت قبیحہ نہیں بلکہ بدعت مندوبہ مستحب ہوتا ہے" سے یہ دیوبندی مجدد صاحب کس جگر گردے سے مان گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ کے بعد بھی نیک کام جاری ہوسکتے ہیں۔ ہر امر خیر اور ہر نیکی کا سرچشمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ذات بابرکات ہے مگر ہر نیکی کی ادائیگی کی ہر صورۃ آپ کے اور صحابہ کے زمانہ میں اگر عمل میں آچکی تو کل احسان لم یکن فی الصدر الاول کا کیا مطلب ہے؟

ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

تھانوی جی کا بدعت واجبہ و بدعت حسنہ مان کر ہی کام ختم نہیں ہوا۔ انہی تھانوی صاحب کی زبانی سنت کی تقسیم بھی سن لیجئے۔

تھانوی صاحب کہتے ہیں کہ سنت صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول و فعل ہی نہیں ہوتا بلکہ علماء کا کام بھی سنت ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں:

سنت کے کئی معنی ہیں 1۔ منقول عن الرسول صلی اللہ علیہوسلم 2۔ او الخلفا الراشدین 3۔ منقول عن الرسول او الصحابة او التابعین 4۔ منقول عن العلماءُ الخ

(مختصرا بوادر النوادر ص 778 طبع دیوبند)

ماشاءاللہ۔ تھانوی صاحب چونکہ خود عالم کہلاتے تھے اور مذکورہ بدعات کے ارتکاب سے بدعتی بنتے تھے لہٰذا اپنی بدعات سے بدعتی بننے سے گلو خلاصی کے لئے سنت علماء کو تسلیم کرلیا۔ اور اپنی اور اپنی ساری امتہ کی ساری عمر کی کمائی" کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے نہیں کیا وہ ہر صورت بدعت ضلالۃ ہے" پر کس جوش و خروش سے پانی پھیر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے بعد ہر کام بدعت نہیں ہوتا بلکہ ہم علماء کا کام بھی سنت ہوتا ہے۔ واضح طور پر عیاں ہے کہ تھانوی صاحب کے نزدیک جب بدعت واجبہ اور بدعت مندوبہ تسلیم شدہ ہیں تو حدیث کل بدعة ضلالة کا عموم ان کے نزدیک منسوخ ہو چکا ہے۔ جیسا کہ ہم نے ابتدائے بحث بدعت میں مفصل ذکر کیا ہے۔ ورنہ اگر ہر بدعت ضلالۃ ہے تو بدعت واجبہ اور بدعت مندوبہ مستحبہ کا کیا معنی؟

سنت کی تعریف اور دیوبندی حکیم الامۃ کا اتار چڑھاؤ | پیری مریدی کے شوق میں جب خود تھانوی صاحب ایسے کام کرنے لگے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ و تابعین کے زمانہ میں نہ تھے تو خود کو بدعتی ہونے کے ٹھپہ سے محفوظ رکھنے کا ایک اور دیوبندی نسخہ مجربہ بھی پڑھ لیجئے۔

تھانوی صاحب اپنے جاں بلب مریدوں کی بدعتی ہونے سے جاں بخشی اس تریاق سے کرتے ہیں۔

حقیقت میں سنت کے معنی ہیں ھی الطریقة المسلوکة فی الدین (بوادر النوادر ص

778) حقیقت میں سنت کے معنی ہیں دین میں چلنے کا طریقہ - اور پھر کہتے ہیں :
بدعت کے معنی ہیں ما احدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول اللہصلی اللہ علیہ وسلم من علم او عمل او حال (بوادالنوادر صفحہ مذکورہ) بدعت وہ ہوتی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علماً و عملاً و حالاً لئے گئے سچے طریقہ کے خلاف ہو - پھر لکھتے ہیں -

وھذا التلقی عام کان بلاواسطة او بواسطة الادلة الشرعیة کماھو معلوم من القواعد (بوادر النوادر صفحہ مذکورہ) اور احکام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لینا صرف یہی نہیں کہ آپ کے فرمان یا عمل سے ہی ثابت ہو- بلکہ علمائے اصول نے شرعی دلائل کے جو قواعد و ضوابط مقرر کئے ہیں ان کی رو سے بھی کسی مسئلہ کا ثابت ہوجانا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی لینا ہے - : لا الہ الا اللہ : کیا سمجھے آپ ؟ کہتے ہیں کہ کوئی عمل اگر کتاب و سنت کے علاوہ اجماع و قیاس ' اقتضا النص 'اشارت النص یا عموم و قیاس و اجتہاد سے ثابت ہوجائے تو وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی لینا ہے ' بدعت ضلالۃ یا گناہ نہیں ہے -

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

تھانوی صاحب اپنی بدعتوں کو دین کا جز ثابت کرنے کے لئے ابھی مطمئن نہیں ہوئے - اپنی حکیمانہ کارروایوں کا دائرہ ذرا اور وسیع کرتے ہیں - کہتے ہیں کہ بدعت صوریہ کرلینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ :

پس سنت حقیقیہ و بدعت حقیقیہ جمع نہیں ہوسکتیں لیکن بدعت صوریہ سنت حقیقیہ کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے - چنانچہ تلفظ بنیۃ صلوٰۃ کو سنت کہا گیا ہے بعض معانی کے اعتبار سے کہ وہ معنی ایک قسم ہے سنت حقیقیہ کی اوربدعت بھی کہا گیا ہے بعض معانی سنت کے مقابلہ کے اعتبار سے- اسی لئے "حلیہ" کی عبارت مذکورہ میں اس کو بدعت مان کر حسن کہا گیا ہے- جو صریح ہے جواز بعض اقسام بدعت مع السنۃ الحقیقیہ میں اور یہ اجتماع حضرت عمر کے قول "نعمت البدعۃ" سے بھی متاید ہوتا ہے - (بوادالنوادر ص 778 طبع دیوبند)

شاباش ' شاباش - ناظرین ! داد دیجئے بدعت کے اکھاڑے کے رستم اس حکیم الامت کو کہ کس شرح صدر سے بدعت و سنت کو جمع کرنے کا اکسیر اعظم تیار کرکے خلیفہ راشد حضرت فاروق اعظم کے قول سے بھی اس کی تائید کرارہے ہیں - ہے کوئی مائی کا لال ؟ جو ان صاحب سے پوچھے کہ صاحب بہادر - فاتحہ علیٰ الطعام 'صلوٰۃ و سلام قبل اذان ' اجتماعی دعا بعد نماز جنازہ ' اجتماع محافل میلاد ' سوئم وچہلم اور اعراس اولیاء اللہ جن کو بدعت و ناجائز و حرام کہہ کر آپ نے زمین کی مٹی تک اکھیڑ رکھی ہے ' بھی تو صرف صورتاً ہی نئے کام معلوم ہوتے ہیں- جو افعال ان میں ہوتے ہیں قرات قرآن مجید و ایصال ثواب 'صدقہ طعام ' درود شریف اور دعائے

مغفرت برائے میت وغیرہ بھی تو بعض معانی کے اعتبار سے سنت ہی ہیں تو پھر ان فی نفسہا امور خیر پر ہی بدعت مطلقہ قبیحہ کا تیشہ کیوں چلایا جاتا ہے؟ اور جب آپ کی بدعت صوری سنت کہلا سکتی ہے تو دوسرے لوگوں کی بدعت صوری سنت کیوں نہیں ہو سکتی؟

تھانوی کی بطور سند پیش کردہ عبارات و استدلالات سے مندرجہ ذیل مسائل روز روشن کی طرح ثابت ہو گئے:

1۔ حدیث "کل بدعۃ ضلالۃ" کا عموم منسوخ ہو چکا ہے کیونکہ بدعت واجبہ وبدعت حسنہ بھی ہوتی ہے

2۔ ایک ہی چیز سنت بھی ہو سکتی ہے اور بدعت حسنہ بھی جیسا کہ نماز کی نیت زبان سے بھی بول لینا کہ یہ سنت بھی ہے اور بدعت بھی۔

3۔ بدعت کبھی واجب بھی ہوتی ہے کہ شریعت میں اس کا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

4۔ بدعت مندوبہ بھی ہوتی ہے جسے بدعت مستحبہ کہتے ہیں کہ اس کا کرنا نہ کرنے سے بہتر ہوتا ہے۔ ترک المندوب خلاف الاولیٰ (رد المحتار ج 1 ص 87)

5۔ علم نحو کی کتابیں شرح مأۃ عامل' نحو میر' ہدایت النحو' کافیہ اور شرح جامی پڑھنا بدعت ہیں۔ لہذا سب علماء دیوبند بھی بدعتی ہیں۔

6۔ کل احسان لم یکن فی الصدر الاول۔ یعنی تمام وہ نیک کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ و تابعین کے زمانہ کے بعد پیدا کئے گئے وہ بدعت مندوبہ اور مستحب ہیں۔ ان کا کرنا ہی بہتر ہے یعنی ان کا کرنا کار ثواب ہے۔ جیسے تقلید شخصی' ذکر' چلے' فاتحہ اور عرس وغیرہ۔

7۔ بدعت محرمہ و ممنوعہ وہ ہوتی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم طریق حق اور آپ کے عمل یا حال کے خلاف ہو۔ باقی وہ کام کہ جن کی آپ سے علماً یا عملاً یا حالاً بہتری ثابت ہو گو ان کی صورت ترکیبی آپ سے ثابت نہ ہو وہ بھی مستحسن و مندوب ہوتے ہیں۔

8۔ ہر بدعت بری یا خلاف سنت نہیں ہوتی بلکہ بدعت و سنت جمع بھی ہو سکتی ہیں۔ جیسا کہ تلفظ بنیۃ نماز و نماز تراویح التزاماً دائماً بہ تقرر رکعات مخصوصہ۔ و بہ فرمان حضرت عمر نعمۃ البدعۃ ھذہ کہ یہ اچھی بدعت ہے کہ اصل تراویح سنت ہے مگر صورت متعینہ بدعت حسنہ ہے

دیوبندی اگر بدعت کریں تو بدعتی ہونے سے بچنے کا ایک اور

دیوبندی دافع البلاء زود اثر تریاق

دیوبندی فرقہ کے علماء سنی بریلوی علماء یا حضرات صوفیائے کرام سے بھی زیادہ بدعتیں کرتے ہیں۔ کچھ نمونے تو آپ دیکھ چکے ہیں اور کچھ ابھی عنقریب ہی ہم آپ کو دکھاتے ہیں۔ ان میں سے ایک بدعت ہر باجماعت نماز پنجگانہ کے بعد اہتماماً و التزاماً اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ہے کہ امام دعا مانگے اور سب مقتدی آمین' آمین کہیں۔ یہ سنت سے ثابت نہیں مگر سبھی

دیوبندی علماء اسی طرح دعائیں مانگے جا رہے ہیں ۔ اب ان کے قانون کے مطابق کہ جو سنت نہ ہو وہ بدعت ہوتی ہے۔ یہ بدعت ہوئی تو سب دیوبندی بھی بدعتی ہوئے ۔ ایسی صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تھانوی صاحب کے داؤ پیچ تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ اگر دیوبندی بدعت کربھی لیں تو ان کی صحت پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا کہ ہر بدعت گناہ نہیں ہوتی بلکہ بدعت واجب ' بدعت مندوبہ اور بدعت مباحہ سے کام نکالا جاسکتا ہے اور سنت کی بھی کئی قسمیں ہیں ضروری نہیں کہ جو کام بدعت ہو وہ سنت نہ ہو۔

اب محکمہ وہابیہ و نجدیہ کے رجسٹریشن آفس سے تبع سنت رجسٹرڈ ہونے کی مدعی اس جماعت کے ایک ماہر ہیر پھیر استاذ کی بولی بھی سن لیجئے ۔ اسی ہر نماز باجماعت کے بعد دواماً و التزاماً و اہتماماً و اجتماعاً ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے متعلق ان کے سب سے بڑے محدث مفتی و شیخ الحدیث مدرسہ دیوبند کے پیشوا مولوی محمد انور شاہ صاحب کشمیری الملقب منھم بالشیخ الانور اس بدعت کرلینے پر ان کی یوں حوصلہ افزائی کرتے ہیں:

واعلم ان الادعیة بھذہ الھیئة الکذائیة لم تثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یثبت عنہ رفع الایدی دبر الصلوات فی الدعوات الا اقل قلیل و مع ذلک وردت ترغیبات قولیة والامر فی مثلہ ان لا یحکم علیہ بالبدعة-فھذہ الادعیة فی زماننا لَیْسَتْ بِسُنَّةٍ بمعنی ثبوتھا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وَلَیْسَتْ بِبِدْعَةٍ بمعنی عدم اَصلھا فی الدین (فیض الباری ج 2 ص 167 طبع ڈھابیل)

جان لو ۔ کہ نمازوں کے بعد اس صورت مروجہ اجتماعاً ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی کم کہیں ثابت ہیں ۔ ہاں ترغیبی ارشادات وارد ہیں تو باوجود ان کے اجتماعاً و دائماً دعا کرنے کے عدم ثبوت کے انہیں بدعت نہیں کہا جاسکتا تو بوجہ عدم ثبوت کے یہ نہ تو سنت ہیں اور (بوجہ عمومی ترغیبات کے) نہ ہی بدعت ہیں کیونکہ دین میں ان کی کچھ نہ کچھ اصل ہے ۔

کشمیری صاحب کی اس عبارت کو بار بار پڑھئے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو کام سنت نہیں وہ بدعت ہی ہوتا ہے وہ بتائیں کہ یہ الشیخ الانور ان کے نزدیک چمڑی ادھیڑ لینے کے سزاوار ہیں یا نہیں کہ انہوں نے ان بدعت گروں کی ساری عمر کی تیار کردہ عمارت شرک و بدعت صرف ایک ہی دھکے سے زمیں بوس کردی ۔ اور وہ مفتیان بے لگام جو لنگوٹ کس کر " سنت نہیں تو بدعت ہے " کی دھمالیں ڈال رہے ہیں دیکھیں کہ ان کے مرکز دیوبند کے سب سے بڑے محدث کیا کہہ رہے ہیں ۔ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ جو کام گو سنت تو نہ ہو مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ترغیبی ارشاد سے ثابت ہو وہ نہ سنت ہوتا ہے نہ بدعت ۔ اس کا کرنا

کار ثواب ہوتا ہے۔

مولوی محمد انور شاہ کشمیری کے لئے پل صراط حق آخر حق ہوتا ہے۔ کشمیری صاحب نے فقہائے احناف اور اکابر علمائے اہل سنت کے مطابق یہ تو مان لیا کہ اس طرح کی دعائیں مانگنا نہ سنت ہیں نہ بدعت بلکہ ایک تیسری چیز ترغیبی عبادات ہیں مگر نجدیت کے حلیف ہونے کی مجبوری میں پھر ڈنڈی مارتے ہیں اور یہ نہیں بتاتے کہ احکام شرع فرض، واجب، سنت، مستحب، مکروہ، مباح یا حرام میں سے آخر یہ دعائیں پھر ہیں کیا؟ بتا بھی دیتے۔ مگر پارٹی کی ناراضگی کی بنا پر اور مدرسہ دیوبند سے کچھ تنخواہ کا بھی مسئلہ تھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک مستحب کا لفظ بول دینا کسی کلمہ کفر سے کم نہیں تھا۔ ساری عمر خود مستحب یہ مستحب ہے کی فقہ پڑھانے والے علماء اپنے مخالفین کے کسی نیک کام کو مستحب کہہ دیں یہ ان کے لئے مرگ مفاجات سے کچھ بھی کم نہیں ہوتا۔ دین اور مسئلہ رہے نہ رہے، مسلک کا تحفظ ان کے نزدیک ضروری ہوتا ہے۔ ہم ابتداء میں درمختار و ردالمحتار میں سے امام ابن ہمام کی "التحریر" سے لکھ آئے ہیں کہ جو کام نہ سنت ہوں نہ بدعت بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ترغیبی ارشادات سے ثابت ہوتے ہوں وہ مندوب و مستحب ہوتے ہیں۔ جیسے یہ دعائیں و اجتماعی دعاء بعد نماز جنازہ و صلوٰۃ و سلام قبل اذان۔ فاتحہ۔ عرس وغیرہ جمیع امور خیر۔

حدیث کُلُّ بِدعۃٍ ضلالۃٌ اور علماء وہابیت و دیوبندیت کی دیانت داری

حدیث نبوی کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف ہر مسلک کے تمام مدارس عربیہ میں داخل نصاب ہے۔ اور تمام علماء روز و شب اسے پڑھ رہے ہیں اور پڑھا رہے ہیں۔ بدعت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں حدیثیں کُلُّ بدعۃٍ ضلالۃٌ اور من ابتدع بدعۃً ضلالۃً لا یرضاھا اللہ و رسولہ اسی مشکوٰۃ کے ایک ہی صفحہ پر قریب قریب ہی موجود ہیں۔ پہلی حدیث میں ہر بدعت گمراہی ہے اور دوسری حدیث میں صرف بری بدعت جس پر اللہ و رسول راضی نہ ہوں کو گناہ قرار دیا گیا ہے اور دوسری حدیث سے پہلی حدیث کے حکم عام کو خاص فرما دیا گیا ہے۔ ہم اس سے پہلے مفصل بتا چکے ہیں کہ دوسری حدیث کے خصوص نے پہلی حدیث میں وارد حکم عام کو منسوخ کر دیا ہے۔ کارخانہ نور محمد اصح المطابع کراچی کی طبع شدہ مشکوٰۃ کے صفحہ 30 پر یہ دونوں حدیثیں موجود ہیں اور شارحین مشکوٰۃ میں سے حنفی شارح علی بن سلطان المعروف بملا علی قاری کی "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" کے حوالہ سے پہلی حدیث کل بدعۃ ضلالۃ کے بین السطور بحوالہ مرقاۃ الا ما خُصَّ واضح طور پر درج ہے جس کا مطلب ظاہر ہے کہ کل بدعۃٍ ضلالۃٌ کا عموم باقی نہیں رہا بلکہ یہ عموم خاص ہو چکا ہے اور دوسری حدیث جس نے اس عام کو خاص کیا ہے یعنی بدعۃً ضلالۃً جس کا مطلب یہ ہے کہ صرف بری

بدعت ہی گناہ ہوتی ہے کے الفاظ کے بین السطور حاشیہ بحوالہ مرقاۃ قَیَّدَ بِہٖ لِاِخْرَاجِ الْبِدْعَۃِ الْحَسَنَۃِ واضح طور پر درج ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ بدعت کے ساتھ ضلالۃ کی صفت لگا کر بدعت حسنہ "نیک بدعت" کو بری ہونے سے خارج فرمادیا ہے۔ خصوصا دیوبندی علما ملا علی قاری کی تعریفوں کے انبار لگا رہے ہیں اور روز و شب ان دونوں حدیثوں پر ملا علی قاری صاحب کے حواشی بھی پڑھ رہے ہیں۔ وہ اندھے نہیں کہ ان کو کل بدعۃ ضلالۃ کے درمیان اَلْاَمَاخُصَّ نظر نہیں آتا یا دوسری حدیث بدعۃ ضلالۃ کی شرح میں قَیَّدَ بِہٖ لِاِخْرَاجِ الْبِدْعَۃِ الْحَسَنَۃِ دکھائی نہیں دیتا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ہی کسی عام حکم کو خود ہی خاص فرما دینے کے بعد آپ کے عام حکم کو ہی نشر کرتے رہنا اور خاص حکم سے صرف نظر کرکے اسے چھپاتے رہنا منشا نبوی کے خلاف ایک کھلی بغاوت اور بارگاہ نبوت میں عظیم گستاخی بھی ہے۔ آخر یہ علما کسی درس و تقریر میں کیوں نہیں بتلاتے کہ ہر بدعت بری نہیں ہوتی بلکہ بعض بدعات نیک کام بھی ہوتی ہیں۔ اس مسئلہ شرعیہ میں ان علماء کی یہ بددیانتی محض نجدی و خارجی نظریہ کے تحفظ کے لئے ہے اور اس مجرمانہ خیانت کی جواب دہی کے لئے انہیں بارگاہ رسالت میں پیشی بھگتنا ہوگی۔ قیامت کا دن آرہا ہے

صحابہ کرام علیہم الرضوان حدیث کل بدعۃ ضلالۃ کو منسوخ سمجھ کر بدعت حسنہ کرتے تھے

آج کل جس طرح نماز تراویح بالدوام و بالالتزام مقررہ بیس رکعت پڑھی جاتی ہے یہ سنت نہیں بدعت ہے مگر بدعت ضلالۃ نہیں بدعت حسنہ ہے۔ اسے اصل کے لحاظ سے سنت بھی کہا گیا ہے مگر صورت متعینہ کو بدعت حسنہ بھی کہا گیا ہے۔ تراویح سے متعلقہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی 16 کبھی 20 کبھی 24 کبھی 39 اور کبھی 40 رکعت تراویح پڑھیں۔ کبھی پڑھیں کبھی ترک فرمادیں۔ نہ دوام نہ تعداد رکعات کا التزام۔ حضرت فاروق اعظم کے زمانہ تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا کہ کوئی جس قدر چاہتا پڑھ لیتا۔ آپ نے بیس رکعت مقرر فرما کر علی الدوام جاری فرمادیں۔ اور خود ہی فرمایا کہ نِعْمَتِ الْبِدْعَۃُ ھٰذِہٖ (مشکوٰۃ) یہ بدعت اچھی ہے۔ یہیں سے محدثین و فقہاء نے بدعت حسنہ کی قسم کا حکم دیا اور پھر سب صحابہ کرام اس بدعت پر عمل پیرا رہے اور ساری امت و دیوبندی و غیرمقلدین یہ بدعت حسنہ کررہے ہیں۔ تعداد رکعات 20 ہو یا 8 اس کا ہمیشہ کے لئے تقرر اور تراویح کا پورا مہینہ دوام بہر حال بدعت حسنہ ہے۔

مسلمانوں کو بدعتی کہنے والے دیوبندی اور غیرمقلدین سے مطالبہ انصاف | ملا علی قاری صاحب نے حدیث و من ابتدع بدعۃ ضلالۃ میں لفظ ضلالۃ کو لفظ بدعت کی صفت احترازی

قرار دیا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ صفت موصوف کے لئے قید اور مخصص ہے اور اسی صفت مخصصہ سے اشارتاً بفرمان نبوی بدعت حسنہ کا اثبات کیا ہے اور اسی بنا پر تمام اکابر ائمہ اہل سنت فقہائے احناف و شوافع نے کل بدعة ضلالة کو منسوخ قرار دے کر ہی بدعت حسنہ کا قول کیا۔ ردالمحتار، اشعۃ اللمعات، فتح الباری شرح بخاری، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور الحاوی للفتاویٰ للسیوطی حتی کہ خود غیر مقلدین کے پیشوا شوکانی بلکہ خود دیوبندی مولوی اشرفعلی تھانوی سبھی نے حدیث "کل بدعۃ ضلالۃ" کے عموم کو منسوخ قرار دے کر بدعت کی پانچ قسمیں تسلیم کر کے ہی بدعت واجبہ و بدعت حسنہ کا قول کیا ہے۔ اکثر حوالہ جات گزر چکے ہیں اب زمانہ حال کے مفسدین علماء دیوبند و وہابیہ جو معمولات اولیا اللہ و علمائے اہل سنت کو بدعت قرار دے کر سب کو بدعتی کہہ رہے ہیں، سے ہمارا مطالبہ ہے کہ یا تو ان اپنے یا بیگانے اکابر کو ملحد و بے دین قرار دے کر ان سے بیزاری کا اظہار کریں اور یا پھر اپنی کوئی خانہ ساز شریعت کا اعلان کر کے اہل سنت وجماعت سے علیحدہ فرقہ ہونے کا اعلان کریں۔ مسلمانوں میں رہ کر کوئی خانہ ساز فتویٰ دے کر شیرازۂ امت کو تار تار نہ کریں۔

علمائے دیوبند کی بدعت پروف مروجہ بدعات اگر دیوبندی مولوی صاحبان بضد ہیں کہ مستحب اور مباح اور بدعت حسنہ وہ تسلیم نہیں کرتے اور جو کام سنت ثابت نہ ہو ان کے نزدیک وہ ہر صورت بدعت مطلقہ مذمومہ ہے اور کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار کا عام حکم ہر صورت عموم پر قائم ہے تو پھر وہ اہل سنت مشائخ و علما کو بدعتی بنانے سے پہلے اپنی روز مرہ کی بدعات سے اتنی ہی دفعہ روزانہ، ماہوار اور سالانہ کے حساب سے اپنے فی النار ہونے کا بندوبست کرلیں۔ ان کی بدعات کے چند نمونے دیکھئے۔

اجتماعی دعا بعد ہر نماز پنجگانہ آپ عنقریب ہی پڑھ چکے ہیں کہ ان کے آقائے علم و فضل سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری شیخ الحدیث مدرسہ دیوبند نے فیض الباری شرح بخاری میں صاف صاف لکھ دیا ہے کہ ہر نماز پنجگانہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور پر کہ امام دعا مانگے اور مقتدی صف بستہ آمین، آمین کہیں یہ طریقہ حدیث سے سنت ثابت نہیں تو ان کے قانون سے اس طرح یہ دعا بدعت ہوئی اور سب دیوبندی علما نماز ظہر و مغرب و عشاء کے بعد ایک دفعہ جماعت سے فراغت کے بعد اور دوسری دفعہ سنن ونوافل کے بعد ہر سہ نمازوں کے بعد دو دو دفعہ دعائیں مانگتے ہیں تو یہ 6 عدد بدعتیں ہوئیں اور صبح و عصر کی جماعت کے بعد نوافل نہیں ہوتے لہٰذا ان کے بعد ایک دفعہ ہی دعا منگواتے ہیں یہ دو بدعتیں ہوئیں۔ روزانہ 8 بدعتیں تو ماہوار 240 اور سالانہ 2880 دفعہ یہ صاحبان فی النار ہوئے۔ ہم سنت کے ان ٹھیکیداروں سے مؤدبانہ گزارش کریں گے کہ وہ اتنی بڑی خطرناک بدعت کے چھوڑنے کا ایک دفعہ تجربہ تو کریں کہ نماز سے سلام

پھیرنے کے بعد اعلان کریں کہ حضرات ضروری مسئلہ سنئے ! " نماز کے بعد بالالتزام ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا مانگنا بدعت ہے لہذا میں دعا نہیں منگواتا ہوں " اور پھر دیکھیں کہ مقتدی حضرات امام صاحب کی کس طرح تواضع کرتے ہیں - تجربہ شرط ہے -

دیوبندی علما کی تدریسی بدعات اس فرقہ کے سب سے بڑے مجدد و حکیم الامت تھانوی کی بوادر النوادر کے صفحہ 777 سے بحوالہ رد المحتار آپ پڑھ چکے ہیں کہ ان صاحب نے مدرسے بنانا اور علم نحو پڑھنا کو بدعت مندوبہ تسلیم کیا ہے کہ یہ کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں لہذا یہ بدعت ہیں اور جب علم نحو پڑھنا بدعت ہے تو علم صرف، علم فقہ، علم اصول فقہ، علم منطق، علم معانی، علم حکمت و فلسفہ، علم اصول حدیث، علم مناظرہ، علم اسمائے رجال، علم اصول تفسیر، علم کلام، علم میراث اور علم تصوف وغیرہ ان سب علوم کی اصطلاحات و اصول و ضوابط کا پڑھانا چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنت ثابت نہیں لہذا یہ سب بدعت ہوئے اور پھر ان 16 عدد بدعات سے کہ مدرسین علماء کا ناشتہ ہی انہیں سے ہوتا ہے یہ سب بدعتی ہوئے - اور پھر ان میں سے ہر بدعت کئی بدعات کو متضمن ہے لہذا دلالت تضمنی سے یہ بیسیوں بدعات ہر مدرس مولوی روزانہ کرتا ہے - مثلا :

علم صرف میں اسم ، فعل ، حرف ، سہ اقسام ، ہفت اقسام ، حروف علت ، معتل الفا ، معتل العین ، معتل اللام اور اقسام تعلیلات وغیرہ -

علم نحو میں جملہ اسمیہ ، جملہ خبریہ ، فعل ، فاعل ، مفعول اور پھر مفعول بہ وغیرہ - اسم متمکن ، اسم غیر متمکن ، منصرف ، غیر منصرف اور حال تمیز وغیرہ -

علم فقہ میں فرض ، واجب ، سنت ، مستحب ، مکروہ ، مباح ، کراہت تنزیہی ، کراہت تحریمی ، فتوی ، صحیح ، اصح اور ظاہر الروایۃ وغیرہ -

علم اصول فقہ میں اصول شرع ، خاص ، عام ، امر ، نہی ، محکم ، متشابہ ، مجمل ، مفسر ، حقیقت ، مجاز اور دلالت النص وغیرہ -

علم منطق میں تصور ، تصدیق ، جنس ، نوع ، فصل ، خاصہ ، عرض عام ، مقدم ، تالی ، حد اوسط ، برہان انی اور برہان لمی وغیرہ -

اسی طرح ہر علم میں بیسیوں بلکہ سینکڑوں علوم و فنون کی اصطلاحات و قواعد و ضوابط جو کہ اوسطاً فی فن 100 کے لگ بھگ ہر اہل فن کو معلوم ہیں ان کا تعین اور بحث و تدریس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنۃ ثابت نہیں تو ان کے قانون سے یہ سب بدعات ہوئیں - لہذا ہر فن سے روزانہ طلباء کو 10 ضابطے ہی پڑھائے جائیں تو مجموعی طور پر مدرسین روزانہ 160 بدعتیں کرتے ہیں تو یہ ماہوار 4800 اور پڑھنے پڑھانے والے یہ بدعتیں کر کے سالانہ 57600 دفعہ فی النار ہوتے

ہیں - ابھی اور بدعت دیکھئے -

بدعت پروف دیوبندی تبلیغیوں کی بدعت | دیوبندی مسلک کی سب سے زیادہ مدعی تقویٰ "تبلیغی جماعت" ہے - جو غولوں کی صورت میں تبلیغ دین کے نام پر لوگوں کو مشائخ و اولیاء اللہ سے کاٹ کر خارجی نظریہ ' بدعت و شرک کے سبق پڑھا کر نجدیت کا شکار کر رہی ہے - اس جماعت کا طریقہ واردات یہ ہے کہ یہ لوگ جب غول کی صورت میں کسی آبادی میں وارد ہوتے ہیں تو کسی نہ کسی مسجد کا نشانہ لے کر اس میں پڑاو ڈال دیتے ہیں - اور اپنا بستر بوریا جما کر ایک کہنہ مشق .بگلہ بھگت ہر آنے والے شکار کو قابو میں کرنے کے لئے مسجد میں بٹھا دیتے ہیں - یہ ان کا پکا نشانہ باز ماہر شکاری ہوتا ہے - جس کا نشانہ عموماً خطا نہیں جاتا اور جب وہ مسجد کے ایک کونہ کو اپنی کمین گاہ بنا کر تسبیح و ذکر و مراقبہ کی اوٹ لے کر نجدیت کی رائفل لوڈ کر کے پوزیشن سنبھال لیتا ہے تو باقی شکاری محلہ و آبادی میں ہنڈرا لئے اور شکار کو ولّا دینے کے لئے مسجد سے باہر نکلتے ہیں تو گلیوں میں منتشر ہو کر سادہ لوح مسلمانوں کو مسجد میں آنے کی دعوت دینے سے پہلے وہ شکاری ایک اجتماعی دعا مانگتے ہیں اور پھر بکھر کر کام شروع کرتے ہیں - ان کی باضابطہ کتاب "تبلیغی نصاب" جو کہ ہر تبلیغئے کی بغل میں رہتی ہے میں اس دعا کی ان کو باقاعدہ تحریری طور پر یوں ہدایت کی گئی ہے :

> جب اس جگہ پہنچیں جہاں تبلیغ کرنی ہے - تو پھر سب مل کر حق تعالیٰ سے دعا مانگیں اور تمام محلہ یا گاؤں میں گشت کر کے لوگوں کو جمع کریں (تبلیغی نصاب ص 835 ' رسالہ مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج)

اس طرح بستر بند ہو کر نکلنا اور پھر اس موقع پر اس طرح مل کر اجتماعی دعا مانگنا کسی حدیث سے سنت ثابت نہیں تو ان کے اصول سے کہ جو کام سنت نہیں وہ بدعت ہوتا ہے یہ دعا بھی بدعت ہے - جسے کرنے کی انہیں باقاعدہ ہدایت کی گئی ہے اور یہ بدعت تمام تبلیغئے دیوبندی علماء بڑے ولوے سے کر رہے ہیں - یہ التزام مالا یلزم ڈنکے کی چوٹ پر کرایا جا رہا ہے اور یہ بدعت شیر مادر سمجھ کر ہضم کی جا رہی ہے - باقی رہا احادیث میں عام دعا کی فضیلت تو یہ ان کے لئے اس لئے کار آمد نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کے نزدیک عام دلیل سے خاص دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا - حوالہ چند سطر بعد آ رہا ہے -

تبلیغی جماعت کے مرکز رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع میں ان کی اجتماعی دعا کی بدعت

تبلیغی جماعت والوں کا ہر سال بعد رائے ونڈ میں ایک مشہور اجتماع ہوتا ہے - آخر میں ایک اجتماعی دعا ہوتی ہے - جس کے لئے دور دراز سے لوگ سفر اور شدرِ حال کرتے ہیں - چونکہ دعا کے لئے یہ سفر اور شدر حال اور کسی جگہ تبلیغ کے لئے اجتماع کر کے اس کے آخر میں اس

التزام، تداعی و اہتمام سے اجتماعی دعا کسی حدیث سے ثابت نہیں - لہٰذا یہ پکی ٹھکی بدعت ہوئی تو سب شرکائے اجتماع بدعتی ہوئے - سالانہ اجتماع کے آخر میں اجتماعی دعا کا ثبوت یہ ایک خاص دعویٰ ہے - اس کے ثبوت کے لئے ان کے قانون کے مطابق خاص دلیل کی ضرورت ہے - ان کے مولوی عبدالرشید صاحب ارشد آف ساہیوال لکھتے ہیں :

احکام عامہ سے امور خاصہ ثابت کرنا درست نہیں - امر خاص کے لئے حکم بھی خاص ہونا چاہئے
(رسالہ "نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں" ص 90)

کوئی ہے مفتی دیوبند جو حدیث دکھائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سال بعد اس طرح کا تبلیغی اجتماع فرمایا اور پھر اس کے آخر میں اجتماعی دعا فرمائی - اور اگر اس خاص دعا کے لئے کوئی خاص حکم دستیاب نہیں تو بدعتی ہونے کا اقرار کرے (این المفر) کدھر بھاگو گے -

جمہور مسلمانوں سے فاتحہ، عرس، میلاد، صلوٰۃ و سلام قبل اذان یا دعا بعد نماز جنازہ پر دلیل خاص مانگنے والے ثبوت پیش کریں - قیامت تک مہلت ہے -

دیوبندی مدارس کے سالانہ جلسوں کے آخر میں اجتماعی دعا کی بدعت | دیوبندی و وہابی مدارس کے سالانہ جلسے ہوتے ہیں یا تبلیغی کانفرنسیں ہوتی رہتی ہیں - جلسوں کے اختتام پر ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا ہوتی ہے بلکہ بعض جگہ تو کوئی "حضرت صاحب" صرف اسی بدعت کے لئے مدعو کئے جاتے ہیں اور اعلان ہوتا ہے کہ حضرات تشریف رکھیں! اب حضرت صاحب دعا کریں گے جس سے سب کی بخشش ہو جائے گی - اس طرح جلسہ کرکے آخر میں ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنت ثابت نہیں - لہٰذا ان کے قانون سے یہ بھی بدعت ہے اور یہ سب بدعتی ہیں - مولوی عبدالرشید صاحب کہتے ہیں کہ دعا بعد جنازہ تب مانیں گے کہ خاص موقع پر خاص دعا اور اس کے الفاظ بھی دکھاؤ - لہٰذا ہمارا بھی مطالبہ ہے کہ کوئی ہے مفتی بے لگام جو ایسے جلسوں کے موقع پر اجتماعی دعا اور اس کے الفاظ بھی دکھا دے اور منہ مانگا انعام حاصل کرے - ہمت نہ ہارئے ورنہ بدعتی ہونا شرط ہے -

وعظ و تقریر سے پہلے اجتماعی دعا کی بدعت | کئی علما کو دیکھا گیا ہے کہ جب کرسی پر جلوہ افروز ہوتے ہیں تو وعظ سے پہلے دعا کرواتے ہیں اور سامعین سے آمین بھی کہلواتے ہیں - دعا ختم کرکے کہتے ہیں درود شریف پڑھئے - پھر تقریر کے درمیان کہتے ہیں کہو سبحان اللہ - ذرا زور سے بولو - ذرا شور سے بولو - ایسے موقع پر اس صورت سے ایسی خاص طرز سے یہ چاروں کام سنت ثابت نہیں - لہٰذا دیوبندی قانون سے کوئی بھی نیکی اس خاص موقع پر اس خاص صورت - ثابت نہ ہو تو وہ بدعت ہوتی ہے، یہ چاروں کام بدعت ہوئے - پھر جلسہ کے اختتام والی اجتماعی دعا جسے ہم نے پہلے ذکر کیا ہے پانچوں بدعت ہوئیں تو یہ حضرت اپنے ہی قانون سے ایک ہی

مجلس میں مع اپنے سامعین پانچ بدعتیں کر کے پانچ مرتبہ فی النار سے بشارت یافتہ ہو گئے۔

نماز عیدین کے خطبہ کے بعد اجتماعی دعا کی بدعت | نماز عیدین کے خطبہ کے بعد دیوبندی مولوی صاحبان بڑے ولولے سے لمبی لمبی دعائیں مانگتے ہیں۔ خود مرکز دیوبندیہ کے فتاوی دیوبند کے سوال جواب نمبر2688 میں مفتی دیوبند کے جواب میں درج ہے کہ:یہ دعا اس موقع پر ثابت نہیں اس سوال جواب نمبر 2689 کے حوالہ کا عنقریب ہی بحث دعا بعد نماز جنازہ میں انتظار کیجئے۔ تو دیوبندی قانون سے کہ "جو کام ثابت نہ ہو وہ بدعت ہوتا ہے" یہ دعا بھی بدعت ہوئی اور یہ رجسٹرڈ بدعتی ہوئے۔ پھر خود کردہ را چہ علاج ؟ابھی دیوبندی صاحبان کی روز و شب کی اجتماعی' اتفاقی اور ہنگامی دعائیں ان کے ذمہ قرض باقی ہیں

مدرسے قائم کرنے کی بدعت | کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ فرما کر مدرسہ بنایا اور اس میں علوم مروجہ عربیہ کی تدریس کے لئے کوئی مدرس اس کی تنخواہ مقرر فرما کر مقرر فرمایا۔ اسی لئے دیوبندی فرقہ کے سب سے بڑے مجدد و مفتی مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی نے ردالمختار کے حوالہ سے بدعات گنواتے ہوئے یہ لکھ کر:

کا حداث نحو رباط و مدرسة - سرائیں اور مدرسے بنانا بدعت مندوبہ ہے۔

(بوادر النوادر ص 777)

تسلیم کیا ہے کہ مدرسے بنانا بدعت مندوبہ ہے یعنی سنت نہیں۔ اور بدعت مندوبہ آج کل کے دیوبندیوں کے جغرافیہ میں ہی نہیں تو سنت نہ ہونے کی وجہ سے ان کے قانون کے مطابق بدعت ہوئی اور اسلامی مدرسے بنانے والے اور اس بدعت کی بنیاد و بقا کے لئے چندہ دینے والے سبھی بدعتی ہوئے۔ غلط فتووں کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔

صبح کے درس قرآن مجید کے بعد بدعت | کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام نے درس قرآن مجید دے کر اس کے آخر میں ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا مانگی۔ لہذا دیوبندی قانون مذکور سے یہ بھی بدعت ہوئی تو دیوبندی صاحبان کو منہ نہار یہ مفرح قلب بدعت نہاری مبارک۔ ایک اور بدعت دیکھئے۔

قادری کہلانا بدعت | اس فرقہ کی عین ایمان کتاب "تقویۃ الایمان" میں قادری چشتی کہلانا بدعت لکھاہے۔ ان کے ایک مولوی صاحب اجمل "قادری" کہلاتے ہیں بلکہ ایک اور صاحب تو امام انہدی ہو گئے ہیں۔ امام اہل سنت کے لئے اعلیٰ حضرت کے لفظ پر چراغ پا ہونے والے امام انہدی کی خبر لیں۔ تھانوی صاحب نے مرہی بنوا رکھی تھی۔ ازگروہ "اولیاء اشرفعلی" کیا یہ خود نمائی "بدعت" نہ تھی؟

امامت و تاذین کی تنخواہ لینا بدعت | کیا مجال ہے کہ جمہور مسلمانوں کو بدعتی بدعتی کی ہزار

دانہ کی تسبیح پوری کرنے والے یہ علما بغیر تنخواہ مقرر کئے ایک دن بھی نماز پڑھا دیں یا اس فرقہ کا کوئی مؤذن اجرت کے بغیر کوئی بھی اذان پڑھ دے ۔ تجربہ کرنا ہو تو کسی دیوبندی امام یا مؤذن کی کسی ماہ کی پوری تنخواہ تو کیا، تنخواہ میں سے صرف ایک روپیہ نہ دے کر دیکھ لیجئے کہ محکمہ یا کمیٹی مسجد کے خلاف امام یا مؤذن صاحب کس طرح لنگوٹ کس کر اعلان جہاد کرتے ہیں ۔ بس چلے تو 302 کی ایف آئی آر درج کرادیں ۔ حالانکہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین یا آپ کے مؤذنین بلال بن رباح متوفی 17ھ مدفون داریا (دمشق) و عمرو بن قیس المعروف بہ عبداللہ بن ام مکتوم قرشی مدفون قادسیہ و سعد بن عائذ قرظی و ابو محذورہ اوس بن مغیرہ جمحی مکی متوفی 59ھ مدفون مکہ مکرمہ میں سے کسی نے اذان کہنے کی تنخواہ و اجرت لی ہو۔ تو یہ بدعت ہوئی اور بدعت واجبہ یا مندوبہ دیوبندیوں اور غیر مقلدوں کے نزدیک نا مقبول تو یہ سب بدعتی ہوئے ۔ مزید اس قسم کی بدعات کا حساب ان کے کھاتے میں بقایا ہے ۔

رمضان المبارک میں دیوبندی بدعات کی بھرمار اہل سنت و جماعت بریلوی مسلک کے نزدیک تو عموم ترغیب سے ثابتہ اور مستحبہ بدعت مذمومہ ہوتے ہی نہیں مگر منکرین مستحب کہتے ہیں کہ جو کام جس جگہ سنت سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے ۔ رمضان شریف میں ان کے اس قانون سے ان کی بدعات میں کافی ترقی ہوجاتی ہے ۔ کیونکہ عشاء کی نماز میں ایک اور دعا پڑھی جاتی ہے جو تراویح کی ابتداء میں مانگی جاتی ہے ۔ تو گزشتہ روزانہ حساب کی 8 بدعات کے ساتھ مل کر یہ 9 دعائیں ہوجاتی ہیں تو رمضان شریف میں روزانہ 9 عدد بدعات ۔ ماہانہ 270 اور سالانہ 3240 اور خطبہ عید کے بعد والی دعا ملا کر یہ حضرات عید کے دن عید گاہ سے 3241 بدعات کی سزائی النار ہونے کا سرٹیفکیٹ لے کر گھر آتے ہیں ۔ کیوں کہ ان کے محدث کشمیری صاحب کی کتاب فیض الباری سے آپ پڑھ چکے ہیں کہ فرضوں کی نماز کے بعد موجودہ صورت میں مروجہ دعا ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور پر دعا ہو یہ سنت نہیں اور مدرسہ دیوبند کے فتاوی دیوبند میں درج سوال جواب نمبر 2689 کی رو سے عید کے خطبہ کے بعد والی دعا بھی سنت نہیں اور سنتوں و نفلوں کے بعد بھی ان کے نزدیک دعا بدعت ہے ۔ چنانچہ اس فرقہ کے مسلم مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی کا فتویٰ یہ ہے:

> یہ جو رواج ہے کہ مقتدی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے رہتے ہیں تا آنکہ امام نماز سے فارغ ہوتا ہے تو سب مل کر دعا مانگتے ہیں یہ بدعت ہے ۔ کیونکہ کتاب و سنت سے اس کا ثبوت نہیں ۔ اسی طرح تراویح کے بعد دعا کو لازمی کرنے والے ۔ الخ (رسالہ " نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں " مؤلفہ مولوی عبدالرشید دیوبندی ص 155)

اور یہ سب سالانہ 3241 بدعات دیوبندی علما کئے جارہے ہیں اگر ابھی انہیں اپنے مطلوبہ کوٹہ بدعات میں کمی محسوس ہو رہی ہو تو ان کے تھانوی صاحب ردالمحتار کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

و مباحة کالتوسع بلذیذ الماٰکل والمشارب و الثیاب الخ (بوادر النوادر تھانوی ص 777 طبع دیوبند) اور بدعت مباحہ بھی ہوتی ہے جیسے عمدہ کھانے اور مشروبات و بہترین قسم کے کپڑے پہننا۔

یعنی پراٹھے ' بھنے ہوئے مرغ ' قورمے ' فرنی ' آئس کریم ' زردے ' پلاؤ ' کیک ' پیسٹری ' ہر قسم کے شربت اور چمکدار و لال پیلے رومال ' جیکٹیں ' شیروانیاں ' جُبے اور قبے استعمال کرنا یہ بدعات مباحہ ہیں - اور مولوی صاحبان کے لئے تو اس قسم کا مال مفت سارا سال ہی دستیاب رہتا ہے خصوصا رمضان شریف میں سحری و افطاری کے وقت - دیوبندی مولوی صاحبان اپنے تھانوی صاحب کی حکمت کی لاج رکھتے ہوئے حسب توفیق و شغل ان بدعات کو سابقہ ٹوٹل میں شامل کر کے اپنے سرمایہ بدعات میں مزید اضافہ کرسکتے ہیں - کوئی پابندی نہیں۔

علمائے دیوبند کے نزدیک مسلمہ مکروہہ اور پھر معمولہ بدعت | اس فرقہ کے سب سے بڑے بادشاہ مفتی تھانوی صاحب فتاوی شامی کے حوالہ سے اعلان کرتے ہیں - ان کی کتاب بوادر النوادر میں ہے

وَ مَکْرُوْھَۃٌ کَزَخْرَفَۃِ الْمَسَاجِدِ الخ - یعنی مسجدیں خوبصورت بنانا بدعت مکروہہ ہے۔ (بوادر النوادر ص 777 طبع دیوبند)

مسئلہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کچی بنائی اور مسجد کو بلند و بالا اور چونہ وغیرہ یا کوئی رنگ وغیرہ لگا کر اسے خوبصورت کرنے سے منع فرمایا - حدیث میں ہے۔

ما اُمِرْتُ بِتَشْیِیْدِ الْمَسَاجِدِ - مجھے مسجدوں کو چونہ وغیرہ لگانے کی اجازت نہیں دی گئی (ابو داود ج 1 ص 65)

اس کی تشریح عبداللہ بن عباس کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح تم مسجدوں کو خوبصورت نہ بنانا حدیث کے لفظ یہ ہیں لَتُزَخْرِفُنَّھَا کَمَا زَخْرَفَتِ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی یعنی تم یہود و نصاری کی طرح مسجدوں کو مزین و منقش کرو گے (بخاری ج ' ص 64)

مسلمانوں کو بدعتی و مشرک کہنے میں دیوبندیوں کی استاذ و چچی بھائی جماعت وہابیہ کے سب سے بڑے محدث صدیق حسن خان بھوپالی بخاری شریف کی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں -

وحدیث ظاہر است در کراہت و تحریم (الی قولہ) چہ تشبیہ بایشاں حرام است (مسک الختام شرح بلوغ المرام صدیق حسن خان ج 1 ص 252) یعنی چونکہ یہود و نصاری سے مشابہت حرام ہے لہذا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسجدوں کو خوبصورت کرنا مکروہ و حرام ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے -

نہی ان یُصَلّٰی فی مسجدٍ مُشْرَفٍ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونچی مسجد میں نماز پڑھنے

سے منع فرمایا ہے۔ (کنوز الحقائق مناوی بر حاشیہ جامع صغیر سیوطی ج 2 ص 138 طبع مصر)
اسی لئے عہد خلافت فاروقی میں سیدنا حضرت عمر نے مسجد نبوی جب از سر نو بنائی تو آپ نے فرمایا کہ:
وَاِیَّاکَ اَنْ تُحَمِّرَ اَوْ تُصَفِّرَ۔ خبردار مسجد کو کوئی سرخ یا پیلا رنگ نہ لگانا (بخاری ج 1 ص 64) کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ مسجد میں کوئی رنگ سفیدی یا سرخ یا پیلا یا سبز وغیرہ رنگ لگانے سے خوبصورتی ہوتی ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔
دیوبندیوں کے سب سے بڑے مولوی محمد انور شاہ کشمیری حضرت فاروق اعظم کے اسی قول کے تحت لکھتے ہیں۔

فان ظاهرها تدل علی ان التجصيص لَا يَجُوْزُ۔ ان احادیث میں واضح ظاہر دلالت ہے کہ مسجد کو چونہ لگانا جائز نہیں (فیض الباری شرح بخاری ج 2 ص 51)
اس کے بعد دور خلافت عثمانی میں عثمان غنی نے پھر مسجد نبوی پختہ تعمیر فرمائی اور اس میں رنگین خوبصورت پتھر لگوائے تو اکثر صحابہ کرام نے اس پر اعتراض کیا مگر یہ معاملہ پھر اس طرح حل ہو گیا کہ حضرت ابو ہریرہ نے انہیں بتایا کہ:

ان النبی صلی الله علیه وسلم اخبر بتجصیص هذا المسجد یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد کو چونے گچ کرنے کی خبر دی تھی۔

تو صحابہ کرام هذا المسجد اس مسجد کے لفظ سے مسجد نبوی کی باقی ساری دنیا کی عام مساجد کی عام کراہت تزئین کے عام حکم ہے خصوصیت اور صرف اس مسجد کے لئے خصوصی اجازۃ سمجھ کر خاموش ہو گئے تو مسجد نبوی کے علاوہ قیامت تک بننے والی ہر مسجد کی تزئین و خوبصورتی کی کراہت تحریمی مطابق فرمان نبوی اسی طرح قائم ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی اختیار ہے کہ وہ اپنے کسی عام حکم سے کسی خاص فرد کو مستثنیٰ فرما کر اسے کوئی خصوصی اجازت فرمادیں۔
جیسا کہ بکرا، بکری کی عمر برائے قربانی ایک سال کے عام حکم جو قیامت تک قائم ہے سے ایک صحابی کو 6 ماہ کی بکری یا بکرا قربانی کی اجازت فرمادی تھی۔ ایسی اور بھی کافی مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔ اسی لئے حضرت عثمان غنی کے لئے صرف مسجد نبوی کے تزئین کی خصوصی بشارت سے جس میں لفظ ہذا المسجد قرینہ واضحہ موجود ہے سے باقی مساجد کی کراہت تحریمی کا حکم نہیں بدلا۔
اسی لئے حضرت عثمان غنی کے مسجد نبوی کو مزین کرنے کے باوجود دیوبندی پیشواء مولوی محمد انور شاہ کشمیری کہتے ہیں:
فالاصل هو عدم التجصیص۔ یعنی اصل حکم مسجدوں کو خوبصورت نہ کرنے کا ہی باقی ہے۔ (فیض الباری ج 2 ص 51)

اور فقہائے اسلام و محدثین کرام مع غیر مقلدین کے پیشواؤں محمد علی شوکانی صاحب نیل الاوطار و صدیق حسن بھوپالی صاحب مسک الختام و دیوبندی پیشواء مولوی اشرفعلی تھانوی صاحب بوادر النوادر جن کی کتابوں سے حوالہ جات گذشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں حضرت عثمان غنی کے مسجد نبوی کو خوبصورت کرنے کے بعد بھی تزئین وزخرفہ مساجد کو سنت نہیں بلکہ بدعت مکروہہ ہی قرار دے رہے ہیں۔ اور چونکہ ان کے کلام و بِدْعَۃ مکروھۃ میں لفظ کراہت مطلق واقع ہوا ہے تو دیوبندی قانون سے یہی لفظ مکروہہ جب مطلق واقع ہو تو اس سے مراد مکروہ تحریمی ہی ہوتا ہے۔ ان کے پیشوا مفتی کفایت اللہ دہلوی صاحب لکھتے ہیں۔

اور کراہت مطلقہ سے اکثر طور پر تحریمی ہی مراد ہوتی ہے (رسالہ "دلیل الخیرات" مطبوعہ دہلی 1336ھ ص 18) تو بدعت مکروہہ کزخرفۃالمساجد (بوادر النوادر تھانوی ص 77) سے مراد مسجدوں کی خوبصورتی کی کراہت تحریمی ہے۔

اب دیکھئے کہ ان کے مطابق یہ حرام کام۔ فتویٰ بدعت میں جلد باز و سریع الفتویٰ یہ دیوبندی اور غیر مقلد وہابی علما کس ولولے اور محویت سے کر رہے ہیں۔ جگہ جگہ انہوں نے فلک بوس اور رنگین پتھروں و سیمنٹ کی میناکاری، رنگین پھول بوٹوں اور چمکیلی پالشوں سے جگ مگ مساجد بنا رکھی ہیں۔ جن کی چھتیں 18 فٹ سے بھی زیادہ مُشرَف و بلند اور مینار تو 100 فٹ سے بھی بڑھ کر فلک بوس دعوت نظارہ دے رہے ہیں جبکہ احادیث مذکورہ کی رُو سے اونچی مسجد میں نماز پڑھنا ہی منع اور کوئی بھی رنگ یا چمک و سفیدی کرنا مکروہ تحریمہ ہے۔ خود چشتیاں میں انہوں نے ان کے ہی تھانوی صاحب کے فتویٰ پر مکروہ تحریمی ڈیکوریشن سنگ مرمر جس کا مسجد کی مضبوطی سے قطعاً کوئی تعلق نہیں صرف زُخرفہ وتزیین کی گئی ہے۔ تقریبا 10 لاکھ روپیہ لگایا گیا ہے۔ صلوٰۃ وسلام قبل اذان ودعا بعد نماز جنازہ کو بدعت بدعت کہہ کر ملک کو مچھلی گھر بنانے والے حضرات ذرا غور کریں کہ صلوٰۃ و سلام اور دعا بعد نماز جنازہ کے متعلق تو ممانعت کی حدیث موجود ہی نہیں۔ زخرفہ مسجد و تزئین وتشیید مساجد کی ممانعت میں تو صریح احادیث موجود ہیں جو آپ ابھی پڑھ چکے ہیں۔ لہٰذا یہ مولوی صاحبان بدعت کی توپ کا منہ اپنی طرف موڑ کر بھی دیکھیں کہ بدعت بدعت کی گولہ باری نے ان کا اپنا حشر کیا ہوتا ہے۔

تشیید و تجصیص مساجد کے جواز کے لئے دیوبندیوں کی حیرت انگیز دلیل آپ پڑھ چکے ہیں کہ مسجدوں کو رنگنا، یا کوئی بھی خوبصورتی دینا حدیث نبوی کی رُو سے اور فقہا احناف مع غیر مقلدین اور وہابی اسمبلی کے سپیکر مولوی اشرفعلی صاحب حکیم امت دیوبندیہ کے نزدیک بھی مکروہ ہے اور کرنا بھی سب کا معمول تو اس مشکل کے حل کے لئے احادیث و فقہ سے جب انہیں کوئی حیلہ ناجزہ دستیاب نہیں ہو سکا تو ایک عالم کے وقتی نظریہ ضرورت کی دلیل سے ان کے

شیخ الحدیث دیوبندیوں ترلہ مارتے ہیں

فاعلم ان الاحادیث قد کثرت فی کون تحصیص المساجد من امارات الساعة (الیٰ قوله) و قال ابن المنیر لَمَّا شَیَّدَ النَّاسُ بُیُوتَهُمْ وَزَخْرَفُهَا انه لا بَأسَ بان یُصْنَعَ کذلک بالمساجد صَوْناً لها عن الاستهانته فالاصل هو عدم التجصیص لکن الْاٰنَ یُنَاسِبُ التَّخْصِیْصَ لاختلاف العصر والزمان ولا یُعَدُّ ذٰلِکَ خلافاً للاحادیث (فیض الباری ج 2 ص 51) جان لے - کہ مسجدوں کو چونے گچ کرنے کے قیامت کی نشانیوں سے ہونے کے متعلق بہت سی احادیث آچکی ہیں - اور علامہ ابن منیر نے کہا ہے کہ جب لوگوں نے اپنے گھروں کو خوبصورت بنا لیا ہے تو مسجدوں کو بھی خوبصورت بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے تاکہ ان کی بے عزتی نہ ہو - تو اصل تو یہی ہے کہ مسجدوں کو خوبصورت بنانا منع ہے - مگر آج کل خوبصورت بنانا ہی مناسب ہے - کیونکہ زمانہ بدل چکا ہے - تو اب خوبصورت بنا لینا احادیث کی مخالفت شمار نہ ہوگی - (سبحان اللہ)

مذہب بدل رہا ہے ضرورت کے ساتھ ساتھ ماشاءاللہ - دیکھ لیا آپ نے اِن چنگے "حضرات" کا چنگا مذہب کہ صریح حدیث میں ممنوع کام کے جواز کے لئے نہ کتاب و سنت نہ فقہ سے کوئی دلیل - صرف مولانا منیر صاحب کی دلیل نظریہ ضرورت کافی - اب کہاں گیا وہ قانون کہ جو کام کتاب و سنت سے ثابت نہ ہو بدعت محرمہ ہی ہوتی ہے - اور دیکھ لی آپ نے خدمتِ حدیث اور مدرسہ دیوبند میں شریعۃ اور کنز و قدوری کی تدریس - پاک و ہند کی تقسیم میں ہندو لیڈر دشمن اسلام گاندھی کے ابن وفادار کانگرسی ٹولے کے متعلق اس وقت کے مسلم لیگ کے لیڈر ظفر علی خان ایڈیٹر "زمیندار" لاہور نے خوب کہا کہ!

مسلماں کا پھنا تہبند نہ کچھ بھی اس کے کام آیا
نچھاور ہو گئی شرعِ نبی زردار دھوتی پر
حسین احمد (صدر دیوبند) سے کہتے ہیں خزف ریزے مدینہ کے
کہ لٹو آپ بھی کیا ہوگئے سنگم کے موتی پر
جنہیں تھا ادعا کل تک مساجد کی حفاظت کا
کہاں ہے آج کنز ان کی کہاں ان کی قدوری ہے
اگر مندر سے نزدیکی ہے اور مسجد سے دوری ہے
تو اس کی لِم ہمارے ہادیوں کی لاشعوری ہے

(چمنستان ظفر علی ص 187 و ص 205)

انصاف باید ہم نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب ہے اور لا یعلم الغیب الا ھو میں حصر اضافی ہے اور جہاں آپ سے علم غیب کی نفی ہے وہاں ذاتی کی نفی ہے اور جہاں آپ کے لئے علم غیب ثابت ہے وہاں عطائی کا ثبوت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ناظر ہیں اور جہاں آپ کے حاضر ہونے کی نفی ہے وہاں ارادۃً و مجوبین کیلئے ظاہر نہ ہونا مراد ہے اور جہاں ثبوت ہے وہاں شہوداً و معجزتاً و ارادتاً و حقیقتہً وجوداً و بحیثیت عالم و ناظر حاضر ناظر ہونا مراد ہے۔ دیوبندیوں نے کہا کہ ہم بالکل کوئی تاویل نہیں مانتے مگر مسجدوں کو خوبصورت کرنے کے لئے ایک مولانا صاحب کے قول سے یہ منڈا منڈا۔ اب کہاں ہے بدعت بدعت کا شیطانی فتویٰ؟

بنا بریں عقل و دانش بباید گریست

وہ ہر کام جو سنت نہ ہو کیا بدعت ممنوعہ ہوتا ہے؟ منکرین حکم شرعی مستحب و مباح کا عوام الناس کو گمراہ کرنے کے لئے یہ رواں قلعہ جنگ ہے کہ جو کام سنت نہ ہو وہ بدعت ہوتا ہے اور مستحب کے نام پر ایسی دولتیاں چلتی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ اس کے متعلق مدرسہ دیوبند کے اسی کشمیری صاحب کا فیصلہ سن لیجئے۔

امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب باندھا ہے۔ الذکر بعد الصلاۃ یعنی نماز کے اذکار مسنونہ کیا ہیں۔ اس کی شرح میں یہ کشمیری صاحب لکھتے ہیں کہ اذکار دو قسم کے ہوتے ہیں۔ 1۔ اذکار بعد فراغت از نماز۔ 2۔ اذکار اوقات عامہ۔ سنت تو یہی ہے کہ اول الذکر اذکار نماز کے بعد پڑھے اور اذکار اوقات عامہ، اوقات عامہ میں پڑھے۔ اور یہ دونوں قسم کے اذکار جمع نہ کرے مگر کسی نے اگر ایسا کر ہی لیا تو گو اس نے سنت کی تو مخالفت کی مگر باوجود اس کے ایسا کام (خلاف سنت) کرنے سے منع نہ کیا جائے۔

ومن اراد الجمع فقد خَالف السُّنَّۃَ ومع ھذا لو فَعلہ اَحَدٌ لایُمْنَعُ منہ لما مَرَّ ان العبادات مما یتعسر النہی عنہا۔ (فیض الباری ج 2 ص 214) جو شخص دونوں قسم کے اذکار ایک وقت میں جمع کرنا چاہے تو یہ خلاف سنت تو ہے مگر اسے منع نہ کیا جائے کیونکہ ہم یہ مسئلہ ذکر کر آئے ہیں کہ نیک کاموں سے روکنا مشکل ہے۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ایمان سے بتائے کہ جو کام ثابت نہ ہو بدعت، جو کام سنت نہ ہو بدعت، کا باجا بجانے والے یہ علما اور پھر مستحب یا مباح کا نام لینے والے علما کے خلاف طبل جنگ کھڑکانے والے یہ مفتی فَقَدْ خَالفَ السُّنَّۃَ مان کر سنت کی مخالفت کے ساتھ کس طرح سیز فائر (جنگ بندی) کا اعلان کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان کے جدی استاذوں کے نزدیک بدعۃ ضلالۃ و گمراہی ہوتی ہی یہی ہے۔ ان کی پیر و مرشد جماعت غیرمقلدین وہابیہ کے مولوی صدیق حسن خان

بھوپالی صاف لکھ رہے ہیں:

وہر امر محدث و بدعت کہ مخالف سنت و سبب تغییر آں باشد باعث ضلالت و گمراہی است۔ (مسک الختام ج 2 ص 84) جو نیا کام و بدعت جس سے سنت کی مخالفت و تبدیلی ہو وہ حرام و گمراہی ہے۔

تعصب کی عینک اتار کر ہر شخص چشم دید نظارہ کرلے۔ اور دین و ایمان سے بتادے کہ دوسروں کو بدعتی کہہ کر خود (خَالَفَ السُّنَّۃَ) یعنی وہ آدمی سنت کا خلاف کررہا ہے پر (لَا یُمْنَعُ عَنْہُ) اسے اس سے منع نہ کیا جائے کہ مٹھائی بانٹنے والی یہ بہروپیا جماعت واقعی متبع سنت و خادم دین گروہ ہے یا شریعت کے نام پر ایک فراڈ ہے کہ ہر مستحب کو تو بدعت اور حرام بنا کر خود خالف السنۃ پر لا یمنع عنہ کہہ کر اپنا الو سیدھا کیا جارہا ہے۔

بدعت حسنہ اور غیر مقلد وہابی بدعت' بدعت کی بیوپاری گینگ کے ہر دو گروپ میں سے دیوبندی فرقہ کے مفتیان مذہب مولوی محمد انور شاہ صاحب کشمیری اور مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی کا فیصلہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ فرضی نماز ہو یا سنت و نفل ان کے بعد مروجہ اجتماعی دعا بالالتزام مع رَفْعِ اَیْدِیْ مانگنا غیر ثابت اور بدعت ہے۔ اب گروہ وہابیہ کے ہیڈ بدعتی کا فیصلہ بھی پڑھتے چلئے کہ بدعت تو ہے مگر بری بدعت نہیں بلکہ نیک بدعت ہے۔ چنانچہ مولوی صدیق حسن خان بھوپالی یوں درفشاں ہوتے ہیں۔

ایں دعا کہ ائمہ مساجد بعد از سلام مے کنند و مقتدیان آمین آمین مے گویند چنانچہ اَلْآن در دیار عرب و عجم متعارف است از عادت پیغمبر نہ بود (مسک الختام ج1 ص 483) یہ دعا جو سلام کے بعد ائمہ مساجد مانگتے ہیں اور مقتدی آمین' آمین کہتے ہیں جیسا کہ اس زمانہ میں عرب و عجم میں سارے مسلمان مانگتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں۔

پھر یہی بھوپالی صاحب "السفر السعادۃ" تصنیف صاحب قاموس اللغات علامہ مجدد الدین فیروز آبادی کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ:

دریں باب ہیچ حدیث ثابت نہ شدہ و بدعتی است مُسْتَحْسَنْ (مسک الختام ج 1 ص 483) یہ دعا کسی حدیث سے ثابت نہیں اور اچھی بدعت ہے۔

کفر ٹوٹا خدا خدا کرکے: "بدعت ہے اور نیک ہے" کے الفاظ کس منہ سے نکل رہے ہیں؟ اس جماعت کے سربراہ کے منہ سے نکل رہے ہیں جن کی علیحدہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے کی بنیاد ہی بدعت گری ہے۔

گزشتہ صفحات میں دیوبندی پیشواء مولوی انور شاہ کشمیری اور مولوی اشرفعلی تھانوی کے حوالوں سے اور وہابی غیر مقلد علماء شوکانی و صدیق حسن خان بھوپالی کی عبارات سے واضح طور ثابت ہوچکا

ہے کہ ہر بدعت بری نہیں ہوتی بلکہ کئی بدعتیں نیک اور کار ثواب بھی ہوتی ہیں - باقی رہا یہ فیصلہ کہ کون سی بدعت گمراہی اور کون سی بدعت حسنہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مختار کل نہ ماننے والے یہ وہابی و دیوبندی اس معاملہ میں مختار کل ہیں -جسے چاہیں بدعتی بنادیں اور جسے چاہیں تبع سنت قرار دیں-کوئی دنیا کی طاقت ان سے یہ پاور واپس لینے کی مجاز نہیں ہے

کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر ترک فرمودہ کام کو ترک کرنا مطلقاً سنت ہے؟

یہ ایک نیا جال ہے جسے بدعت کے شکاری دیوبندی مولوی عبدالرشید ارشد نے اپنے رسالہ " نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں " میں بڑے فریب دہ رنگ میں بھولے بھالے مسلمانوں کو پھنسانے کے لئے اس رسالہ کے صفحہ 43 تا صفحہ 46 پر استعمال کیا ہے - چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

ا- جس فعل کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود ہو اور کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو اور باوجود اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہ کیا ہو تو ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے دین کو بدلنا ہے - (رسالہ مذکورہ ص 43)

ب- اسی طرح اگر کسی جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام نہیں کیا تو وہاں اس کا نہ کرنا ہی سنت ہے - (ص 44)

ج- اور آپ کا کسی چیز کا ترک ایسے ہی سنت ہے جیسا کسی کام کا کرنا (ص 45)

یہ تینوں عبارتیں آپ نے پڑھ لیں - مطلب صاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جگہ کوئی کام نہیں کیا تو اس کا کرنا بدعت بلکہ مکمل دین کو بدلنا ہے - دین کے لفظ میں فرض و واجب بھی شامل ہیں تو ایسا کرنے والا اس دیوبندی فتوئی باز کے نزدیک مسلمان نہیں رہ سکتا - پہلے تو یہ کہہ کر کہ جو ثابت نہ ہو وہ بدعت 'جو سنت نہ ہو وہ بدعت-اپنے حریف مشائخ و اولیائے اہل سنت کو ہی بدعتی بنانے کی کارروائی شروع تھی اب یہ جدید میزائل فائر کر کے حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لے کر تا قیامت پوری امت محمدیہ پر قیامت برپا کی جارہی ہے - اس سلسلہ میں اس فتوئی باز مولوی صاحب نے قاضی ابراہیم کی " مجالس الابرار " اور ملا علی قاری کی " مرقاۃ " اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی " اشعۃ اللمعات " کی عبارات سے جو غلط مطلب گھڑ کر پوری امت محمدیہ کو کافر بنانے کی چال چلی ہے اس کا تو ہم ابھی پتہ کرتے ہیں - مگر پہلے اس فتوئی باز صاحب کے اس فتوئی کے مہلک و خطرناک نتائج دیکھ لیجئے کہ صحابہ کرام و تابعین و محدثین و تمام فقہائے امت کو دین بدلنے والے بنانے کے ساتھ ساتھ خود غیر مقلد وہابی اور دیوبندی بھی دین بدلنے والے بنتے ہیں اور چاہ کن را چاہ درپیش ہے -

ایک نیک کام و اہم کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ کام صحابہ کرام نے کیا

یہ کہنا کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اس کا کرنا دین کو بدلنا ہے۔ منہ چھوٹا اور بات بہت بڑی ہے۔ قرآن مجید دین کی اساس ہے اس کا مکمل کتابی صورت میں امت کے پاس ہونا اسباب ضرورت میں سے سب سے بڑا سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھا اور کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی اور باوجود اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق کے دور خلافت میں اس کی تحریک کس طرح ہوئی اور خلفائے راشدین کی اس مسئلہ میں گفتگو اور بالآخر فیصلہ ہو کر قرآن مجید کس طرح جمع ہوا؟ اس کی تفصیل مندرجہ ذیل حدیث میں ملاحظہ کریجیے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

عبید بن سباق سے روایت ہے کہ حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں کہ جنگ یمامہ میں کافی قراء صحابہ شہید ہوئے (تقریباً 700 قاری شہید ہوگئے تھے۔ فتح الباری) تو امیر المومنین صدیق اکبر نے مجھے بلوایا۔ میں آیا تو عمر بھی ان کے پاس بیٹھے تھے۔ امیر المؤمنین نے مجھے فرمایا کہ قرآن مجید کے قاری جنگوں میں شہید ہوتے جا رہے ہیں اور خطرہ ہے کہ اس طرح قرآن مجید کے اکثر حصے در پردہ ہو جائیں گے۔ عمر میرے پاس آئے ہیں ان کا مشورہ ہے کہ میں کسی آدمی کو مامور کروں کہ مختلف صحابہ کے سینوں میں جتنا جتنا قرآن مجید محفوظ ہے وہ اس سب کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کردے۔ میں نے عمر سے کہا کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اور ترک کیا آپ مجھ سے وہ کام کیسے کرانا چاہتے ہیں۔ تو عمر نے کہا ہے کہ اللہ کی قسم یہ نیک کام ہے اور عمر کے بار بار اصرار پر اللہ نے میرا سینہ کھول دیا کہ باوجودیکہ لم یفعلہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کو ترک فرمادیا ہو اگر وہ کام نیک ہو تو اس کا کرنا سنت کے خلاف نہیں اور وہ کام کر لینا چاہیے تو میری رائے اب عمر کے موافق ہوگئی ہے۔ حضرت زید کہتے ہیں۔ پھر مجھے حضرت ابوبکر نے کہا کہ تم نوجوان اور امین ہو اور کاتب وحی رہے ہو۔ تو تم صحابہ سے قرآن کی تلاش کر کے اسے ایک کتاب کی صورت میں جمع کردو۔ الخ (مشکوٰۃ ص 193)

خلفائے راشدین کی اس بحث و فیصلہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت ابوبکر کے لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر حضرت زید کے لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کے باوجود صدیق و فاروق کا متفقہ فیصلہ ہوا کہ ہر "ترک" سنت نبوی نہیں ورنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود سبب حفاظت قرآن مجید و عدم مانع کے جمع قرآن عمل ترک کر دیا تھا تو اگر کسی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کام کو نہ کرنا سنت ہوتا تو

صحابہ کرام اسے بدعت (بمطابق مولوی ارشد صاحب)دین کے بدلنے کا کام سمجھ کر قطعاً نہ کرتے اور یہ کتاب اللہ ہی اس صورت میں ہمارے پاس نہ پہنچتی۔

[جمعہ کی پہلی اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دلائی صحابہ نے شروع کرادی]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق و فاروق کے عہد میں جمعہ کی صرف خطبہ سے پہلی والی اذان ہی ہوتی تھی یہ دوسری اذان جو زوال کے وقت دے دی جاتی ہے نہ تھی۔ دیوبندیوں کے مولوی انور شاہ صاحب کشمیری کہتے ہیں:

فَاِذْ اَکْثَرُ النَّاسُ زَادَ عُثْمَانُ اَذَانًا آخَرَ عَلَی الزَّوْرَ اُخَارِجَ الْمَسْجِدِ الخ (فیض الباری ج 2 ص 335) جب لوگ زیادہ ہوگئے تو عثمان نے ایک اور اذان مسجد سے باہر زورا کی جگہ پر کہلانی اضافہ کردی (جو آج کل پہلی اذان جمعہ کہلاتی ہے)

کشمیری صاحب کے مطابق اس پہلی اذان کا سبب نمازیوں کی کثرت تھی۔ تو یہ کثرت صرف عثمان کے زمانہ میں ہی نہ تھی بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی یہ کثرت نمازیان موجود تھی۔ غزوہ تبوک رجب 9 ھ میں ہُوا۔ اس غزوہ میں بقول ابو زرعہ عبید اللہ الرازی آپ کے ساتھ 70 ہزار کا لشکر جرار موجزن تھا (زرقانی شرح مواہب ج 3 ص 72) اس عہد میں حُسن ازل پر جان نثار کرنے والے پروانوں کی اس کثرت سے مسجد نبوی کے نمازیوں کی کثرت کا خود اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور اس کی یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز کثرت سے درود و سلام پڑھنے کا ارشاد بھی فرمایا ہے اور اذان خطبہ کے بعد بوجہ استماع خطبہ درود شریف پڑھنا منع ہے۔ ہوسکتا ہے کہ پہلی اذان سنتیں اور درود شریف قبل اذان خطبہ تسلی سے پڑھ لینے کے لئے شروع کی گئی ہو۔ بہر حال "زورا" مدینہ طیبہ کے بازار میں مسجد سے متصل ایک اونچی جگہ تھی وہاں اس اذان کا افتتاح دونوں وجہ سے بھی ہوسکتا ہے (والثانی احلی عندی من العسل) 1ھ تا 10ھ مسجد فاطمہ و مقام حرہ و ثنیہ الوداع تک آبادی بھی ہوچکی تھی۔ اذان ثانی کے شروع کی کوئی بھی وجہ ہو۔ اس کا سبب زمانہ مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی موجود تھا مگر آپ نے اسے ترک کیا اور بقول بعضے فاروق اعظم یا عثمان غنی نے اسے جاری کیا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ترک یعنی ہر کام کا نہ کرنا سنت ہوتا اور اس سے دین بدلتا تو یہ دونوں خلیفہ راشد اسے بدعت محرمہ قبیحہ سمجھ کر ہرگز ہرگز شروع نہ کرتے اور پھر بمطابق صاحب ہدایہ و کشمیری صاحب جَرَیٰ بِہِ التَّوَارُثُ کہ یکے بعد دیگرے پوری امت اس پر عامل ہے۔ (فیض الباری ج 2 ص535) ساری امت دین کو بدلنے والی یہ بدعت وراثت میں ہضم نہ کرتی۔

نمازِ عیدین سے پہلے عیدگاہ میں نوافل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک فرمائے مگر بعدہٗ صحابہ نے پڑھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود سبب حریص علی العبادۃ ہونے اور باوجود کسی مانع امر کے نہ ہونے کے دونوں عیدوں کی نماز سے پہلے عید گاہ میں کبھی نفل نہیں پڑھے مگر بعدہٗ بعض صحابہ یہ نفل پڑھتے تھے۔ حضرت علی کے عہدِ خلافت میں ایک روایت کے مطابق رَاٰیٰ رَجُلاً آپ نے ایک صحابی کو دیکھا یُصَلِّیْ بِالْمُصَلّٰی عید گاہ میں نفل پڑھ رہا ہے (فیض الباری شرح بخاری محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی ج 4 ص 272) اور دوسری روایت کے مطابق بہت سے صحابہ کرام عیدگاہ میں نفل پڑھ رہے تھے تو لوگوں نے حضرت علی سے دریافت کیا یا امیر المومنین هولا قوم یصلون اے امیر المؤمنین! یہ لوگ عیدگاہ میں نفل پڑھ رہے ہیں (نیل الاوطار شوکانی ج 3 ص 301) تو حضرت علی نے فرمایا لم ار رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یصلیها میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی عیدگاہ میں نفل پڑھتے نہیں دیکھا مگر میں ان نفل پڑھنے والوں کو منع بھی نہیں کر سکتا کیونکہ اَخَافُ اَنْ اَدْخُلَ فِی قولہ تعالیٰ اَرَاَیْتَ الذی یَنْھٰی عبداً اذا صلیٰ (فیض الباری ج 4 ص272) اَتَرَوْنِیْ اَمْنَعُ قوماً یُصَلُّوْنَ الخ (نیل الاوطار ج 3ص 301) مجھے خوف ہے کہ نماز سے روکنے والوں سے نہ ہو جاؤں۔ میں لوگوں کو نماز سے روک کر آیت اراَیتَ الَّذِیْ یَنْھٰی کا مصداق نہیں بن سکتا۔ اس سے واضح ہے کہ حضرت علی کے نزدیک آپ کا ترک سنت نہ تھا۔ مولوی انور شاہ دیوبندی کے اس حوالہ کے ساتھ ہی غیر مقلدوں کے پیشوا شوکانی کا اس سے بھی زیادہ واضح فیصلہ سن لیجئے کہ ترک سنت نہیں۔ وہ کہتے ہیں:

ولا یلزم مِنْ تَرْکِہٖ لذلک لاشتغاله بما هو مشروع فی حقه من التاخر الی وقت الصلاۃ ان غیرہ لا یُشْرَعُ ذٰلِکَ لَه وَلا یُسْتَحَبُّ (نیل الاوطار ج ص 302) آپ کے حق میں کسی مشروع کام میں مشغولیت کی بنا پر آپ کے وقت نماز عید تک لیٹ ہو جانے اور نفل ترک کر دینے سے لازم نہیں آتا کہ یہ نفل دوسروں کے لئے بھی جائز و مستحب نہ ہوں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ شوکانی صاحب کے نزدیک بھی ترک سنت نہیں ہے۔

وہابیوں اور دیوبندیوں دونوں کے نزدیک بھی ہر ترک سنت نہیں وہابیوں کے پیشوا بدلیل خود ساختہ مشغولیت بامر مشروع ہی سہی یہ مان رہے ہیں کہ ہر ترک سنت نہیں۔ آپ نے اپنی آنکھوں سے "نیل الاوطار" میں پڑھ لیا۔ اب دیوبندیوں کے محمد انور شاہ کشمیری صاحب کی رائے بھی انہیں نوافل عیدگاہ کے متعلق دیکھ لیجئے۔ کشمیری صاحب ہر ترک نبوی کو سنت اور

وہاں کوئی نیکی کرنے والے کو بدعتی و دین کو بدلنے والے کہنے والے اپنے دیوبندیوں کے سر پر یوں تلوار چلاتے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ :

کو عبداللہ بن عباس اس موقع پر نوافل کو مکروہ کہتے تھے مگر حضرت علی منع نہیں کرتے تھے ۔

مولوی عبدالرشید صاحب ہدایہ کی عبارت ولا یتنفل فی المصلی قبل صلاۃ العید پر چھلانگیں لگانے کی بجائے اپنے کشمیری صاحب کے اس فیصلہ پر اب بیٹھکیں ماریں ۔ کشمیری صاحب کہتے ہیں :

واما عَلِیٌّ فَنَظَرُہٗ اَوْسَعُ مِنْہُ حضرت علی کی نظر حضرت ابن عباس سے وسیع ہے (فیض الباری ج 4 ص 273)

گنج شکر کی شکر بانٹو خسرو بھئے مرید

مولوی عبدالرشید صاحب کا کلام بے لگام آپ پڑھ چکے ہیں کہ جس جگہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہاں کرنا اللہ کے دین کو بدلنا ہے ۔ اب ان کے کشمیری صاحب کا فیصلہ بھی پڑھ لیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ترک نوافل کی جگہ نفل پڑھنے والوں کو حضرت علی کے نہ روکنے پر حضرت علی کو وسیع العلم قرار دیا جارہا ہے ۔ اب تو عبدالرشید صاحب کو اپنے سردار مولوی حسین احمد صاحب مدنی صدر مدرسہ دیوبند کا یہ وظیفہ پڑھ لینا چاہیے

کھول دے دل میں در علم حقیقۃ میرے اب　　ھادیٔ عالم علی مشکل کشا کے واسطے

(سلاسل طیبہ مولوی حسین احمد ص 22 طبع مطبع صدیقیہ ملتان)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے ابواب ربوٰ کا بیان ترک فرمایا

ائمہ اسلام نے اسے بیان کردیا

حضرت عمر فرماتے ہیں کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قُبِرَ ولم یفسرھا لنا (ابن ماجہ باب التغلیظ فی الربا ۔ ص 165 طبع کراچی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے اور اس کو ہمارے لئے کھول کر بیان نہ فرمایا ۔

نیز فرمایا الربا ثلاثۃ و سبعون بابا (ابن ماجہ صفحہ مذکورہ) سود کے 73 ابواب (دروازے) ہیں نورالانوار میں ہے کہ حضرت عمر فرماتے تھے خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم دنیا سے پردہ فرماگئے ولم یبین لنا ابواب الربا بیاناً شافیاً آپ دنیا سے ان ابواب کے واضح کئے بغیر تشریف لے گئے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سود و تفاضل کی حرمت چند چیزوں میں بیان فرمائی ۔

الحنطۃ بالحنطۃ والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح والذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ مثلاً بمثل یدا بید والفضل ربوا (نورالانوار ص 5) وَیُرْوٰی

کیلاً بکیل ووناً بوزن مکان قوله مثلاً بمثل (نورالانوار) گندم کا گندم سے یا جو کا جو سے کھجور کا کھجور سے نمک کا نمک سے سونے کا سونے سے چاندی کا چاندی سے تبادلہ کرنا ہو تو دست بدست اور برابر ہو اور وہ اگر زائد لیا دیا تو سود ہو گا۔

ان چھ چیزوں کے علاوہ اور بہت سی چیزوں میں بھی تفاضل و سود حرام ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو تمام چیزوں کا نام لے کر وضاحت فرمائی اور نہ ہی ان میں اجرائے حکم حرمت کی کوئی علت بیان فرمائی بلکہ ان دونوں کا بیان ترک فرمایا۔ مگر بعدہ ائمہ مجتہدین نے باقی اشیاء میں حرمت تفاضل کی علت متعین کر کے باقی اشیاء میں تفاضل کا فیصلہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم بیان کی وجہ سے علت حرمت تفاضل کے تعین میں ائمہ مجتہدین میں اختلاف بھی ہوا۔ امام ابو حنیفہ نے قدر و جنس' امام شافعی نے طعم و ثمنیۃ اور امام مالک نے اقتیات و ادخار کی علت مقرر کر کے ساری اشیاء میں بصورت اتحاد علت تفاضل حرام قرار دیا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی بھی معاملہ کو ترک کر دینا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کام کو کرنے کی طرح سنت ہوتا تو ائمہ مجتہدین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترک یعنی عدم بیان حکم حرمت تفاضل میں مداخلت ہی نہ کرتے۔

خود دیوبندی علماء کے نزدیک بھی ہر ترک سنت نہیں دیوبندی فرقہ کے سب سے بڑے محقق مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی اور مولوی محمد انور شاہ صاحب کشمیری ہیں۔ تھانوی صاحب کے نزدیک علم نحو پڑھنا پڑھانا ضروری کام ہے مگر سنت نہیں۔ بوادر النوادر سے ہم اس کی عبارت لکھ آئے ہیں۔ اور کشمیری صاحب کے نزدیک نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا سنت نہیں وہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ ان دونوں امورِ خیر کا سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھا اور کوئی امر مانع بھی نہ تھا تو اگر باوجود اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ترک کیا اور یہ کام نہیں کئے تو بعدہ یہ کام کرنے والی ساری امت نے بقول مولوی عبدالرشید صاحب دیوبندی حضور کے دین کو بدلا اور خود دیوبندی بھی اس جرم کے مرتکب ہوئے۔ تھانوی صاحب کا قول وَكُلُّ اِحْسَانٍ لَمْ يَكُنْ فِي الصَّدْرِ الْاَوَّلِ بوادر النوادر ص 777 پر پڑھ لیجئے۔ صاف ظاہر ہے کہ نیک کام صدر اول کے بعد پیدا شدہ بھی نیک کام ہی ہیں ورنہ انہیں اِحْسَان یعنی نیک کام کہنے کا کیا مطلب؟

اس قسم کی اور بھی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ اسی پر قلم کو روکتے ہوئے اب ہم دیوبندی علما سے چند سوال کرتے ہیں کہ تمہارے نزدیک اگر ترک بھی سنت ہے اور اس کا کرنا دین کو بدلنا ہے تو بتائیے؟

1۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو جمع نہیں کیا اور نہ ہی کرایا۔ خلفائے راشدین نے

جمع کرایا اور لم یفعله رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا کا اقرار کرکے اسے ھذا واللہ خیر خدا کی قسم یہ نیک کام ہے کہا اور پھر بھرپور طور پر اور اہتمام و التزام سے اسے مکمل کیا تو کیا انہوں نے دین کو بدلا؟ حضرت زید اور وہ سب صحابہ کرام جنہوں نے اپنے پاس قرآن مجید کے محفوظ حصے زید کو لکھوا کر ان سے تعاون کیا مع حضرت ابو خزیمہ انصاری جن سے زید کو سورہ توبہ کی آخری آیت لقد جاء کم رسول من انفسکم تا آخر سورہ دستیاب ہوئی (مشکوٰۃ ص 193) اس تبدیلی دین کے جرم میں برابر کے حصہ دار ہوئے یا نہ؟

2۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کی ایک اذان دلاتے تھے۔ باوجود کثرت نمازیاں و عدم امر مانع آپ نے دو اذانیں نہ دلائیں۔ آپ کے اس ترک کے باوجود عثمان غنی نے دوسری اذان شروع کرادی جو آج تک معمول بہ ہے۔ تو حضرت عثمان غنی، حضرت علی اور اس وقت موجود تمام صحابہ جو اس پر راضی ہوئے پھر تابعین، تبع تابعین، تمام ائمہ مجتہدین، تمام اولیا و علما بلکہ ساری امتِ محمدیہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کے ترک کو اپنا کر دین کو بدلنے کے جرم میں شریک کہلاتے ہوئی یا نہ؟

3۔ اسی طرح نماز عیدین سے پہلے عید گاہ میں نفل باوجود سبب شوق عبادت و عدم مانع آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کئے۔ بعدہ صحابہ کرام نے پڑھے اور حضرت علی سے اس بارے میں استفسار پر آپ نے کہا کہ میں انہیں اس سے روک کر ارائیت الذی ینھی عبداً اذا صلّی کا مصداق نہیں بن سکتا۔ یہ سب نفل پڑھنے والے صحابہ مع حضرت علی اور حضرت علی کے اس قول کو درست قرار دینے والے علما دین کو بدلنے والے ہیں یا نہیں؟

4۔ ان چھ چیزوں کے علاوہ باقی چیزوں میں حرمت زائد لین دین یعنی سود و ربوٰ کی علت قائم کرکے ائمہ مجتہدین بلکہ ساری امت کے اسلاف و اخلاف علما ترک نبوی میں مداخلت کرکے دین کو بدلنے کے مجرم ہوئے یا نہیں وغیرہ وغیرہ؟

جو صاحب ہمارے ان استفسارات کا جواب دینے کے لئے قلم اٹھائیں کوئی ہیر پھیر کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ورنہ یوم الحساب کسی بھی بدنیتی کے جواب کے لئے تیار رہنا ہوگا۔

علما و فقہا کے نزدیک سنت کی تعریف آپ پڑھ آئے ہیں کہ دیوبندیوں کے مولوی عبدالرشید ارشد صاحب نے اپنے رسالہ "نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں" طبع مکتبہ رشیدیہ لاہور میں مسلمانوں کو بدعتی و مشرک بنانے کے لئے ترکش خارجیت و نجدیت کے سارے تیر چلا کر بھی مایوسی و ناکامی پاکر یہ ایک نیا تیر تراشا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی جگہ ترک فعل بھی سنت ہے۔ تاکہ ارشد صاحب بدعتی بنانے کے بجٹ میں صرف خسارہ ہی نہ دیکھنے پائیں کسی طرح کچھ

نہ کچھ تو بارگاہ بحدیت میں سرخرو ہو سکیں۔ حالانکہ ان کا یہ پروگرام شیخ چلی کے خیالی پروگرام سے بھی زیادہ لایعنی ہے۔ آج تک اکابر محققین میں سے کسی نے بھی ترک کو سنت کی تعریف میں شامل نہیں کیا۔ علمائے اصول وائمہ لغت و فقہائے کرام نے سنت کی جو تعریف کی ہے وہ ملاحظہ کریں۔ علمائے اصول کہتے ہیں:

السنة تطلق علی قول الرسول و فعله وسکوته وعلی اقوال الصحابة و افعالهم (نورالانور ص 175) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل اور کسی کام کو دیکھ یا سن کر اس پر خاموشی فرمانے اور صحابہ کے اقوال و افعال کو سنت کہتے ہیں۔

اصول فقہ کی مستند و متداول کتاب نورالانوار جو ہر درس میں داخل نصاب ہے میں آپ نے سنت کی تعریف پڑھ لی۔ کیا اس میں ترک کا لفظ ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر ہر ترک بھی سنت ہوتی تو صاحب نورالانوار یوں لکھتے۔

قول الرسول و فعله وسکوته و ترکه قول و فعل و سکوت و ترک فعل رسول کو سنت کہتے ہیں۔

مگر کسی اصولی نے یہ اصطلاح استعمال نہیں کی کیونکہ ہر ترک سنت نہیں۔ مستحب کی تعریف میں "وَاِنْ لَمْ یَفْعَلْہ" کی تصریح کے باوجود اس کا کرنا بدعت سیئہ نہیں بلکہ باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عدم فعل کے مستحب کا کرنا کار ثواب ہے جیسا کہ ردالمحتار کے حوالہ سے وَتَرْکُہٗ خِلَافُ الْاَوْلٰی کی تصریح ابتدائے رسالہ میں گزر چکی ہے۔

فقہا نے سنت کی تعریف یہ کی ہے۔

ھی الطریقة المسلوکة فی الدین من غیر افتراض ولا وجوب ویستحق فاعلها الثواب وتارکها الملامة والعتاب (شرح نقایہ ملا علی قاری ج 1 ص 5 طبع مکتبہ اعزازیہ دیوبند) فرض و واجب کے علاوہ دین میں چلنے کے طریقے کو سنت کہتے ہیں اس کے کرنے والا ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور اس کا تارک ملامت اور عتاب کے لائق ہے۔

ابن ہمام صاحب فتح القدیر شرح ہدایہ میں کہتے ہیں کہ جس کام کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی چھوڑا مگر اکثر و بیشتر کیا وہ سنت ہے۔

ملا علی قاری صاحب کے علاوہ باقی فقہا نے بھی اسی سے ملتے جلتے الفاظ سے سنت کی یہی تعریف کی ہے۔ شرح نقایہ سے ہم نے یہ تعریف اس لئے نقل کی ہے کہ ہر ترک کو سنت قرار دینے والے اس مولوی عبدالرشید ارشد صاحب نے اپنے اس رسالہ مذکورہ میں بڑی عقیدت سے امام ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ لکھ کر اپنا پیشواء تسلیم کیا ہے (دیکھو رسالہ مذکورہ ص 46) اور گو غیر

مقلد و دیوبندی مولوی سوائے ابن عبدالوہاب نجدی و اسماعیل دہلوی و رشید احمد گنگوہی اور اشرفعلی تھانوی بدعت و شرک کے دھنی مولویوں کے کسی کو پیشوا تسلیم کرنے کے لئے تیار تو نہیں ہوتے مگر........

ملا علی قاری صاحب کی امامت کا حال بھی دیکھ لیتے ہیں۔

ملا علی قاری صاحب نے سنت کی تعریف میں الطریقۃ المسلوکۃ کہہ کر اس کے مقابل تارکھا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اسی طرح ابن ہمام کے الفاظ میں بھی ماواظب کے مقابلہ میں مع ترکھا احیانا ہے۔ ترک عمل و فعل کا ہوتا ہے ترک کا نہیں۔ اس سے بڑھ کر خود مولوی ارشد صاحب نے اپنے اس رسالہ کے صفحہ 43 پر کہا ہے جو عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہی سنت ہے" اور یہ بھی کہا کہ "جس فعل کا سبب آنحضرت کے زمانہ میں موجود ہو" الخ جس سے عیاں ہے کہ ترک عمل خود اس کے نزدیک سنت نہیں کیونکہ نہ کرنا عدم الفعل ہے فعل نہیں اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ خود اس کے نزدیک جس کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں موجود نہ ہو اس کا ترک بھی سنت نہیں ہے۔ اگر ہر ترک سنت ہوتا تو ملا علی قاری صاحب یوں لکھتے ویستحق فاعلھا و عاملھا و تارکھا اور ابن ہمام یوں لکھتے مع فعلھا و ترکھا احیانا الخ

ائمہ لغت نے سنت کی تعریف یہ کی ہے:

"آنچہ پیغمبر و صحابہ برآں عمل کردہ باشند و امرے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آنرا ہمیشہ کردہ باشند مگر در عمر خود یک دو بار بقصد ترک ہم کردہ باشند (غیاث اللغات ص 233)

یہاں بھی کردہ باشند ہے ترک کردہ باشند نہیں۔ اسی لئے آگے ترک ہم کردہ باشند ہے عمل ہم کردہ باشند نہیں (غور باید)

ہے کوئی ارشد کہ علمائے اصول و فقہا و اصحاب لغت کی تعریف سنت میں ماواظب علی ترکہ دکھائے مستحب اور سنت کے امتیاز کے لئے مع ترکھا احیانا احترازاً ہے تعریفاً نہیں۔ ہمیشہ ترک تو مواظبت کی ضد ہے۔ یہ اجتماع نقیضین دیوبندیوں کو ہی مبارک ہو۔

ہر ترک نبوی کو سنت کہنے والوں کی بد فہمی حضرات انبیا علیہم الصلوٰۃ والتسلیم و اولیائے علیہم الرحمۃ کے گستاخ علما وہابی ہوں یا خارجی یا دیوبندی بڑے ہوں یا چھوٹے عموماً ناقص العقل، کوتاہ نظر اور فتویٰ میں جلد باز ہوتے ہیں۔ یہ سب مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی کی سپاہ ہیں اور تھانوی صاحب ان اپنے جیالوں کی یوں عقلی نشاندہی کرتے ہیں:

خدا معلوم بد فہمی کی تعلیم کا کوئی خاص اسکول ہے (مدرسہ دیوبند) جہاں تعلیم پا کر آتے ہیں

یا سارے بدفہم میرے ہی حصہ میں آگئے ہیں (وہ بھی درست یہ بھی حقیقت) (افاضات الیومیہ ملفوظات تھانوی حصہ 4 ص 575 طبع تھانہ بھون)
غیر مقلد وہابی تحقیق سنت و بدعت و توحید و شرک میں صاحب کتاب التوحید (درحقیقت کتاب الاشراک) محمد بن عبدالوہاب نجدی کو حرف آخر مانتے ہیں۔ حالانکہ دیوبندیوں کے محقق مولوی محمد انور شاہ کشمیری صاحب کہتے ہیں کہ وہ ایک بے وقوف واحمق مولوی تھا۔
اما محمد بن عبدالوھاب النجدی فانه کان رجلاً بلیداً قلیل العلم فکان یتسارع الحکم بالکفر الخ (فیض الباری ج 1 ص 171) محمد بن عبدالوہاب نجدی احمق وکم علم آدمی تھا اور بدعت و شرک کے فتویٰ لگانے میں جلد بازی کرتا تھا۔
دیوبندی مولوی محمد اسماعیل دہلوی کی "تقویت الایمان" کو مبنی دین سمجھتے ہیں جس کے متعلق یہی کشمیری صاحب لکھتے ہیں۔
وکتابه تقوية الايمان فيه شِدَّةٌ الخ۔ (فیض الباری ج 1 ص 170) مولوی محمد اسماعیل کی "تقویت الایمان" شدید ہے۔
ایسے بلید و شدّاد اماموں کے مقتدی بھی بے عقل ہی ہوتے ہیں۔ مولوی عبدالرشید نے قاضی ابراہیم کی "مجالس الابرار" اور ملا علی قاری کی "مرقاۃ" میں کہیں ترک کا لفظ دیکھا تو مست ہوگئے کہ لو اب تو لوگوں کو بدعتی بنانے کی آٹومیٹک مشین دستیاب ہے۔ ارشد صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بھڑ گئے کہ ہر ترک سنت ہے۔ قاضی ابراہیم جیسے حنفی قاضیوں کی حنفیت کے بحرِ بے کراں میں کچھ کمی نہیں جو کہ عوام اہل سنت کو قربانی کا بکرا بنا کر ان کی قربانیوں کی کھالیں کھا کر چوگہ اپنے لشکر نجدیت کے بچوں کو دیتے ہیں کہ بچّو! کھاؤ پھلو پھولو اور جس طرح بھی ہوسکے بریلویوں کو پچھاڑو۔ قاضی ابراہیم کی "مجالس الابرار" دین اسلام کا دستور نہیں کہ قاضی صاحب کو اس قضائے مبرم کا تولہ دے دیا جائے۔ ایسے کئی قاضی اپنی قضا سے آئے اور قضا سے گزر گئے۔ یہ قاضی ابراہیم ایسے ہی حنفی ہیں جیسے مولوی محمد اسماعیل دہلوی یا دیوبندی حنفی۔ نیم دروں، نیم بروں۔ صاحب رسالہ ارشد صاحب نے اس کی "مجالس الابرار" سے یہ عبارت نقل کی ہے۔
اس کی تعریف سنت میں وجود مقتضی و عدم مانع کی قید اور ملا علی قاری کی مخالفت سنت میں مواظبۃ کا گورکھ دھندا بھی دیکھئے۔ قاضی ابراہیم صاحب لکھتے ہیں:
ترکه علیه الصلاة والسلام مع وجود المقتضی و عدم المانع سنة ایضاً مثل الاذان فی الجمعة لا فی العیدین کلاهما سنة (رسالہ مذکورہ ص 45 بحوالہ "مجالس الابرار ص 135) باوجود امر مقتضی اور عدم مانع کے حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کسی کام کو

نہ کریں تو اس کام نہ کرنا ہی سنت ہو گا جیسے کہ جمعہ میں اذان کہنا سنت مگر عیدین میں اذان نہ کہنا سنت ہے۔

مجھے معلوم ہوتا ہے کہ نجدیت کے گھن نے اس قاضی صاحب کی عقل بھی شاید برباد کردی تھی کہ باوجود تقاضائے سبب و عدم مانع کی دلیل ترک اذان نماز عیدین سے دے رہے ہیں۔ حالانکہ نماز عیدین کے لئے اذان کا امر مقتضی ہے ہی کہاں؟ اذان ہوتی ہے نمازیوں کو مطلع کرنے کے لئے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ نماز عیدین و نماز جنازہ وغیرہ کے لئے تو ہر آدمی خود اطلاع بنا ہوا ہوتا ہے۔ توپیں، گولے اور لاؤڈ سپیکروں پر اعلان وغیرہ سے لوگ خود بخود کھچے چلے آتے ہیں۔ اذان کی ضرورت ہی کیا؟ لہذا قاضی صاحب کی مثال ہی غلط تو ممثل لہ بھی غلط۔ مزید برآں عدم مانع کی قید بتا رہی ہے کہ اس کے نزدیک بھی ہر ترک سنت نہیں۔ اگر مانع کی وجہ سے ترک ہوا تو ترک سنت نہیں ہو گا۔ قاضی صاحب حنفی ہوں گے مگر ہم حضرت امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں قاضی صاحب کے نہیں۔ صحیح بات دلیل سے مانیں گے ورنہ قاضی صاحب یہ قضا اپنے پاس رکھیں۔ باقی رہے ملا علی قاری صاحب تو یہ حنفی عالم ضرور ہیں مگر محقق نہیں۔ مسائل میں بہت غلطیاں کرتے ہیں۔ دیوبندیوں کے حرف آخر محدث و محقق الشیخ الانور محمد انور شاہ صاحب کشمیری اس ملا علی قاری صاحب کی علمی سطحیت و تحقیقی غلطیوں کا رونا یوں روتے ہیں:

وکنت ارجو ان تکون حاشیۃً لطیفۃً لکونہ قاریا فلما رائیتھا وجدتھا سطحیۃً اما فی باب الاحادیث فقد رائیتہ یرکب الاغلاط کثیرًا (فیض الباری ج 2 ص 21) تفسیر جلالین پر ملا علی قاری کا حاشیہ ہے میرا خیال تھا کہ چونکہ ملا علی صاحب قاری ہیں انہوں نے حاشیہ اچھا لکھا ہو گا مگر میں نے جب اس کا حاشیہ دیکھا تو اسے سطحی اور کمزور پایا۔ باقی احادیث کے مسائل میں تو وہ بہت غلطیاں کرتا ہے۔

ترک کو مطلقاً سنت قرار دینے کے مبہم قول پر ملا علی قاری کو امام ملا علی قاری کہہ کر سنی علما کو اس کی امامت و قرات سے مرعوب کرنے والے دیوبندی مولوی عبدالرشید صاحب ارشد نے اپنے ہی امام کی "فیض الباری" میں اپنے ہی امام ملا علی قاری کی امامت کا تختہ نکلتے دیکھ لیا۔ اور اگر کچھ کسر باقی ہے تو اور سن لیجئے۔

"فقہ اکبر" ایک مشہور کتاب ہے اور اس میں کچھ مسائل غلط بھی ہیں۔ ملا علی قاری صاحب نے اس کو حضرت امام اعظم کی تصنیف قرار دے کر اس کی شرح لکھ ڈالی۔ ملا علی قاری اسے امام صاحب کی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال الامام الاعظم والھُمام الافخم الاقدم قلو الانام ابو حنیفۃ الکوفی فی کتابہ

المسمی بالفقہ الاکبر الخ (شرح فقہ اکبر ملا علی قاری 9) بہت بڑے امام اور عظیم و مقدم پیشوائے علماء و انام ابو حنیفہ کوفی نے اپنی کتاب مسمی بہ فقہ اکبر میں کہا۔

لا حول ولا قوہ الا باللہ۔ دیکھ لیا آپ نے اس قاری صاحب کا علم وفضل ؟ کہہ رہے ہیں کہ فقہ اکبر امام ابو حنیفہ کی تصنیف ہے۔ حالانکہ یہ کتاب آپ کے کسی شاگرد ابو مطیع بلخی کی تصنیف اور امام صاحب کی طرف غلط منسوب ہے۔ خود دیوبندی فرقہ کے سب سے بڑے محدث و پیشوا محمد انور شاہ صاحب کشمیری لکھتے ہیں۔

و اما ما نسب الیہ فی الفقہ الاکبر فالمحدثون علی انہ لیس من تصنیفہ[1] بل من تصنیف تلمیذہ ابی مطیع البلخی وقد تکلم فیہ الذہبی و قال انہ جھمی اقول لیس کما قال ولکنہ لیس بحجۃ فی باب الحدیث لکونہ غیر ناقد (فیض الباری ج 1 ص 59) ایمان میں زیادتی و کمی کی مطلقاً نفی جو امام اعظم کی طرف فقہ اکبر کتاب میں منسوب کی گئی یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ محدثین کا متفقہ فیصلہ یہی ہے کہ یہ فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف ہی نہیں۔ بلکہ آپ کے شاگرد ابو مطیع بلخی کی تصنیف ہے۔ ذہبی نے کہا ہے کہ یہ جہمی فرقہ کے عقیدہ کا آدمی تھا۔ میرے خیال میں تو حنفی ہی ہے مگر حدیث کے بارے میں حجت نہیں کیونکہ ناقد نہیں (بلکہ سطحی آدمی ہے)

اب بتائیے کہ جس قاری صاحب کو ایک کتاب کے مصنف کا ہی پتہ نہیں اس کے قول ترک سنت کی بنیاد پر علمائے اسلام کے سارے اصول و ضوابط بلکہ خود دیوبندیوں کا یہ فیصلہ کہ:

قال مولانا عبدالحی رحمہ اللہ ان عدمَ ثبوتِ صلاۃٍ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمصلی لایدل علی کراھۃ الصلاۃ (فیض الباری ج 2 ص 360) مولانا عبدالحی نے کہا ہے کہ عیدگاہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نفل پڑھنے کے عدم ثبوت کے باوجود وہاں نفل پڑھنا مکروہ نہیں۔

پھر اس کے باوجود ملا علی قاری کی غلط رائے کی بنیاد پر ہر ترک کو سنت قرار دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔ یہی ملا علی قاری صاحب ہیں جنہوں نے اسی " فقہ اکبر " جس کے متعلق دیوبندیوں کے کشمیری صاحب لکھتے ہیں کہ:

وقد رائیت عِدۃ نسخ للفقہِ الاکبرِ فوجدتہا کلّہا متغایرۃً (فیض الباری ج 1 ص 59) میں نے فقہ اکبر کے کئی نسخے دیکھے ہیں سب ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔

ایسی بے سروپا و غلط مسائل پر مشتمل کتاب کو امام اعظم کی طرف منسوب کر کے امام اعظم کو

---

(1) کذا فی مفتاح السعادۃ للعلامۃ طاش کبری زادہ 12 -

بدنام کرنے کے مجرم ان ملا علی قاری صاحب نے ایک اور سب سے خطرناک غلطی بھی کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس "فقہ اکبر" میں ابو مطیع بلخی کا یہ قول ہے جو کہ سراسر ہول بلکہ بدتر از .... ہے۔ خود پڑھ لیجئے۔

ووالدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماتا علی الکفر (شرح فقہ اکبر ص 129)

(معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کافر مرے تھے۔(۱)

کی اس شرح بے طرح شرح فقہ اکبر میں یہی قاری صاحب بڑے ولولے سے لکھتے ہیں۔

وقد افردت لھذہ المسئلۃ رسالۃ مستقلۃ و دفعت ماذکرہ السیوطی فی رسائلہ الثلثۃ الخ (شرح فقہ اکبر ص 130) میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے کفر پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور سیوطی کے ان رسائل کا رد کیا ہے۔ جن میں اس نے ان کو جنتی قرار دیا ہے۔

واضح رہے کہ امام جلال الدین سیوطی نے اپنے رسائل میں جو محرر سطور کے پاس ہیں دلائل قاہرہ و باسند معتمد روایات سے ثابت کیا ہے کہ والدین مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم جنتی ہیں۔

نیز میرے والد کریم (بحر العلوم العقلیۃ و النقلیۃ عمدۃ الکاملین زبدۃ العارفین صاحب مقام ولایت حضوری بارگاہ رسالت حضرت الفقیہ مولانا جان محمد الملقب فی الرؤیا الصالحۃ بالمدینۃ المنورۃ من الحضرۃ النبویۃ بالادیب الھندی متولد بمقام موضع کبوتری تحصیل منچن آباد ضلع بہاول نگر 1314ھ مطابق 1896ء متوفی 4 جمادی الاول 1401ھ مطابق 11 مارچ 1981ء بروز بدھ، مدفون بستی محمود پور لالیکا موضع کبوتری از اولاد شجاع مشہور عبداللہ (وَلاّ) بھٹی معاصر شہنشاہ دہلی جلال الدین اکبر) نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کی نجات کے مسئلہ پر مدلل کتاب لکھی ہے "القول المنقول فی نجات ابوی الرسول" جو کہ محرر سطور کے پاس قلمی محفوظ ہے۔ جو کہ انشاء اللہ طبع ہوگی

حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ نے ان ابحاث پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ:

1۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین بعثت رسول سے پہلے زمانۂ فترۃ میں وفات پا گئے۔ انہوں نے کبھی شرک نہ کیا تاکہ جہنمی قرار پاتے۔

2۔ انہیں دعوت اسلام نہیں پہنچی اور حسن و قبح اشیاء میں امام ابو الحسن اشعری کا مذہب ہی مضبوط ہے کہ شرعی ہے عقلی نہیں۔

---

(۱) مولانا برخوردار ملتانی نے حاشیہ نبراس شرح شرح عقائد میں القول المستحسن کے حوالہ سے ملا علی قاری کا اس سے توبہ کرنا بھی لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔ منہ

دیوبندیوں کے محمد انور شاہ صاحب کشمیری نے باعتبار موضوع فن کلام اشعری صاحب کا مذہب ہی اصوب قرار دیا ہے۔

فالاصوب باعتبار موضوع الفن نظر الاشعری۔ فن علم کلام کے مطابق امام اشعری کی نظر ہی زیادہ درست ہے۔ (فیض الباری ج 4 ص 385)

تو جب اشیاء کا حسن و قبح شرعی ہونا اصوب ہے اور انہیں اقرار بکلمۃ التوحید کی دعوت پہنچی ہی نہیں کیوں کہ زمانہ فترۃ تھا تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا (ہم رسول بھیجے بغیر کسی کو عذاب نہیں دیتے) کے مطابق والدین کریمین نجات یافتہ ہیں۔ کافر یا دوزخی نہیں ہوسکتے۔

یہ تو تھی ملا علی قاری صاحب کی غلطی در غلطی کی سرسری نشاندہی۔ اب اسی ہر ترک نبوی کے سنت ہونے والی قاری صاحب کی عبارت مندرجہ رسالہ "نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں" کا حال بھی دیکھ لیجئے۔ قاری صاحب کہتے ہیں:

المتابعة کما تکون فی الفعل یکون فی الترک ایضاً فمن واظب علی فعل لم یفعله الشارع فهو مبتدع (مرقاۃ ج 1 ص 41) اتباع (سنت) جیسا کرنے میں ہوتا ہے ایسا ہی نہ کرنے میں بھی ہوتا ہے سو جس شخص نے کسی ایسے کام کو لازمی کیا جو شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ بدعتی ہے (رسالہ "نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں" ص 44)

ارشد صاحب نے قاری صاحب کے لفظ واظب کا ترجمہ "لازمی کیا" کیا ہے جو آپ کے سامنے ہے۔ جس کا مطلب واضح ہے کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کیا (نہیں کیا) اس کا نہ کرنا ہی سنت ہے اور کرنا بدعت ہے۔ مگر کبھی کبھی کرلینا بدعت نہیں۔ لازمی کرلینا بدعت ہے۔ دیکھ لیا یہ گورکھ دھندا کہ کبھی کبھی تو سنت کی مخالفت حلال ہے بدعت نہیں البتہ ہمیشہ سنت کی مخالفت بدعت ہوگی۔ ناظرین دیکھ لیں ملا علی قاری صاحب اور اس کے مقتدی دیوبندی ارشد صاحب کی محبت سنت۔ قاضی ابراہیم نے ترک کے سنت ہونے میں وجود امر مقتضی و عدم مانع کی قید لگائی ہے۔ اس کی چار صورتیں ہوتی ہیں۔

1۔ ترک مع وجود مقتضی و عدم مانع 2۔ ترک مع وجود مقتضی و وجود مانع 3۔ ترک مع عدم مقتضی و عدم مانع 4۔ ترک مع عدم مقتضی و وجود مانع۔

قاضی محمد ابراہیم کا کوئی مفتی لہ جو ان سب کے احکام کی عقل و شرع سے قضا کردیں تو ہم مشکور ہوں گے اور ملا علی قاری کی شرط مواظبت کا قضیہ اور والدین کریمین کے متعلق غلط فیصلہ تو دیوبندی اکابر کے بھی خلاف ہے۔ ان کے شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی

صاحب اپنی کتاب "فتح الملہم" شرح مسلم میں کہتے ہیں:
فالظن من کرم الله تعالیٰ ان یکون ابواہ صلی الله علیه وسلم من احد هذین القسمین (الیٰ قوله) وبالجملة کما قال بعض المحققین انه لا ینبغی ذکر هذه المسئله الا مع مزید الادب الخ (فتح الملہم ج 1 ص 265)
میرا اللہ تعالیٰ کے کرم سے یہی ظن ہے کہ والدین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دو قسموں سے ہیں 1۔ جن لوگوں نے (بوجہ عدم بعثت رسول) کلمہ تو نہیں پڑھا مگر شرک بھی کبھی نہ کیا (یہ قسم بھی نجات یافتہ ہے) اور یا 2۔ان لوگوں سے ہیں جو باوجود بعثت رسول و دعوت ایمان نہ پانے کے اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے تھے۔ جیسے قس بن ساعدہ وغیرہ (یہ قسم بھی نجات یافتہ ہے) بہر حال بعض محققین کے قول کے مطابق اس مسئلہ میں زیادہ سے زیادہ ادب کرنا چاہئے۔ الخ
مالکی ائمہ میں سے قاضی ابو بکر مالکی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کریم رضی اللہ عنہ کو دوزخی کہنے والے شخص کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے حکم دیا کہ ایسا شخص لعنتی ہے۔
لقوله تعالیٰ ان الذین یوءذون الله و رسوله لعنهم الله فی الدنیا و الاخر (زرقانی شرح مواہب لدنیہ ج 1 ص 186) یعنی ایسے شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دی اور فرمان الٰہی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دیتے ہیں وہ لعنتی (کافر) ہیں۔
خلیفہ صالح حضرت عمر بن عبد العزیز متوفی 101 ھ کے سامنے کسی عامل حکومت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کریم کو مشرک کہہ دیا تو آپ نے ایک لمبی آہ بھری اور سکتے میں آگئے۔ جب سر اٹھایا تو فرمایا
اَقْطَعُ لِسانه اَقْطَعُ یده ورجله اَضْرِبُ عنقه ثم قال لا قل لی شیاً مابقیتَ و عزله عن الدیوان (زرقانی مذکور ج 1 ص 186 طبع مصر) یعنی میرا دل چاہتا ہے کہ اس کی زبان کاٹ دوں اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں اور اس کی گردن اڑا دوں۔ پھر فرمایا کہ اب مجھ سے کبھی بھی ہم کلام نہ ہونا اور اسے حکومت سے معزول کر دیا۔
ملا علی قاری صاحب کو امام جلال الدین کا والدین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنتی قرار دینے کا کرب والم اور شبیر احمد عثمانی کی اس معاملہ میں تاکید ادب۔ اب بھی اگر تمام مسائل میں ملا علی قاری کی امامت دیوبندیوں کی مجبوری ہے تو کسی کی مجبوری بدعت گرجی میں مداخلت کا ہمیں کوئی

حق حاصل نہیں البتہ اب ہم اسی ترک کے سنت ہونے کے سلسلہ میں اسی مولوی عبدالرشید صاحب نے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی "اشعۃ اللمعات" شرح مشکوٰۃ سے جو عبارت پیش کی ہے اسے دیکھتے ہیں - کہ عبارت کا مطلب کیا ہے اور مولوی صاحب مذکور نے اس سے غلط مطلب نکالنے کے لئے اس کے ترجمہ میں کیا ڈنڈی ماری ہے - شیخ صاحب لکھتے ہیں :

اتباع وحی باید کرد کہ بسا امرے محمود کہ درحدے ذات فضیلت دارد اما در خصوص مقامے وارد نہ شدہ و درست نیامدہ فالزیاد فی مثلہ نقصان فی الحقیقۃ کما یزداد فی الاذان محمد رسول اللہ بعد التہلیل (رسالہ مذکورہ ص 46 بحوالہ اشعۃ اللمعات) کہ وحی کی اتباع کرنی چاہئے کیونکہ بہت سے امور فی نفسہ محمود ہوتے ہیں اور فضیلت رکھتے ہیں مگر چونکہ اس مقام میں ان کا ثبوت نہیں ہوتا وہ درست نہیں ہوتے - پس زیادتی ایسی چیز میں حقیقت میں نقصان ہے - جیسے اذان کے آخر میں لا الہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ کہنا موجب نقصان ہے (ترجمہ در رسالہ مذکورہ ص 46)

مترجم مذکور نے شیخ صاحب کے الفاظ "ودرست نیامدہ" کا ترجمہ "وہ درست نہیں ہوتے" بنا کر اپنے بڑے بڑے استاد ٹھگوں کو بھی مات کر دیا ہے - "و درست نیامدہ" سے و کو شیر مادر سمجھ کر ڈکار گئے - پھر نیامدہ جس کا معنی ہے نہیں آیا واحد سے جمع کر کے "نہیں آیا" کو "نہیں ہوتے" کیا اور اس عادت ثانیہ سے ہاتھ دکھا کر اپنی دھوکہ منڈی کی کمیشن ایجنٹی سے اصل مال ہی غبن کر گئے - اور کرتے بھی کیوں نہ ؟ آخر اپنے اکابر کی گستاخانہ تعلیمات اور تبلیغی چلوں میں حضرات اہل اللہ پر بدعتی ہونے کے فتووں کی دھتکار اور پھر حضرت شیخ کی عبارۃ کا ترجمہ و مفہوم بگاڑنے پر شیخ کی روح مقدس کی بے قراری کی مار پڑنا تھی کہ بروقت چھاپہ پڑنے پر عین موقع واردات پر دھر لئے گئے - حضرت شیخ نے "وارد نہ شدہ" کے بعد واو عاطفہ لا کر "ودرست نیامدہ" لکھا کہ عدم ورود وحی کے علاوہ جو کام درست نہ آیا ہو وہ بدعت سیئہ ہوتا ہے اور اگر اس کی درستگی ورود وحی کے علاوہ بواسطہ الادلۃ الشرعیہ ترغیب خصوصی یا عمومی قیاس، استحسان وغیرہ سے متحقق ہو تو وہ بدعت سیئہ نہیں بلکہ مستحب یا بدعت حسنہ ہوگا - خود شیخ صاحب لکھتے ہیں :

آنچہ موافق اصول و قواعد سنت روا است و قیاس کردہ شدہ است بر آں از بدعت حسنہ گویند (اشعۃ اللمعات ج 1 ص 125) جو کہ اصول و قواعد سنت کے موافق درست ہو اور اس پر قیاس سے ثابت ہو اسے بدعت حسنہ کہتے ہیں -

ایسا ہی خود دیوبندی پیشوا تھانوی صاحب بھی لکھ رہے ہیں :

و ھذا التلقی عام کان بلاواسطۃ او بواسطۃ الادلۃ الشرعیۃ کما ھو معلوم من

القواعد الخ (بوادر النوادر ص 778)
اسی طرح و کل احسان لم یکن فی الصدر الاول کے بدعت مندوبہ ہونے کا تھانوی اقرار اس کی بوادر النوادر کے صفحہ 777 سے پہلے گزر چکا ہے
اذان کے آخری کلمہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ صرف محمد رسول اللہ پڑھنے سے یہ کلمہ طیبہ کی صورت ہوتی ہے اور اذان کے آخری الفاظ میں کمی نمودار ہوتی ہے اس لئے شیخ منع فرمارہے ہیں ورنہ اذان کے آخری کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ کر پھر مکمل کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کا تو شیخ صاحب خود کہہ رہے ہیں - دیکھو اشعۃ اللمعات ج 1 ص 312 اور باوجود عدم ورود وحی دریں مقام خاص حضرت شیخ اس سے منع نہیں کر رہے ہیں - پھر خود حدیث شریف میں کلمہ اذان لا الہ الا اللہ کے بعد درود و دعائے وسیلہ ثابت ہے - حوالہ صحیح مسلم شریف سے گزر چکا ہے -
مولوی عبدالرشید صاحب ارشد کا شیخ صاحب کے اس قول سے غلط مطلب نکال کر دعا بعد نماز جنازہ کو بدعت سیئہ قرار دینا قطعا قیاس فاسد و کسب کاسد ہے - دعا بعد نماز جنازہ تو عموم ترغیب نبوی و سنت مستحبہ سے ثابت ہے - صریح احادیث نبویہ کے حوالے آگے بحث "دعا بعد نماز جنازہ" میں آرہے ہیں - شیخ صاحب کے کلام میں وارد نہ شدہ معطوف علیہ اور درست نیامدہ معطوف ہے - معطوف و معطوف علیہ کی مغایرت سب کو معلوم ہے - ارشد صاحب معطوف کا معطوف علیہ پر حمل کر کے درست نیامدہ کو قضیہ حملیہ کا محمول بنا رہے ہیں اور معطوف کو جو کہ محکوم ہونے میں معطوف علیہ کے مساوی ہوتا ہے حکم بنا کر دجل و فریب کی عادت پوری کی جارہی ہے - نہ شرم شیخ نہ خوف خدا - بہر حال اس کا علاج کسی کے پاس نہیں -
آپ صلوٰۃ و سلام قبل اذان کے موضوع پر محرر سطور کی ایک گفتگو بھی سن لیجئے جو ایک وہابی مولوی صاحب سے ریل گاڑی میں ہوئی وہ مولوی صاحب چونکہ مر کر مٹی میں مل چکے ہیں اس لئے ان کا نام بہر فرجام لینے کی ضرورت نہیں۔ گفتگو یہ ہوئی :

وہابی مولوی	آپ صلوٰۃ و سلام اذان سے پہلے کیوں پڑھتے ہیں؟ پہلے زمانہ میں نہیں پڑھا جاتا تھا
غلام مہر علی	یہ مستحب ہے - جو کام مستحب ہو وہ زمانہ کا محتاج نہیں ہوتا - جب کوئی کرے کار ثواب ہے -
وہابی مولوی	مستحب کیا ہوتا ہے - اور اس کے مستحب ہونے کی دلیل کیا ہے ؟
غلام مہر علی	جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود فرمائیں یا امر فرمائیں وہ سنت ہوتا ہے اور جو کام آپ خود نہ بھی فرمائیں مگر اس کام کی امت کو ترغیب فرمائیں اور فضیلت بیان فرمادیں تو وہ

کام مستحب ہوتا ہے۔ ترغیب و فضیلت کبھی خصوصی ہوتی ہے، کبھی عمومی۔ یہ صلوٰۃ وسلام قبل اذان آپ کی عمومی ترغیب سے مستحب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کا عام ترغیبی ارشاد یہ ہے

كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَا يُبْدَاءُ فِيْهِ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَالصَّلَاةِ عَلَيَّ فَهُوَ اَقْطَعُ مَمْحُوْقٌ مِنْ كُلِّ بَرَكَةٍ (جامع صغیر امام سیوطی ج 2 ص 92)

حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر اہم کام جس کی ابتدا میں حمدِ الٰہی اور مجھ پر صلوٰۃ نہ پڑھی گئی وہ کام ناقص اور ہر برکت سے محروم ہوگا۔ چونکہ اذان بھی بہت بڑا اہم و نیک کام ہے اس لئے اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی حمد اور صلوٰۃ و سلام پڑھنا برکت اور مستحب و محبوب ہے۔

وہابی مولوی | عام دلیل سے خاص دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں " ہر نیک کام " عام ہے۔ خاص اذان کا نام نہیں تاکہ اس سے پہلے بھی صلوٰۃ و سلام مستحب ثابت ہو۔

غلام مہر علی | اگر آپ نہیں مانتے تو اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام کا بدعت ہونا ثابت کیجئے۔

وہابی مولوی | حدیث میں ہے کل محدث بدعة و کل بدعة ضلالة ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

غلام مہر علی | آپ نے ابھی کہا ہے کہ عام دلیل سے خاص دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث میں بھی " ہر نیا کام " عام ہے۔ خاص صلوٰۃ و سلام کا نام نہیں تاکہ صلوہ و سلام بدعت ثابت ہو۔ اور تحقیقی جواب یہ کہ آپ نے جو حدیث کل محدث بدعة پڑھی ہے یہ دوسری حدیث و من ابتدع بدعة ضلالة میں بدعت کی صفت ضلالة سے، بری بدعت سے خاص ہو چکی ہے۔ لہٰذا نیک بدعت بری نہیں۔ مگر میری پیش کردہ حدیث کل امر ذی بال کسی دوسری حدیث سے خاص نہیں ہوئی۔ لہٰذا اذان بھی کل امر ذی بال کے عموم میں داخل ہونے کی وجہ سے اس سے پہلے صلوٰۃ و سلام پڑھنا ہمیشہ مستحب ہے۔

میری اتنی بات ہوئی تھی کہ وہابی صاحب جلدی سے لیٹرین میں گھس گئے اور اس وقت باہر نکلے جب گاڑی اگلے سٹیشن پر کھڑی ہوئی۔ جلدی سے اترے اور دوسرے ڈبے میں چلے گئے اور ان کا بدعت بدعت کا سارا خمار ٹھنڈا ہو گیا۔

مستحب کے احکام شریعت سے ہونے۔ اس کی تعریف۔ صلوٰۃ و سلام قبل اذان کے مستحب ہونے کے دلائل۔ وہابیوں و دیوبندیوں کے اس پر اعتراضات۔ بدعت اور اس کی اقسام۔ خود دیوبندیوں کی بدعات وغیرہا ضروری امور پر حسب ضرورت مختصر سی اس گفتگو کے بعد اب ہم دعا

بعد نماز جنازہ پر بھی حسب وعدہ کچھ گفتگو کرتے ہیں اور اس مسئلہ پر دیوبندیوں سے اپنے دو مناظروں کے نتائج کا منظر بھی آپ کو دکھاتے ہیں۔

وصل دوم دربیان استحباب دعا بعد نماز جنازہ

دعا بعد سلام نماز جنازہ سنت بھی ہے اور مستحب بھی۔ کیونکہ فقہا نے سنت و مستحب کی یہ تعریف کی ہے:

سنت راتبہ مؤکدہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل جو عبادات سے ہو اور آپ نے اسے ہمیشہ کیا صرف کبھی چھوڑا وہ سنت مؤکدہ و سنت راتبہ کہلاتا ہے۔

سنت زائدہ غیر مؤکدہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل جو عادات سے ہو اور آپ نے اسے ہمیشہ کیا صرف کبھی چھوڑا وہ سنت غیر مؤکدہ و سنت زائدہ کہلاتا ہے۔

سنت مستحبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل جو ہمیشہ نہ کیا یا صرف اس کی امت کو ترغیب فرمائی اور خود کبھی بھی نہ کیا یہ دونوں قسمیں مستحب بھی اور سنت بعد سنت زائدہ بھی کہلاتی ہیں۔ بوجہ فعل وقتاً و ترغیبی ارشاد سنت و بوجہ محض ترغیب مستحب کہا جاتا ہے۔

اس کے متعلق فقہا کی عبارات پڑھ لیجئے۔ ھی الطریقۃ المسلوکفی الدین وغیرہ الفاظ قدرے مختلف بھی ہیں۔ مختصراً یہ دیکھ لیجئے۔

والسنۃ ماواظب علیھا علیہ الصلاۃ و السلام مَعَ تَرْکِھا احیاناً (شرح نقایہ ملا علی قاری طبع دیوبند ص 5)

وھی نوعان سنۃ ھدی و یقال لھا السنۃ المؤکدۃ کالاذان و الاقامۃِ (الیٰ قولہ) وسنن الزوائد کالاذان المنفرد والسواک الخ (جامع الرموز ج 1 ص 13 طبع نو لکشور لکھنو)

والسنۃ الزوائد و ترکھا لا یوجب ذالک کسِیَرِ النبی علیہ الصلاۃ والسلام فی لباسہ و قیامہ و قعودہ (رد المحتار ج 1 ص 72)

و منہ مندوب ثیاب فاعلہ ولا یسیٔ تارکہ قیل وھو دون سنن الزوائد.
(رد المحتار ج 1 ص 72)

(و مستحبہ) وھو ما فعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ترکہ اخری وما اَحَبَّہ السلف (درمختار مع رد المحتار ج 1 ص 87)

وقد یطلق علیہ (ای المَنْدُوبِ و المستحب) اِسْمُ السُّنَّۃِ (رد المحتار ج 1 ص 87)

ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ مستحب کو سنت بھی کہہ دیتے ہیں اور یہ سنت سُنت

راتبہ و سنت زائد کے بعد تیسرے مرتبہ کی سنت بھی ہے۔ ہم ابتدا میں بھی سنت و مستحب کے بیان میں بحوالہ "التحریر" ابن ہمام لکھ آئے ہیں کہ سنت کی عام تعریف اور اس سنت مستحبہ کے درمیان اطلاقی تمیز کے لئے اسے مستحب کہنا ہی اوضح و انسب ہے۔ اس لئے ہم اسے مستحب ہی کہیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ کے سلام کے بعد دعا فرمائی بھی ہے اور نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کی خصوصی اور عمومی ترغیب بھی فرمائی ہے اس لئے یقیناً یہ مستحب ہے۔ اور کسی مستحب امر کو بدعت سیئہ یا حرام و گناہ کہنا سراسر جہالت و شقاوت ہے۔ ہم اس کے متعلق احادیث و روایات سے دلائل پیش کرتے ہیں مگر پہلے قرآن مجید کی آیات سے بحیثیت عموم ثبوت و اقوال مفسرین و اقتضائے اصول چند دلائل سن لیجئے:

دلائل از قرآن مجید

مسلمان جتنی بھی دعائیں مانگ رہے ہیں قرآن مجید میں دعا کی مطلق اور عام فضیلت کے تحت ہی مانگ رہے ہیں جو کل اوقات کو شامل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے کسی عام و کلی و مطلق ارشاد کو دنیا کا کوئی محدث یا فقیہ یا عالم خاص نہیں کر سکتا۔ اصول کی مستند کتاب "اصول الشاشی" میں صاف لکھا ہے کہ اَلْمُطْلَقُ یَجْرِیْ عَلٰی اِطْلَاقِهٖ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے عام ارشاد پر عمل بھی عام ہی رہے گا۔ اور کلی کا خارج میں وجود اپنے افراد میں ہی ظاہر ہوتا ہے۔ تو یہ کہنا کہ باقی سارے اوقات میں تو دعا مانگی جا سکتی ہے مگر نماز جنازہ کے بعد کا وقت اس سے مستثنیٰ ہے اور افراد اوقات میں سے یہ فرد خارج ہے۔ یہ عموم ارشاد ربانی کو خاص کرنا ہے جو کہ سراسر باطل و جہالت ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

دلیل نمبر 1 وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ (پارہ 2)

اے نبی آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو میں قریب ہوں۔ دعا کرنے والا جب بھی مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ تو چاہئے کہ میرا حکم مانیں اور ایمان لائیں تاکہ ہدایت پائیں۔

اس آیت کریمہ کے شان نزول میں ابن جریج عطا سے کہتے ہیں انه بلغه لما نزلت و قال ربکم ادعونی استجب لکم قال الناس لو نعلم ایّ ساعةٍ ندعوا فنزلت واذا سئلک عبادی عنی (الآیت) (تفسیر ابن کثیر ج 1 ص 218 طبع مصر) یعنی انہیں یہ روایت پہنچی ہے کہ جب ارشاد الٰہی ادعونی استجب لکم مجھ سے دعا کرو میں قبول

کرتا ہوں، اُترا تو صحابہ کرام کو شوق ہوا کہ کاش ہمیں پتہ چل جاتا کہ دعا کس وقت کرنی چاہئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں یہ ارشاد ہوا کہ میں ہر وقت قریب ہوں جس وقت بھی چاہو دعا مانگو کوئی جس وقت بھی کوئی دعا کرے میں دعا قبول کرتا ہوں۔ یعنی دعا کسی وقت بھی منع نہیں۔ عموم وقت مطلوب و مقبول ہے کیونکہ حرف اذا یہاں عموم وقت کے لئے ہے۔

مسئلہ دعا بعد نماز جنازہ کی بحث میں اسی حرف اذا کو عموم وقت کے لئے
نہ ماننے پر ایک دیوبندی مولوی کی کامیاب فضیحت

ایک دیوبندی مولوی سے گفتگو کے دوران میں نے دعا بعد نماز جنازہ کے جواز کے ثبوت میں مذکورہ آیت کریمہ میں واقع حرف اِذا کے عموم وقت کے لئے ہونے سے استدلال کرکے کہا کہ قرینہ شان نزول آیت اور اصول کے لحاظ سے تقاضائے عموم اِذا سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد کا وقت بھی اسی جواز میں شامل ہے۔ لہٰذا اس وقت بھی دعا مطلوب و مشروع ہے۔

دیوبندی مولوی آیت کا مطلب ہے کہ جب دعا کرو گے میں قبول کروں گا۔ یہ مطلب نہیں کہ جب چاہو دعا کرلو اور اذا کے متعلق میں آپ کی بات تسلیم نہیں کرتا کہ یہ یہاں عموم وقت کے لئے ہے وغیرہ وغیرہ۔

غلام مہر علی باوجود علم کے مسلک کو بچانے کے لئے بات کو الجھانا اور تمام اصول و ضوابط کو نظر انداز کردینا' یہ آپ کی عادت ہے۔ دعا پہلے اور اجابت بعد۔ دُعا مانگنا بندے کا کام ' قبول کرنا اللہ تعالیٰ کی مرضی۔ بندہ امید اجابت پر اپنے اختیار میں فعل باعث اجابت کا طریقہ ' وقت و کیفیت دریافت کرکے اس پر کار بند تو ہوسکتا ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اجابت کی تمام شرائط پر حاوی ہو یا اللہ تعالیٰ کو پابند شرائط کرسکے۔ نہ یہ بندہ کے اختیار میں ہے اور نہ اسے مکمل طور پر یہ معلوم ہوسکتی ہیں اور نہ ہی دریافت کی ضرورت۔ اسی لئے صحابہ کرام نے بھی اَیَّ سَاعَۃٍ نَدْعُوا دریافت کیا تھا کہ کس وقت دعا ہوسکتی ہے؟ یہ نہیں کہا کہ قبول کس وقت ہوتی ہے۔ جس پر ارشاد ہوا کہ دعا ہر وقت ہوسکتی ہے کسی وقت بھی ممنوع نہیں اور اَیَّ سَاعَۃٍ اس پر شاہد ہے۔ اصول کی مستند کتاب نورالانوار میں ہے کہ اذا کبھی شرط کے لئے آتا ہے کبھی وقت کے لئے اور اجیب دعوۃ الداع اذا دعان میں شرط و جزا نہیں لہٰذا یہاں وقت کے لئے متعین ہے۔ اور مولانا محمد عبدالحلیم محشی نورالانوار نے اذا کے وقت کے لئے ہونے کی صورت میں تصریح کی ہے۔

فَعُلِمَ اَنَّ اِذَا لِعُمُوْمِ وَقْتٍ۔ معلوم ہوگیا کہ اذا یہاں عموم وقت کے لئے ہے۔
(نورالانوار حاشیہ ص 140 طبع کراچی)

اور آیت کریمہ میں اذا سے مستفاد عموم وقت یعنی ہروقت دعا مانگنا درست ہے کی صریح تائید اس حدیث نبوی سے ہورہی ہے۔

حدیث کی رو سے ہروقت دعا مانگنا مشروع ہے کسی وقت بھی ممنوع نہیں | امام ابن حبان نے اپنی "صحیح" میں اور امام ابو نعیم نے "حلیۃ الاولیا" میں و دیگر محدثین نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے ارشاد فرمایا:

اطلبوا الخیر دھرکم کلہ (الحدیث) (جامع صغیر امام سیوطی ج 1 ص 44 طبع مصر) تم اپنے سب اوقات میں اچھائی کی طلب کرو۔

ناظرین! دیکھ لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد پاک نے نماز جنازہ کے بعد دعا سے منع کرنے والوں کے سارے دجل و فریب کی جڑ ہی نکال دی کہ دعا فلاں وقت منع ہے۔ میں نے آیت کے شان نزول اور حرف اذا کے عموم اور آخر میں خود زبان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کردیا ہے کہ قرآن مجید میں دعا مانگنے کا ارشاد مطلق ہے کیونکہ اذا عام ہے۔ دعا صبح مانگے، شام مانگے، کسی بھی نماز سے پہلے مانگے یا بعد مانگے قرآن مجید میں ہروقت کو شامل عام کو سوائے قرآن مجید کی نص یا حدیث مشہور و متواتر کے اپنی طرف سے تو کیا خبر واحد یا قیاس سے بھی خاص نہیں کیا جاسکتا۔

فلا یجوز تخصیصۃ بخبر الواحد والقیاس (اصول الشاسی) قرآن مجید کے مطلق کو حدیث خبر واحد و قیاس سے بھی خاص نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے قوانین و ضوابط سے ثابت کردیا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد متصل ہو یا علیحدہ ہر وقت دعا کے لئے محل ہے۔ آپ کے پاس اس وقت کے جواز دعا سے اخراج کے لئے قرآن مجید یا حدیث متواتر سے کوئی دلیل ہے تو پیش کیجئے ورنہ مداخلت فی عموم القرآن کرنے کا آپ کو کوئی حق حاصل نہیں۔ میری اس گفتگو پر دیوبندی مناظر کی حالت زار یہ تھی۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

دلیل نمبر 2 | وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ (الایت) (پارہ 28 سورہ حشر) اور وہ جو ان کے بعد آئے، کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں بھی بخش دے اور جو ہم سے پہلے ایمان لائے تھے انہیں بھی بخش دے۔

مولوی اشرفعلی تھانوی نے اس آیت کے مسائل "السلوک" میں لکھا ہے۔ "اور صوفیوں کی تو

عادت لازمہ ہے اپنے سلف کے لئے دعا اور ایصال ثواب کرنے کی" (یعنی عرس کرتے یا ختم دلاتے ہیں) (بیان القرآن ج 11 ص 124 طبع تھانہ بھون) تھانوی صاحب سبقونا بالایمان کی تشریح لفظ سلف سے کر رہے ہیں اور سلف کا معنی ہے "پہلے گزر گیا" (منجد) جس سے واضح ہے کہ دیوبندیوں کے اس پیشوا کے نزدیک سبقونا بالایمان سے مراد ہم سے پہلے فوت شدگان ہیں۔ کیونکہ لفظ سلف وایصال ثواب فوت شدگان کے لئے ہی معمول بہ ہے۔ اور مشہور مفسر شیخ احمد الصاوی اپنی تفسیر حاشیہ تفسیر جلالین میں لکھتے ہیں کہ یہ دعائے مغفرت اپنے لئے اپنے زمانہ اور اس سے پہلے الی عصر النبی علیہ الصلاۃ والسلام سب کے لئے کرنی چاہئے (تفسیر صاوی ج 4 ص ۱۶۸ طبع مصر)

ہم جس میت پر نماز جنازہ پڑھتے ہیں وہ بھی ہم سے پہلے فوت ہو کر سابق و سلف ہے۔ اور آیت کریمہ میں سلف کے لئے دعا کا وقت مقرر نہیں بلکہ یقولون مطلق و ہر وقت کو حالاً و مستقبلاً شامل ہے۔ لہٰذا بعد نماز جنازہ کے وقت میں دعا ممنوع قرار دے کر اپنی خانہ ساز شریعت بنانا جہالت و ضلالت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ باقی رہا یہ کہ ثابت نہیں و سنت نہیں لہٰذا بدعت سیئہ ہے۔ منکرین کے ان سارے خرافات کی پوری بیخ کنی ان کے ہی محدث کشمیری صاحب کے الفاظ لَیْسَتْ بِسُنَّۃٍ اور پھر لَیْسَتْ بِبِدْعَۃٍ سے ہو چکی۔ دیکھئے فیض الباری ج 2 ص 167

دلیل نمبر 3 | وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عِبَادَتِیْ سیدخلون جہنم داخرین (پارہ 24 سورہ مومن) اور فرمایا تمہارے رب نے کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔ بے شک جو لوگ مجھ سے دعا مانگنے سے اکڑتے ہیں۔ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

امام سید آلوسی بغدادی یستکبرون عن عبادتی کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یستکبرون عن عِبَادَتِیْ یستکبرون عن دُعَائِیْ (روح المعانی ج 14 ص 81) یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اکڑنے کا مطلب ہے۔ اس سے دعا کرنے سے اکڑنا کیونکہ دعا مخ العبادۃ ہے (دعا عبادت کا مغز ہے)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دعا مانگنے کا بغیر کسی تخصیص وقت کے ارشاد فرمایا تو دعا مطلقاً ہر وقت مطلوب ہے۔ نماز جنازہ کے بعد کے وقت کو اس سے خارج کرنا بغیر کسی نص قطعی یا حدیث متواتر و مشہور کے ممکن نہیں تو جو لوگ دعا بعد نماز جنازہ سے اکڑتے ہیں وہ جہنمی ہیں۔ ان کا یہ بہانہ کہ یہ بدعت سیئہ ہے کیونکہ ثابت نہیں و سنت نہیں۔ ان کے اس دروغ بے فروغ کا رد پچھلے صفحات میں خود ان کے محمد انور شاہ کشمیری کی "فیض الباری" میں بحوالہ عبدالحی

صاحب لفظ عدم الثبوت لا یدل علی کراھۃ الصلوٰۃ سے واضح ہو چکا ہے دیکھیے فیض الباری ج 2 ص 360

دلیل نمبر 4 فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب (پارہ 30 سورہ الم نشرح) جب کسی نماز سے فارغ ہو تو دعا میں محنت کر اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہو۔

امام المفسرین سید آلوسی بغدادی حضرت قتادہ و ضحاک و عبداللہ بن عباس سے اس کی تفسیریوں لکھتے ہیں:

اذا فرغت من الصلاۃ فانصب فی الدعاء (روح المعانی ج 30 ص 172 طبع مصر)

نصب - تعب - اعیاء - فی الامر - جد - واجتہد (منجد) یعنی نصب کا معنی ہے تھک - پوری جدوجہد سے کام کیا - تو آیت کریمہ کا معنی یہ ہوا کہ تو جب نماز سے فارغ ہو تو پوری کوشش سے دعا کر۔

نصب صیغہ امر ہے اور اس پر دخول حرف فا وصل اور تعقیب کے لئے ہے - نور الانوار میں ہے والفاء للوصل والتعقیب (نور الانوار ص 119) یعنی کسی لفظ پر فا اس لئے لگائی جاتی ہے تاکہ معلوم ہو کہ جس فعل پر فا آئی ہے وہ فعل اپنے سے پہلے فعل کے متصلاً بعد کرنا چاہیے۔ تو انصب پر فا لگا کر فانصب اس لئے فرمایا گیا کہ اس سے پہلے فعل فرغت یعنی نماز سے فراغت کے بعد متصلاً دعا کرنی چاہیے۔

جب مطلقاً ہر نماز کے بعد دعا کرنے کا ارشاد ربانی ہے اور نماز جنازہ بھی نماز ہے۔ تو منکرین کا مستحب کو احکام شرع سے نظر انداز کر کے "سنت نہیں تو بدعت سیئہ ہے" کا چکر تلفظ بنیۃ صلوٰۃ کی بحث میں ان کے تھانوی صاحب کی بوادر النوادر ص 778 میں درج اس کے قول جواز جمع سنت حقیقیہ و بدعت صوریہ سے اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے - فانصب صیغہ امر ہے - امر وجوب کے لئے اور کبھی استحباب و اباحت کے لئے آتا ہے -

واذا اریدت بہ الاباحۃ اوالندب فقیل انہ حقیقۃ لانہ بعضہ وقیل لا لانہ جاوز اصلہ الخ (منار متن نور الانوار ص 29)

قرآن مجید میں امر وجوب کے لئے اور استحباب و اباحت کے لئے بھی آیا ہے - فانصب میں استحباب کے لئے ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز کوئی بھی فرض ہو فرض عین ہو جیسے نماز فرض پنجگانہ یا فرض کفایہ جیسے نماز جنازہ یا نفل و سنت ہو ہر نماز کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے - تفاسیر میں نماز مکتوبہ اور مطلق نماز دونوں مذکور ہیں - قرآن میں تضاد نہیں بلکہ سب قول درست ہیں - دیکھو تفسیر (اتقان)

تفسیر مظہری میں حضرت ابن عباس کا قول ہے او مطلق الصلاۃ یعنی ہر نماز کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے لہٰذا فانصب عام ہے (مظہری ص 294)

دلیل نمبر 5 انه كان فريق من عبادی يقولون ربنا امنا فاغفرلنا وارحمنا وانت خير الراحمين فاتخذتموهم سخريا حتى انسوكم ذكرى وكنتم منهم تضحكون (پارہ 18 سورہ مومنون) بے شک میرے بندوں کا ایک فریق دعا کیا کرتا تھا کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے - پس تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحمت فرما اور تو سب سے زیادہ رحمت فرمانے والا ہے - (تو اے کافرو) تم (دعا مانگنے پر) ان سے ٹھٹھا کرتے تھے یہاں تک کہ اس نے تمہیں میری یاد سے غافل کردیا- اور تم ان سے ہنسی کرتے رہتے تھے-

آیت کریمہ میں دعا مانگنے کی فضیلت ہے مگر کوئی وقت مقرر نہیں بتایا گیا اور دعا کسی وقت میں ہی ہوگی اور کوئی وقت ممنوع نہیں ہوا- مسلمان نماز جنازہ کے بعد بخشش کیلئے دعا کرتے ہیں تو دیوبندیوں وہابیوں کا منظر قابل دید ہوتا ہے - ہاتھ پیچھے باندھ لیتے ہیں اور مذکور دعا پر ٹھٹھا کرنے والوں کی طرح ہنستے ہیں- کوئی کہتا ہے کہ اس وقت دعا کہاں ثابت ہے- کوئی کہتا ہے سنت نہیں- کوئی کہتا ہے یہ پکھنڈ ہے- اس کی سزا اس آیت سے پہلے "اِخْسَئُوْا دھتکارے رہو" سے قرآن مجید میں مذکور ہے- باقی رہا ان کا پرانا سبق کہ "ثابت نہیں -لہٰذا بدعت سیئہ اور حرام ہے"- تو خود مدرسہ دیوبند کے مرکزی مفتی کا فتوٰی پڑھ لیجئے-

کسی شخص نے مدرسہ دیوبند کے مفتی سے دریافت کیا کہ نماز عید کے خطبہ ختم ہو جانے کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے کیا یہ ثابت ہے یا نہیں ؟ اگر ثابت نہیں تو خود دیوبندی کیوں مانگتے ہیں؟ ثابت نہیں تو بدعت ہوئی وغیرہ وغیرہ-

اس کا جو جواب دیوبند کے مفتی صاحب نے دیا ہے وہ خود پڑھ لیجئے-

خطبہ کے بعد دعا مانگنے کا استحباب کسی روایت سے ثابت نہیں اور عیدین کی نماز کے بعد دعا کرنے کا استحباب انہی حدیثوں اور روایات سے ثابت ہوتا ہے جن میں عموماً نمازوں کے بعد دعا مانگنا ثابت و وارد ہے-الخ (فتاوٰی دارالعلوم دیوبند ج 5 ص 225)

دیکھ لیا آپ نے "ثابت نہیں" اور "ثابت و وارد ہے" عید کے دن تو چونکہ مولوی صاحب کو پیٹ کا فائدہ ہوتا ہے لہٰذا ثابت نہیں اور ثابت ہے مگر نماز جنازہ کے بعد مولوی صاحب کا نہیں صرف میت کا فائدہ ہے - لہٰذا یہاں صرف "ثابت نہیں، ثابت نہیں، ثابت نہیں"- عیدین کی نمازوں کے بعد تو خاص عیدین کے نام سے دعا کے ثبوت کی ضرورت نہیں - مگر نماز جنازہ کے بعد ضرورت ہے- عیدین کے بعد تو دعا عموما نمازوں کے بعد دعا مانگنے سے ثابت ہوگئی - مگر نماز جنازہ کے بعد نہیں - یہ ہے جس کی لاٹھی اس کی بھینس-

خدا کرے انہیں سمجھائے کوئی

دلیل نمبر 6 فاعلم انه لا اله الا الله واستغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات (پارہ

26 رکوع 6 سورہ محمد) پس مشاہدہ کرتے رہئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے متبعین اور سب مومن مردوں اور مومنات عورتوں کے لئے بخشش مانگتے رہئے۔
مومنوں کے لئے بلا قید وقت بخشش کی دعا مانگنا مشیت خداوندی اور سنت نبویہ ہے۔ اس عبادت غیر موقتہ کو ایجاباً کہ صرف اسی وقت دعا ہو سکتی ہے یا سلباً کہ نماز جنازہ کے بعد والے وقت میں دعا نہیں ہو سکتی موقتہ بنانا یہ مداخلت فی الدین ہے۔ کسی مولوی کو قطعاً حق حاصل نہیں کہ خانہ ساز شریعت ایجاد کرے اور مداخلت فی الدین کرے۔
دلیل نمبر 7 | واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغدٰوۃ والعشی یریدون وجھہ (الیٰ قولہ تعالیٰ) ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ وکان امرہ فرطا۔ (پارہ 15 سورہ کہف) اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں (دعائیں کرتے ہیں) اس کی رضا چاہتے ہیں (الیٰ) اور اس کا کہنا مانو جس کا دل ہم نے یاد سے غافل کردیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔
تفسیر روح المعانی میں ہے کہ صبح و شام سے مراد ہر وقت دعا کرنا ہے۔ وشاع مثل ھذہ العبارۃ للدوام (روح المعانی ج 15 ص 261)
دیکھئے جو لوگ ہر وقت دعا مانگتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر خاص نظر کرم رکھنے کا ارشاد ہو رہا ہے۔ اگر نماز جنازہ کے بعد کا وقت دعا کے لئے ممنوع ہوتا تو اسے خارج کردیا جاتا۔ بلکہ فرمایا جارہا ہے کہ جو لوگ ذکر سے غافل ہیں ان کی بات ہی نا مانو۔ منکرین دعا بعد نماز جنازہ تو ذکر سے صرف غافل ہی نہیں بلکہ مانع ذکر ہیں۔ جو امور فی نفسہ عبادت ہیں جیسے دعا، ذکر، تلاوت قرآن اور صلوٰۃ و سلام وغیرہ۔ ان کے بارے میں یہ ثبوت مانگنا کہ کس وقت سنت ہیں ورنہ بدعت سیئہ۔ یہ سراسر جہالت و شقاوت ہے۔ اگر وقت مسنونہ ہو تو نور علی نور ورنہ ہر وقت ثواب و نور ہیں۔ واللہ یھدی لنورہ من یشاء۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے نور کے راستہ پر لگا دیتا ہے۔
دلیل نمبر 8 | ربنا اغفر لی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب (پارہ 13 سورہ ابراہیم) اے ہمارے رب مجھے اور میرے ماں باپ اور سب ایمان والوں کو قیامت کے دن بخش دے۔
حضرت نوح علیہ السلام نے بلا قید وقت بار بار دعائیں کی ہیں۔ آپ نے اس آیت میں سب مومنوں کے لئے بھی بخشش کی دعا کی ہے۔ مسلمان بھی انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت پر عمل کرکے نماز جنازہ کے بعد میت کی بخشش کے لئے دعا کرتے ہیں۔ کس وقت دعا کرے اور باقی اوقات میں دعا نہ کرے۔ نہ یہ کسی حدیث یا فقہ کی کتاب میں ہے اور نہ ہی مطلق اور غیر موقتہ

افعال خیر میں ان کی ادائیگی کے لئے وقت مسنونہ کی پابندی کا کوئی مسئلہ شرعیہ ہے۔ صرف نجدیت وخارجیت کی یہ ایک خودساختہ شریعت ہے جس طرح تلاوت قرآن مجید' ذکر الٰہی' درود شریف اور صدقہ خیرات کے لئے یہ ضروری نہیں کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ کرام نے قرآن مجید پڑھایا ذکر الٰہی کیا بس اسی موقع پر ہی قرآن مجید پڑھا جائے اور اس کے علاوہ جہاں قرآن مجید نہیں پڑھا اس وقت اس کی تلاوت بدعت سیئہ ہو اور جب آپ نے دعا مانگی ہو اسی موقع پر دعا مانگی جائے دوسرے وقت بدعت سیئہ ہو قطعاً غلط ہے۔ دعا مخ العبادۃ ہے۔ یعنی عبادت کا مغز ہے۔ (حدیث) اور دیوبندی مسلک کے الشیخ الانور کا یہ قول ہم لکھ آئے ہیں کہ کوئی ایسی نیکی ذکر وغیرہ اگر کسی غیر مسنون وقت میں بھی کی جارہی ہو تو اس سے منع نہیں کیا جاسکتا۔ کشمیری صاحب فَقَدْ خَالَفَ السُّنَّةَ کہ کر سنت کی مخالفت کے باوجود کہتے ہیں:

لَا یُمْنَعُ مِنْهُ لما مَرَّ اَنَّ العباداتِ مما یَتَعَسَّرُ النَّهْیُ عنها (فیض الباری ج 2 ص 314) اس سے منع نہ کیا جائے کیونکہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ عبادت کے کاموں سے روکنا مشکل ہے۔

استاذ اور شاگردوں کو بولی تو ایک ہی بولنی چاہئے۔ وہ کہتا ہے کہ عبادت ذکر و دعا وغیرہ خلاف سنت بھی ادا ہو رہی ہوں تو مت روکو۔ مگر شاگردوں نے باوجود اس کے کہ دعا بعد نماز جنازہ خلاف سنت نہیں اس سے روکنے کے لئے لنگوٹ کس کر میدان کارزار گرم کر رکھا ہے۔

دلیل نمبر 9 فادعوا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون (پارہ 24 سورہ مومن) یعنی گو کافروں کو تمہارا دعا مانگنا ناگوار ہی گزرے تم اللہ تعالیٰ سے خالص عقیدہ سے دعا مانگو۔

دلیل نمبر 10 ھو الحی لا الہ الا ھُوَ فادعوہ مُخْلِصِین لہ الدینَ الحمد للہ رب العالمین

وہ زندہ ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں تو تم خالص عقیدہ سے اس سے دعا مانگو۔ ہر حمد اللہ رب العالمین کے لئے ہی ہے۔

ان کے علاوہ بلا قید زمان و مکان دعا مانگنے کی کافی آیات مبارکہ قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اس قضیہ واقعہ کے مطابق خارجی فرقہ کے لوگ دعا بعد نماز جنازہ کو اپنے اوٹ پٹانگ خودساختہ مکر و خداع سے بدعت کہہ کر برا منائے جارہے ہیں اور مسلمان بحمدہ تعالیٰ اس عبادت کے اطلاق پر یقین رکھتے ہوئے دعا مانگے جارہے ہیں الحمد للہ رب العالمین

دلائل از احادیث

ہر نماز کے بعد دعا مانگنے کی فضیلت

دلیل نمبر 11 حدیث نمبر 1 عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ من قال بعدَ کُلِّ صلاۃٍ استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ ثلاثَ مراتٍ کَفَّرَ اللہ ذنوبہ وَ اِن کان فِراراً مِنَ الزَّحفِ (کنز العمال ج 2 ص 642) جو شخص ہر نماز کے بعد استغفر اللہ و اتوب الیہ تک تین مرتبہ پڑھ لے - اللہ اس کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے - اگرچہ جنگ سے بھاگنے جیسا بڑا گناہ ہو۔

دلیل نمبر 12 حدیث نمبر 2 عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرَغَ اَحدکم من صلاتہ فلیَدْعُ باربعٍ ثم لِیَدْعُ بما شاء اللھم اِنی اعوذ بک من عذابِ جھنمَ وَ عذابِ القبرِ و فتنۃِ المَحیاءِ والمماتِ وفتنۃِ المسیح الدجّالِ (سنن کبریٰ بیہقی ج 2 ص 154 طبع حیدر آباد) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی جب اپنی کسی بھی نماز سے فارغ ہو تو چار چیزوں کی دعا کرے - عذاب جہنم، عذاب قبر، زندگی و موت اور دجال کی آزمائش سے پناہ مانگے پھر اپنی مرضی کی دعا کرے۔

وہابی لوگ تو نماز جنازہ کے بعد ایک دعا بھی مانگنے نہیں دیتے مگر حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام ہر نماز کے بعد کئی دعائیں مانگنے کی ہدایت فرمارہے ہیں -ہوشیار باش۔

دلیل نمبر 13 حدیث نمبر 3 عن عائشۃ قالت فما رائیت رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یومئذ او بعد یومئذ صلی صلاۃ الاقال فی دبر صلاتہ اللھم رَبَّ جبرائیلَ و میکائیلَ و اسرافیلَ اَعِذْنی من حَرِّ النارِ وعذابِ القبرِ (کنز العمال) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضرت سعد کے دفن کے دن اور اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی نماز پڑھی اس کے بعد یہ دعا ضرور مانگی - اے جبرائیل و میکائیل و اسرافیل کے رب! مجھے آگ کی گرمی و عذاب قبر سے پناہ دے (مجھے پناہ دے سے مراد میری امت کو پناہ دے ہے)

دلیل نمبر 14 حدیث نمبر 4 عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدعاءِ مخ العبادۃ (مشکوٰۃ ص 194) حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا عبادت کا مغز ہے

دلیل نمبر 15 حدیث نمبر 5 عن سلمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان رَبَّکم حَیٌّ کریمٌ یستحی مِنْ عَبدِہٖ اذا رَفَعَ یدیہ اَنْ یَرُدَّھُما صِفراً (مشکوٰۃ ص 195) حضرت سلمان سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک تمہارا رب

مت حیا کرنے والا کریم ہے۔ حیا کرتا ہے اپنے بندے سے۔ جب وہ اس کی طرف دست دعا پھیلاتا ہے تو اسے خالی واپس نہیں کرتا۔

ان سب احادیث میں بغیر کسی قید نماز ہر نماز کے بعد دعا کی عمومی ترغیب ہے۔ ہم امام ابن ہمام کی "التحریر" کے حوالہ سے خاتمۃ المحققین امام سید ابن عابدین کی "ردالمحتار" سے لکھ آئے ہیں کہ مستحب کی تعریف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کام کی فضیلت بیان فرمادیں تو وہ کام آپ نہ بھی کریں تو بھی وہ مستحب ہوتا ہے۔ ہر نماز کے بعد عمومی ترغیب دعا بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکورہ احادیث و دیگر بے شمار احادیث میں موجود ہے۔ نماز جنازہ بھی نماز ہے۔ چار تکبیر نماز جنازہ کی نیت ہوتی ہے۔ چار تکبیر دعا جنازہ کی کوئی بھی نیت نہیں کرتا۔ کتب احادیث و فقہ میں بھی صلوٰۃ الجنازۃ ہے "دعاء الجنازۃ" نہیں۔ لہٰذا بحکم عموم ترغیب دعا بعد ہر نماز، نماز جنازہ کے بعد اصولاً و شرعاً دعا مانگنا مستحب ہے۔ فرمان نبوی ہے کہ ہر نماز کے بعد جو چاہو دعا مانگو۔ میت کی بخشش کے لئے وہابیوں دیوبندیوں کا دل کیوں نہیں چاہتا؟

ہر نماز فرض کے بعد خصوصاً دعا مانگنا مستحب ہے

دلیل نمبر 16 حدیث نمبر 6 مَنْ صَلّٰی صلاۃ فَرِیضۃ فلہ دعوۃ مُستجابۃ ومن ختم القرآن فلہ دعوۃ مُستجابۃ (طب) عن العرباض۔ (جامع صغیر امام سیوطی ج 2 ص 175) جس نے کوئی بھی فرض نماز پڑھی تو اس کی دعا قبول ہے اور جس نے قرآن مجید ختم کیا اس کی دعا قبول ہے۔

دلیل نمبر 17 حدیث نمبر 7 حضرت مغیرہ بن شعبہ سے ایک روایت میں ہے "ہر فرض نماز کے بعد اور ایک روایت میں ہے اذا سَلَّمَ من الصلاۃِ ہر نماز کے بعد" حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے جس کا آخری حصہ یہ ہے اللھم لا مانع لما اعطیتَ ولا مُعطِیَ لما منعتَ ولا ینفع ذا الجدِّ منک الجدُّ (ابوداود۔ باب مایقول الرجل اذا سلم ج 1 ص 211 طبع نور محمد کراچی)

اور اس کے بعد تیسری حدیث میں حضرت زید بن ارقم سے ہر نماز کے بعد ایک طویل دعا کا یہ حصہ ہے۔ اجعلنی مُخلِصًا لک واھلی فی کلِّ ساعۃٍ فی الدنیا والاٰخرۃِ (ابوداود ج 1 ص 211)

یعنی مغیرہ بن شعبہ سے ایک روایت میں ہر فرض نماز کے بعد اور اس ابوداؤد والی روایت میں مطلقاً ہر نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا مانگنے کا ایک حصہ یہ ہے کہ "اے اللہ جسے تو عطا کرے کوئی روک نہیں سکتا اور کوئی اپنی کوشش سے تیرے فضل کے بغیر تجھ سے کچھ لے نہیں سکتا"۔ اور زید بن ارقم سے بھی ہر نماز کے بعد جو دعا روایت ہے اس کا ایک حصہ یہ ہے

"اے اللہ مجھے اور میرے اہل بیت یا میری امت کو اخلاص پر قائم رکھ"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ ہر فرض نماز کے بعد دعا مانگو قبول ہوگی
آپ نے فرض عین یا فرض کفایہ کی کوئی قید نہیں لگائی ۔ نماز جنازہ بھی فرض ہے ۔ اور دوسری
حدیث میں نماز سے سلام کے بعد اپنی اہل بیت اور امت کے لئے دعا فرمارہے ہیں لہذا نماز فرض
جنازہ کے بعد دعا اپنے لئے یا دوسروں کے لئے اتباع سنت رسول ہے ۔ باقی رہا منکرین کا پر
فریب کہ "یہاں نماز جنازہ کا نام نہیں" تو عیدین کے خطبہ سے فارغ ہو کر دعا مانگنے کا بھی نا
نہیں ۔ وہابی و دیوبندی خود یہ دعا مانگتے ہیں ۔ ہم قریب ہی فتاوٰی دیوبند کے حوالہ سے لکھ آ
ہیں کہ اس کا ثبوت نہیں ۔ مگر دعا کی عام فضیلت کی رو سے یہ دعا مانگنا درست ہے ۔ تو یہاں
بھی عمومی فضیلت دعا سے ہی دعا مانگ کر میت کی بھی عید کرادیں تو سب کا بھلا سب کی خیر ۔ مگ

...ان اللہ لا یھدی القوم الکافرین ۔ اولئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم و سمعھم
ابصارھم واولئک ھم الغافلون۔ لا جرم انھم فی الاخرہ ھم الخٰسِرون (پارہ 14
سورہ نحل) اور اس لئے کہ اللہ (ایسے) کافروں (گستاخان رسول) کو راہ ہدایت نہیں د
اور یہی ہیں وہ جن کے دل اور کان اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے اور وہی غفلت میں پڑے
ہیں ۔ اب ایسا ہی ہوا کہ آخرت میں وہی خراب ہیں ۔

نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے خالص دعا مانگنے کا فرمان نبوی

دلیل نمبر 18 حدیث نمبر 8 گزشتہ احادیث میں مطلقاً ہر نماز یا عموماً ہر فرض نماز جس میں نما
جنازہ بھی بہ قاعدہ اصول اطلاق و عموم داخل ہے ۔ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا مستحب ثابت ہ
اب خصوصاً نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کا ارشاد نبوی سنئے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسل
ارشاد فرماتے ہیں :

عن ابی ھریرۃ قال سمعت رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا صَلَّيْتُمْ عَلَ
الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ (مشکوٰۃ ص 146 ۔ ابوداود ج 2 ص 441 ۔ ابن ماجہ ص 109 ۔
ج 4 ص 40 ۔ صحیح ابن حبان ج 1 ص 87 ۔ جامع صغیر ج 1 ص 30 عن ابی ہریرہ (ح) ۔ ابوہر
سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ ! جب
میت پر نماز پڑھ لو تو اس کے لئے خالص دعا مانگو ۔

یہ حدیث شریف نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے خالص دعا مانگنے میں واضح ہے کہ نماز جنازہ ک
اندر تیسری تکبیر کے بعد جو دعا اللھم اغفر لِحَيِّنَا و مَيِّتِنَا سے مانگی جاتی ہے وہ میت
علاوہ زندہ' مردہ' حاضر و غیر حاضر سب مسلمانوں کے لئے بھی ہوتی ہے ۔ اس لئے ارشاد ہے کہ نم
سے فارغ ہو کر میت کے لئے خالص دعا مانگو جیسا کہ جمہور اہل اسلام مشائخ و علما کا معمول

منکرین اس حدیث سے جان چھڑانے کے لئے کئی چکر چلاتے ہیں ان کی دھوکہ منڈی کا دیوالیہ نکالنے کے لئے آپ چند ضروری باتیں ذہن نشین کرلیں۔

1۔ صَلَّیْتُمْ۔ فعل ماضی ہے جس کا معنی ہے پڑھ چکو۔ پڑھ لو۔ پڑھ کر فارغ ہو جاؤ۔ ماضی کے اس معنی کو سوائے کسی مجبوری کے نہیں چھوڑا جاسکتا۔ کیونکہ ماضی کا یہی حقیقی معنی ہے اور کسی لفظ کا حقیقی معنی سوائے تعذر حقیقیہ کے چھوڑ کر کوئی مجازی معنی مراد لینا از روئے قوانین اصول غلط ہے۔

فاخلصوا۔ میں حرف فا؟ اَخْلِصُوْا صیغہ امر پر داخل ہے۔ اصول فقہ کی مستند و متداول کتاب نورالانوار جو دیوبندی مدارس میں بھی پڑھائی جارہی ہے میں حرف فا کے متعلق یہ قانون صراحۃً لکھا ہوا ہے۔

وَالْفَاءُ لِلْوَصْلِ وَالتَّعْقِیْبِ ای لکون المعطوف موصولا بالمعطوف علیہ متعقبا لہ بلا مہلۃ فیتراخی المعطوف عن المعطوف علیہ بزمان و ان لَطُفَ الخ (نورالانوار ص 119 طبع سعید کمپنی کراچی) یعنی کسی لفظ پر فا اس لئے آتی ہے تاکہ بتائے کہ فا کے بعد والا فِعْل فا سے پہلے فِعْل کے بعد متصل کرنا چاہئے لِلْوَصْل والتعقیب۔ وصل کا معنی ہے متصل ملا ہوا۔ تَعْقِیْب عقب سے ہے۔ پیچھے بعد۔ تو یہاں دیکھئے نماز کا ذکر صَلَّیْتُمْ حرف فا سے پہلے ہے اور دعا کا ذکر اس کے بعد فاخلصوا لہ الدعا فا کے اصل معنی "پس" کی رو سے دعا نماز سے فارغ ہونے کے بعد مانگنے کا ہی صحیح مطلب ہو سکتا ہے۔ اس لئے نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے اور نماز جنازہ کے اندر والی دعا جو تیسری تکبیر کے بعد پڑھی جاتی ہے مراد نہیں ہو سکتی کہ وہ نماز کے بعد نہیں نماز کے اندر ہے اور وہ سنت ہے۔

2۔ منکرین کا یہ فریب بھی سراسر جہالت ہے کہ دعا سے مراد نماز جنازہ کے اندر والی دعا ہے اور فاخلصوا سے مراد یہی اندر والی دعا اخلاص سے مانگنا ہے جس میں ریاکاری نہ ہو یعنی اخلصوا کا معنی میت کے لئے خاص و خالص دعا کرنا نہیں بلکہ اخلاص سے دعا کرنا ہے۔ ان کا یہ بہانہ بھی چند وجوہ سے باطل ہے۔

اوّل اس لئے کہ نماز جنازہ میں صرف یہی دعا ہی نہیں ہوتی بلکہ تکبیریں و ثناؤ درود شریف کے بعد دعا ہوتی ہے اور صرف دعا میں ہی اخلاص کافی نہیں ہر رکن و سنت کی ادائیگی میں اخلاص ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جامع اہدایات ذات بابرکات کے ارشاد میں یہ کہنا کہ آپ نے میت کی دعا میں تو ریاکاری سے بچنے کا ارشاد فرمایا لیکن ثنا و درود میں اخلاص کی ہدایت نہیں فرمائی۔ یہ سراسر ناقابل فہم و لایعنی بہانہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فرماتے ہیں انما الاعمال بالنیات ہر عمل کا دارومدار نیت پر ہے۔ نیز فاخلصوا لہ الدعاء

میں لفظ لہ متعلق ہے فاخلصوا فعل کا جس کا حق فاخلصوا کے مفعول الدعا کے بعد آنے کا ہے اور قانون تقدیم ما حقه التاخیر یفید الحصر کے مطابق یہ دعا مرجع ضمیرلہ کے ساتھ خاص و محصور ہونی چاہئے درمیان والی دعا اس کے ساتھ محصور و خاص نہیں - اس لئے بعد نماز جنازہ میت کے لئے خالص دعا ہی مقتضی حدیث ہے -

دوم اس لئے کہ حدیث شریف میں فاخلصوا له الدعا ہے فاخلصوا فی الدعا نہیں. لفظ دعا پر حرف ل داخل ہے جو کہ ظرفیت کے لئے نہیں اختصاص کے لئے آتا ہے یعنی میت کے لئے خاص دعا کرو-اگر فاخلصوا سے مراد دعا میں اخلاص مراد ہوتا تو دعا پرظرفیت فی آتا اورله الدعا نہ ہوتا بلکہ فی الدعا ہوتا- کسی عمل میں اخلاص کو اخلاص فی العمل کہتے ہیں اخلاص للعمل یا للشئ نہیں کہتے - اس کی تائید میں ملا علی قاری صاحب کی یہ عبارت بھی پڑھ لیجئے -

---

واغرب صاحب الازهار علی ما نقله میرک انه قال فیه دلیل علی وجوب تخصیص المیتِ بالدعاءِ ولا یکفی العمومُ (مرقاہ ج 4 ص 59 طبع ملتان) اور صاحب ازہار نے اس حدیث میں ایک عجیب نکتہ بیان کیا ہے جیساکہ شارح مشکوٰۃ میرک نے اس سے نقل کیا ہے کہ صاحب ازہار کے نزدیک اس حدیث کے لفظ فاخلصوا میں اس بات کی دلیل ہے کہ میت کے لئے خصوصی دعا مانگنا ضروری ہے اور تیسری تکبیر کے بعد والی دعا جو عام ہے کافی نہیں ہے-

جب یہ ثابت ہوگیا کہ فا کا حقیقی معنی تعقیب ہے جس کا تقاضا ہے کہ دعا نماز کے بعد ہو اور نماز سے چوتھی تکبیر پر فراغت ہوتی ہے تو تیسری تکبیر کے بعد والی دعا مراد نہیں ہوسکتی کہ وہ نماز کے اندر ہے اور اسی مفہوم کی مؤید وہ حدیث ہے جو گزر چکی اذا فرغ احدکم من صلاته فلیدع الخ- تم میں سے کوئی جب اپنی کسی نماز سے فارغ ہو تو دعا مانگے -

ایک اور دیوبندی بہانہ منکرین کو جب کوئی راہ فرار نہیں ملتی تو کہتے ہیں کہ اس حدیث میں راوی محمد بن اسحاق ضعیف ہے لہذا یہ حدیث ضعیف ہے تو ان کا یہ فضول بہانہ تین طرح سے مردود ہے -

اول اس لئے کہ اس حدیث کو محدث محمد بن اسحاق کے طریقہ سے ابو داؤد وابن ماجہ نے ہی روایت نہیں کیا بلکہ امام بیہقی نے بھی روایت کیا اور ابن حبان نے تودوسرے طریقے سے روایت کرکے اس کو صحیح کہا ہے اور کثرت طرق سے حدیث ضعیف بھی قوی ہوجاتی ہے اور متعدد محدثین نے محمد بن اسحاق کی بھرپور توثیق بھی کی ہے - خود امام بخاری نے اس کی روایات سے استشہاد کیا ہے -

وقال ابن عُيَيْنَۃَ سمعت شُعْبَۃَ یقول محمد بن اسحاق اَمِیْرُ المؤمنینَ فی الحدیث الخ (تہذیب التہذیب ج 9 ص 44 طبع حیدر آباد) ابن عیینہ کہتے ہیں میں نے شعبہ سے سنا ہے کہ محمد بن اسحاق حدیث میں امیر المؤمنین ہے نیز یہ کہ محمد بن اسحاق محدثین کا سردار ہے۔ الخ

اسی لئے امام سیوطی نے اس حدیث کے بعد (ح) کہا یعنی یہ حدیث حسن ہے جیساکہ آپ ادراج حدیث کے موقع پر ابھی دیکھ چکے ہیں اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا۔

اخرجه ابن حِبّان من طریق آخر عنه مُصَرَّحاً بالسماع وصححه (عون المعبود ج 3 ص 188 بیروت) یعنی اس حدیث کو محدث ابن حبان نے اپنی کتاب صحیح ابن حبان میں اور سند سے محمد بن اسحاق سے سماع سے تخریج کرکے صحیح قرار دیا ہے۔

امام المحدثین امام سیوطی کے اس حدیث کو حسن اور امام ابن حبان کے اسے صحیح قرار دینے کے بعد بھی اگر منکرین ضعیف، ضعیف کی رٹ لگائے رکھیں تو پھر بھی حدیث ضعیف سے استحباب دعا بعد نماز جنازہ ثابت ہے۔ کیونکہ ہم اس رسالہ کی ابتدا میں دیوبندیوں کے محدث شبیر احمد عثمانی اور غیر مقلدوں کے نذیر حسین دہلوی کی تصریحات سے ثابت کر آئے ہیں کہ حدیث ضعیف سے بھی مستحب ثابت ہوجاتا ہے۔ دیکھئے ابتدا رسالہ بحث صلوٰۃ و سلام قبل الاذان۔ اور کثرت طرق سے مروی حدیث کے قوی ہوجانے کے بے شمار دلائل بھی ہم کثرت سے ذکر کر آئے ہیں۔ مطالعہ کیجئے اور خارجیت کا جواب دیجئے۔

دیوبندیوں کے لئے تو مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی کا یہ فیصلہ ہی کافی ہے:

والاستحباب یثبت بالضعیفِ غیرِ الموضوعِ (فتح الملہم مقدمہ) حدیث جعلی نہ ہو۔ ضعیف حدیث سے تو مستحب ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔

ہمارا دعویٰ بھی دعا بعد جنازہ کے مستحب ہونے کا ہے جو بہر حال ثابت ہے۔ امام سیوطی نے اسے جامع صغیر میں حسن کہہ کر درج کیا۔ آپ ضمانت دے چکے ہیں کہ جامع صغیر میں کوئی موضوع درج نہیں ہے۔ دیکھئے ابتدائے رسالہ ہذا۔

ایک اور عذر لنگ منکرین نے چونکہ یہ ٹھان لیا ہوا ہے کہ ہر صورت دعا نہیں مانگنی اس لئے وہ ہر ترلہ مارتے ہیں کہ کہیں نماز جنازہ کے بعد دعا ثابت نہ ہوجائے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث میں کئی جگہ جیسے اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ ہے۔ جب تو قرآن پڑھنے لگے تو اعوذباللہ پڑھ لے اور واذا اذنت فترسل واذا اقمت فاحدر۔ جب تو اذان دے تو آہستہ آہستہ پڑھ اور جب تکبیر کہے تو جلدی جلدی پڑھ۔ پہلی مثال میں اعوذ باللہ قرآن سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور دوسری مثال میں آہستگی یا جلدی اذان یا تکبیر کے اندر ہوتی ہے

اذان یا تکبیر کے بعد نہیں ہوتی۔ تو یہ سوال بھی احمقانہ ہے۔ ہم نے یہ کہا بھی کب ہے کہ
کا معنی ہر جگہ ہی تعقیب اور وصل کا ہوتا ہے۔ ہم کتب اصول کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ
کا اصل اور حقیقی معنی تعقیب و وصل ہے اور اگر کہیں یہ معنی متعذر ہو تو پھر فا کا کوئی اور
مجازی بھی ہو سکتا ہے۔ یہ قانون ہے کہ حقیقی معنی ممکن ہو تو مجازی معنی نہیں ہو سکتا۔
قرأت القرآن فاستعذ باللہ میں اذا قرأۃ القرآن سے پہلے ایک فعل مقدر ہے۔ اذا ار
قراۃ القرآن۔

مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی کہتے ہیں فاذا قرأت۔ جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں (ترجمہ)
اَرَدتَ (ملحقات الترجمہ) (بیان القرآن ج 6 ص 61) یعنی جب تو قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے
پہلے اعوذ باللہ پڑھ لے۔ تو یہاں فا کا حقیقی معنی مشکل ہونے کی وجہ سے ایک فعل اردت
ماننا پڑا مگر حدیث مذکور میں اِذَا صَلَّیتُم سے پہلے اردت بھی مقدر نہیں کیونکہ اس طرح تو
حدیث کا مطلب یہ ہو جائے گا کہ جب نماز جنازہ پڑھنے کا ارادہ کرو تو پہلے دعا مانگ لیا کرو
دیوبندیوں کے لئے فا کے اصل معنی تعقیب و وصل سے بھاگتے ہوئے ایک اور مصیبت دعا گ
جائے گی جو ان کے لئے صرف مرگ مفاجات ہی نہیں بلکہ "خود کردہ چہ علاج" یک نہ شد
شد" کا معاملہ بن جائے گا۔

اور حدیث اذا اذنت فترسل میں بھی بوجہ تعذر حقیقی معنی فا اس کا مجازی و مستعار معنی
ہے کہ یہاں فا مجازاً بہ معنی واؤ ہے۔

وتستعار بمعنی الواو الخ (نورالانوار ص 120) یعنی کبھی فا مجازاواو کے معنی کے لئے
عارضی طور پر بھی استعمال ہو جاتی ہے۔

تو وہاں مطلب یہ ہوتا ہے یہ کام کرو اور وہ کام کرو مگر یہ معنی حقیقی نہیں مجازی ہوتا ہے۔
مذکورہ بالا بمعنی الواو کے متعلق صاحب نورالانوار لکھتے ہیں:

بیان للمعنی المجازی فِی الفاءِ الخ (نورالانوار ص 120) یعنی فا کا یہ واو کے معنی میں
استعمال ہونا مجازا ہے حقیقتہً نہیں۔

نورالانوار میں ہے:

ولن کانت الحقیقۃ مُتَعَذِّرَۃً او مَھجُورَۃً صُیِّرَ الی المَجَازِ (نورالانوار ص 107
یعنی اگر حقیقی معنی مشکل یا متروک ہو جائے تو پھر مجازی معنی مراد ہو سکتا ہے ہر جگہ نہیں۔
اور حدیث مذکور میں تو حقیقی معنی نہ متعذر ہے اور نہ متروک و مھجور بلکہ حدیث مذکور اذا
احدکم من صلاتہ فَلْیَدع سے مؤید و واقع اور فعل نبوی و عمل صحابہ و جمہور اہل اسلام
معمول و دائم و جاری و ساری ہے۔

ایک اور دیوبندی چکر | صاحب مظاہر حق اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس کا ترجمہ کیا ہے: نماز ادا کرو یا پڑھو - یہ ترجمہ نہیں کیا کہ پڑھ لو یا پڑھ چکو - چنانچہ مظاہر حق میں اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء کا ترجمہ یوں درج ہے -

"اور روایت ہے ابو ہریرہ سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے - جس وقت کہ پڑھو تم نماز میت پر پس خالص کرو اس کے لئے دعا"

اور شیخ صاحب ترجمہ کرتے ہیں:

"چوں نماز گزارید بر میت پس خالص کنید برائے وے دعا یعنی جب نماز ادا کرو یا پڑھو" -

(رسالہ "نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں" ص 93)

(اس کا جواب یہ ہے کہ پڑھ لو فا تعقیب کے معنی میں زیادہ موزوں ہے اور پڑھو مبہم ہے - جو حرف فا کے معنی تعقیب کے تعین کے لئے قرینہ کا محتاج ہے اور دونوں ترجموں میں پڑھو کے بعد پس کا لفظ موجود ہے - پس کا معنی ہے - پیچھے 'بعد - تو دونوں مترجمین نے پس کا لفظ لا کر واضح کر دیا ہے کہ دعا نماز کے بعد مانگے - مولوی عبدالرشید صاحب کو پڑھو کا لفظ نظر آگیا مگر پس کے لفظ نے اس کے سارے فریب کا تختہ نکال دیا -

مزید فریب | رسالہ "نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں" میں مولوی عبدالرشید ارشد صاحب نے یہ بھی دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ حدیث ابن ماجہ اور بیہقی نے باب الدعا فی الصلوٰۃ میں درج کی ہے اور فی الصلوٰۃ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ فاخلصوا له الدعاءُ والی دعا نماز جنازہ کے اندر والی دعا ہے - سلام کے بعد والی دعا مراد نہیں اس کا یہ فریب دو وجہ سے مردود ہے

نمبر 1 | اس لئے کہ فی الصلوٰۃ سے مراد نماز کے اندر والی دعا ہی مراد نہیں ہو سکتی نماز کے بارے میں دعا بھی مراد ہو سکتی ہے اور سلام کے بعد والی دعا بھی نماز کے بارے میں ہی ہوتی ہے اور یہاں مضاف مقدر ہو سکتا ہے یعنی فی معاملة الصلوٰۃ اور اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ جملہ فاخلصوا له الدعاء میں اخلصوا کا تقاضا ہے کہ اس جملہ سے مطلوب دعا میت کے لئے خاص اور خالص ہو اور نماز کے اندر والی دعا صرف میت کے لئے نہیں ہوتی بلکہ میت اور زندہ مردہ حاضر غائب سب کے لئے ہوتی ہے - جیسا کہ قرآن مجید میں ہے فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام فی الحج - میں مضاف مقدر ہے ای فی وقت الحج -

وظرف الصوم محذوف اذ یمتنع ان یکون شئی من اعمال الحج ظرفاً له فقال ابو حنیفه المراد فی وقت الحج الخ (روح المعانی ج 2 ص 82 طبع ملتان)

(جس طرح یہاں اعمال حج کے روزوں کا ظرف نہ ہو سکنے کی وجہ سے مضاف محذوف ہے اس حدیث میں بھی صلوٰۃ کے میت کے لئے خالص دعا کے ظرف نہ ہونے کی وجہ سے ظرف محذوف و

مقدر ہے - اسی لئے ابو داؤد نے اس حدیث سے پہلے باب الدعا فی الصلوٰۃ نہیں کہا بلکہ باب الد
للمیت کہا ہے -

نمبر 2 | اس لئے کہ مضمون حدیث کسی محدث کے باب کے مضمون کا پابند و محتاج نہیں ہوتا۔ اگر عنوان باب اس باب میں آنے والی حدیث کے مطابق نہ ہو تو باب کی تاویل ہوگی حدیث کی نہیں - کئی محدثین نے ایسے باب قائم کئے ہیں جو کہ مضمون احادیث سے مطابقت نہیں رکھتے -امام مسلم نے صحیح مسلم میں باب باندھا ہے- باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ والنھی عن الاشارۃ بالید ورفعھا عندالسلام الخ - امام نووی کہتے ہیں کہ المراد بالرفع المنھی عنہ منھا رفعھم ایدیھم عندالسلام یعنی حدیث مالی اراکم رافعی ایدیکم سے امام مسلم کے باب الامر بالسکون سے مراد سلام کے وقت رفع یدین سے منع کرنا ہے - حالانکہ اس باب میں درج اس پہلے ارشاد نبوی میں قطعاً سلام کا ذکر نہیں یہ ارشاد رکوع کے وقت رفع یدین کی ممانعت میں ہے کہ اس وقت آدمی نماز میں ہوتا ہے اور اسکنو فی الصلوٰۃ اسی سے ہی مناسبت رکھتا ہے - اور سلام کے وقت رفع یدین کی ممانعت میں اس سے اگلا واقعہ ہے جس میں علام تؤمون بایدیکم ہے کہ سلام فی الصلوٰۃ نہیں ہوتا بعد الصلوٰۃ ہوتا ہے - بہر حال امام مسلم کا باب مضمون حدیث اول سے مطابقت نہیں رکھتا- اسی طرح امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب باندھا ہے - باب یھوی بالتکبیر حین یسجدُ اور اس کے تحت حدیث لائے ہیں - وقال نافع کان ابن عمر یضع یدیہ قبل رکبتیہ (بخاری ج 1 ص 110) باب کا مضمون ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت تکبیر پڑھے اور اس کے بعد حدیث یہ ہے کہ نافع نے کہا ہے عبداللہ بن عمر سجدہ میں جاتے وقت پہلے زمین پر ہاتھ رکھتے تھے پھر گھٹنے ٹیکتے تھے - امام ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں واستشکل ایراد ھذا الاثر فی ھذہ الترجمۃ امام بخاری کا اس باب میں اس حدیث کا لانا سمجھ سے بالاتر ہے - اور دیوبندی پیشوا مولوی محمد انور شاہ کشمیری بھی باب اور حدیث میں عدم مناسبت کی تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں - فانہ قد یورد فی الترجمۃ مالا یناسبہ الحدیث المرفوع فیشکل بیان المناسبۃ و یحتاج الی ابداء التاویلات امام بخاری ایسے باب باندھ دیتے ہیں کہ مرفوع حدیث کے مضمون کے مناسب نہیں ہوتے تو پھر ان کے باب کی تاویل کرنا پڑتی ہے (فیض الباری ج 1 ص 45 طبع ڈھابیل)

اب دیوبندی بتائیں کہ ابن ماجہ و امام بیہقی کے باب میں لفظ فی الصلوٰۃ کی تاویل ہو سکتی ہے یا حدیث کو بدل لو گے ؟

خود بدلتے نہیں مگر قرآن کو بدل دیتے ہیں

اور

اس پر بھی نہ اگر سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے

ایک اور کہانی دعا بعد نماز جنازہ کا اگر حکم ہے تو کسی حدیث یا فقہ کی کتاب میں اس دعا کا باب دکھاؤ اور دعا کے الفاظ دکھاؤ وغیرہ وغیرہ من الھذیانات۔

جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کے بعد دعا مانگنے کا حکم فرمایا ہے اور اسی کے تحت تم نماز عیدین کے خطبہ کے بعد دعا مانگتے ہو۔دیکھو فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج 5 ص 225 میں ہے عیدین کی نمازوں کے بعد مثل دیگر نمازوں کے دعا مانگنا مستحب ہے (الی قولہ) ہمارے حضرات اکابر (محمد قاسم نانوتوی رشید احمد گنگوہی اشرفعلی تھانوی وغیرہ) کا یہی معمول رہا ہے (فتاویٰ مذکورہ کا حوالہ گزر چکا ہے)

تو کتب احادیث و فقہ میں اس دعا کا باب دکھاؤ اور دعا کے الفاظ بھی دکھاؤ ورنہ پہلے اپنے ہی اکابر کا دھر رگڑا کرو۔

دلیل نمبر 19 حدیث نمبر 9 حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صحابہ کو فرمان کہ دعا مانگو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ پر نماز جنازہ سے فارغ ہو چکے فَلَمَّا فَرَغَ جَاءَ عُمَرُ وَمَعَہٗ قومٌ فاراد ان یُصَلِّیَ ثَانِیاً فقال لہ النبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اَلصَّلٰوۃُ عَلَی الْجَنَازَۃِ لا تُعَادُ وَلٰکِنْ اُدْعُ لِلْمَیِّتِ وَاسْتَغْفِرْ لَہٗ (بدائع الصنائع ج 1 ص 311 طبع مصر) جب آپ نماز جنازہ سے فارغ ہوئے تو عمر ایک جماعت کے ساتھ آپہنچے۔ عمر نے دوبارہ نماز جنازہ کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا کہ نماز جنازہ دوبارہ نہیں ہو سکتی مگر تم میت کے لئے استغفار و دعا مانگ لو۔

اس سے واضح ہے کے نماز جنازہ کے بعد حکم نبوی ہوا اور حضرت عمر نے جماعت کے ساتھ اجتماعی دعا مانگی۔ اور قرین قیاس یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی جماعت کو نماز پڑھائی تو نماز جنازہ سے رہ جانے والی جماعت کو دعا بھی منگوائی ہوگی ورنہ آپ کے سامنے یہ لوگ اکیلے کس طرح دعا مانگ کر آپ سے سبقت لے جا سکتے تھے۔ اور آپ کثرت دعا کا ارشاد فرماتے تھے۔ بَارَکَ اللہُ لِرَجُلٍ فی حاجتہ اَکْثَرَ الدعاءَ فِیھا (تاریخ خطیب بغدادی ج 3 ص 299)

دلیل نمبر 20 حدیث نمبر 10 نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کا عمل نبوی

نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کا فرمان نبوی آپ نے حدیث اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاءَ میں پڑھ لیا اب فعل مبارک بھی پڑھ لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھا کر اس کے بعد دعا مانگی۔ حدیث مرفوع یہ ہے:

عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صَلّٰی عَلَی الْمَنْفُوْسِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰھُمَّ اَعِذْہُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (کنز العمال ج 8 ص 114 بحوالہ ابن النجار طبع حیدر آباد دکن) ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نو مولود بچے پر نماز جنازہ پڑھائی پھر کہا (دعا کی) اے اللہ اس کو عذاب قبر سے بچا۔

دلیل نمبر21 حدیث نمبر11 انہ صلی اللہ علیہ وسلم صَلّٰی عَلٰی صَبِیٍّ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ قِہٖ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (شرح الصدور امام سیوطی ص 62) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کی نماز جنازہ پڑھائی پس کہا (دعا کی) اے اللہ اسے عذاب قبر سے بچا۔

ان دونوں روایتوں میں نماز کے بعد دعا مانگنا مذکور ہے کیونکہ پہلی روایت میں قال سے پہلے حرف ثم ہے جس کا معنی ہے پھر کہا اور دوسری روایت میں قال سے پہلے حرف فا ہے جس کا معنی ہے اس کے بعد کہا اور سوائے تعذر حقیقۃ فا کا حقیقی معنی نہیں چھوڑا جا سکتا جیسا کہ ہم پہلے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں۔ لہٰذا بعد نماز جنازہ دعا مانگنا فعل نبوی سے ثابت ہے۔

دلیل نمبر22 حدیث نمبر12 جمادی الاول 8 ھ میں ملک شام کے مشہور شہر بلقا کے قریب واقع مقام موتہ یا موتہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زید بن حارثہ کی کمان میں مشرکین و کفار سے جنگ ہوئی اسے غزوہ موتہ کہتے ہیں۔ اس غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ سے نکلے مگر کسی وجہ سے مجاہدین کو روانہ کر کے خود ثنیۃ الوداع سے واپس تشریف لے آئے۔ اس غزوہ میں موتہ کے مقام پر غازیان اسلام کے تین امیر زید بن حارثہ و جعفر بن ابی طالب و عبداللہ بن رواحہ علی الترتیب یکے بعد دیگرے شہید ہوئے۔ رحمت عالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں جلوہ گر ہوتے ہوئے ان کی شہادت کی خبر دی اور ان کی نعشیں حاضر کرا کر ان پر نماز جنازہ پڑھ کر بعدہ دعا بھی مانگی۔ محقق احناف امام ابن ہمام و دیگر مستند محدثین امام واقدی سے اسے یوں بیان کرتے ہیں۔

ولما اِلتقی النَّاسُ بِمُوْتَۃَ جَلَسَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر وکُشِفَ لَہٗ مَا بَیْنَہٗ وَ بَیْنَ الشام فھو یَنْظُرُ اِلٰی مَعْرَکَتِھِمْ فقال علیہ السلام اَخَذَ الرایۃَ زیدُ بْنُ حارثۃَ فمضیٰ حتی اُسْتُشْھِدَ فصلّٰی عَلَیْہِ و دَعَا لَہٗ وقال اِستغفروا لہٗ دخل الجنۃ و ھو یسعیٰ ثم اَخَذَ الرایۃَ جعفرُ بن ابی طالب فمضیٰ حتی اُسْتُشْھِدَ فصلی علیہ رسول اللہ علیہ وسلم و دَعَا لَہٗ وَ قَالَ اِستغفروا لہٗ دَخَلَ الجنۃ فھو یطیر فیھا بجناحین حَیْثُ یَشَاءُ (فتح القدیر ابن ہمام ج 1 ص 456 – البدایہ و النہایہ ابن کثیر ج 4 ص 247 – مواہب اللدنیہ قسطلانی ج 2 ص 483 – زرقانی شرح مواہب اللدنیہ ج 7 ص 209 – طبقات ابن سعد ج 3 ص 46 و

ج 4 ص 38) یعنی موتہ میں جب جنگ ہو رہی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں منبر پر جلوہ گر ہوئے اور آپ کی توجہ جلوۂ ذات حق میں زمین شام کی طرف کھول دی گئی تو آپ نے ملک شام میں ہونے والی جنگ کا مدینہ طیبہ میں مشاہدہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ زید بن حارثہ نے جھنڈا پکڑا اور وہ جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے یہ فرما کر آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لئے دعا مانگی اور صحابہ جو آپ کے پیچھے نماز جنازہ میں شامل تھے سے فرمایا کہ زید کے لئے دعا مانگو - پھر فرمایا کے زید کے بعد جھنڈا جعفر بن ابی طالب نے پکڑا وہ بھی لڑتے لڑتے شہید ہو گئے پھر آپ نے یہیں مسجد نبوی میں اس پر بھی با جماعت نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لئے دعا مانگی اور صحابہ سے فرمایا کہ اس کے لئے دعا مانگو - جعفر جنت میں داخل ہو گیا وہ اپنے دو پروں سے جہاں چاہے جنت میں اڑ رہا ہے۔

مواہب اللدنیہ میں ہے کہ جعفر بن ابی طالب کے بعد عبداللہ بن رواحہ بھی شہید ہوئے ان کی شہادت کی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی - الخ

دیکھئے اس روایت میں حضرت زید و جعفر دونوں کی نماز جنازہ کے ساتھ وَدَعَالَہٗ اور اس کے لئے دعا مانگی کا صاف طور پر ذکر ہے - جس سے ثابت ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ کے بعد دعا بھی مانگی اور ایسے فعل مبارک نبوی کو مستحب کہا جاتا ہے -

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز چاشت پڑھی ہے اور امام مسلم نے صحیح مسلم میں اس کے ذکر کا باب باندھا ہے "باب استحباب صلوٰۃ الضحیٰ" اسی طرح دو رکعت تحیۃ المسجد کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے - اذا دخل احدکم المسجد فلا یجلس حتی یرکع رکعتین جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھے - اس کا باب بھی امام مسلم نے "باب استحباب تحیۃ المسجد" ہی باندھا ہے - اور ہم رسالہ کی ابتداء میں امام قہستانی صاحب جامع الرموز کے حوالہ سے ایسی سنت کو مستحب اور مستحب کو سنت کہہ دینے کے متعلق فقہا کی اصطلاح ذکر کر آئے ہیں - حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی مواقع میں نماز جنازہ کے بعد دعا مانگی ہے اور یہ مستحب ہے۔

حسب عادت دیوبندی اڑ گئے مثل مشہور ہے "نیت بد را بہانہ بسیار" وہابیوں دیوبندیوں نے چونکہ یہ تہیہ کر رکھا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں مانگنی اس لئے اس کے ثبوت میں کوئی دلیل پیش کر لو اس پر کوئی نہ کوئی اعتراض گھڑ ہی لیتے ہیں - جنگ موتہ کے ان شہداء کی نماز جنازہ کے بعد اس وَدَعَالَہٗ کے صریح لفظ کے باوجود انہوں نے کئی لایعنی اعتراض بھی گھڑ رکھے ہیں جن کی جڑ نکالنا ضروری ہے -

پہلا اعتراض یہ حدیث عبد اللہ بن ابی بکر تابعی نے بیان کی ہے - اس نے صحابی کا جو

اصل راوی سے حوالہ نہیں دیا لہٰذا محدثین کی اصطلاح میں ایسی حدیث مرسل کہلاتی ہے جو قابل حجت و دلیل نہیں۔

جواب | ہم احناف ہیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک حدیث مرسل قابل حجت ہوتی ہے۔ کم از کم مقدمہ مشکوٰۃ کا مطالعہ ہی کرلیا ہوتا۔

و عند ابی حنیفۃ و مالکٍ المرسل مقبولٌ مطلقاً (مقدمہ مشکوٰۃ للشیخ عبدالحق محدث دہلوی ص 4) امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک مرسل حدیث مطلقاً ہر صورت مقبول ہے اور مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی کا مقدمہ فتح الملہم شرح مسلم ہی دیکھ لیتے۔ وہ لکھتے ہیں۔

الحدیث المرسل صحیح یحتج بہ وھو مذھب ابی حنیفۃ ومالکٍ واحمدَ رحمھم اللہ الخ (مقدمہ فتح الملہم ص 78) حدیث مرسل صحیح حدیث ہوتی ہے اس سے حجت ودلیل قائم ہوسکتی ہے امام ابو حنیفہ وامام مالک وامام احمد رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے

دوسرا اعتراض | دیوبندی علماء کہتے ہیں کہ اس روایت میں فَصَلّٰی عَلَیْہِ وَ دَعَالَہٗ نماز پڑھی اور دعا مانگی میں ہوسکتا ہے کہ دعا کا عطف نماز پر عطف تفسیری ہو اور دعا مانگی سے مراد بھی نماز پڑھی ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ نماز پڑھی اور نماز پڑھی اور اذا جا الاحتمال بطل الاستدلال وغیرہ وغیرہ۔

جواب | اس محض بہانہ اور جاہلانہ فریب کا جواب یہ ہے کہ معطوف و معطوف علیہ کا اصل مقصد و مفہوم یہ ہے کہ معطوف خود مقصود ہو شرح جامی میں عطف کے بارے میں نحو کا یہ قاعدہ مصرحہ ہے۔

العطف یعنی المعطوف بالحرف تابعٌ مقصودٌ ۔ الخ یعنی معطوف خودنسبت سے مقصود ہوتا ہے۔

ولا شک ان المعطوف و المعطوف علیہ بتلک الحروف السنۃ مقصودان بالنسبۃ معاً بھذا المعنیٰ الخ (شرح جامی) اور عطف تفسیری میں معطوف خود علیحدہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ معطوف علیہ اور معطوف ایک ہی شے ہوتے ہیں تو عطف تفسیری عطف کا اصل مقصد نہیں بلکہ ایک مستعار و مجازی مفہوم ہے۔ لہٰذا بہ قانون علم نحو صلی علیہ و دعا لہ میں نماز اور دعا کو ایک دوسرے کا عین نہیں بلکہ مغایر ہونا چاہئے۔ عطف تفسیری ہر جگہ نہیں ہوسکتا۔ وہاں ہوگا جہاں عطف کا اصل مفہوم متعذر و مشکل ہوگا۔ اور اس حدیث میں فصلی علیہ و دعا لہ کا ایک دوسرے کا مغایر ہونا قطعاً متعذر نہیں بلکہ فرمان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اذا فرغ احدکم من صلاتہ فَلْیَدْعُ الخ ۔ سے مؤید و ثابت ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دعا مانگو۔ یہ حدیث گزر چکی ہے ہر جگہ ملحوظ رہے۔ اور پھر صحابہ کو بھی فرمان کہ دعا کرو یہ نماز کے اندر ممکن

ہی نہیں جو "دعا لہٗ" کے ساتھ ہی حدیث میں موجود ہے - قرآن میں معطوف اور معطوف علیہ کے باہمی مغایر ہونے کی بھی بیسیوں مثالیں موجود ہیں - یاایھاالذین آمنوا ارکعوا واسجدوا میں " ارکعوا " رکوع کرو اور " واسجدوا " سجدہ کرو میں معطوف سجدہ اور معطوف علیہ رکوع علیحدہ علیحدہ فعل ہیں - باقی رہا اذا جا الاحتمال الخ - تو پہلے احتمال تو ثابت کرو جب تک معطوف اور معطوف علیہ میں اصل مفہوم مغایرۃ متعذر نہ ہو عطف تفسیری کا احتمال ہو ہی نہیں سکتا ثبت الفرش ثم النقش -

کسی اندھے کے پاؤں کے نیچے بٹیرا آگیا اس کو قابو کرکے ساتھیوں کو کہنے لگا کہ جھولیاں باندھ لو- کہیں عطف تفسیری دیکھ لیا تو یہ بھی کہنے لگے کہ ہر جگہ عطف تفسیری بنالو - "نیت بدرا بہانہ بسیار" اسے کہتے ہیں -

فر من المطر وقام تحت المیزاب | ایک مناظرہ میں دیوبندی مناظر اسی پر مصر تھے کہ فصلی علیہ و دعا لہ میں عطف تفسیری ہے اور دعا سے مراد نماز جنازہ ہی ہے - محرر سطور نے ان سے پوچھا کہ صلوٰۃ اور دعا مساوی ہیں یا عام و خاص ؟ کہنے لگے کہ صلوٰۃ دعا سے خاص ہے - کیونکہ صلوٰۃ میں کچھ قیودات ملحوظ ہوتی ہیں مثلاً وضو' استقبال قبلہ اور ہاتھ باندھنا وغیرہ اور دعا میں یہ قیودات نہیں - میں نے کہا کہ تفسیرو تشریح خاص کی عام سے ہوتی ہے یا عام کی خاص سے ؟ کہنے لگے کہ تفسیر عام کی خاص سے ہی ہو سکتی ہے کیونکہ تشریح کسی صفت مخصہ سے ہی ہوسکتی ہے - تو پھر میں نے کہا کہ صلوٰۃ جب خاص ہے اور دعا عام تو یہاں دعا سے صلوٰۃ کی تفسیرو تشریح کیسے ہوسکتی ہے ؟ تو دیوبندی مناظر نے فٹ پینترا بدلا - کہنے لگے چلو ہم دعا سے دعا ہی مراد مان لیتے ہیں مگر دعا تو نماز جنازہ سے پہلے بھی ہو سکتی ہے - اس سے دعا بعد نماز جنازہ کیسے ثابت ہوگی ؟ میں نے کہا کہ چلو ہم بعد میں دعا مانگتے ہیں - آپ پہلے شروع کردیں - میت کا تو ڈبل فائدہ ہو جائے گا مگر آپ کے لئے یک نہ شد دو شد کی یہ مصیبت عظیمہ کیسے برداشت ہوگی ؟ کہنے لگے نہ بھئی ہم تو کہیں بھی نہ مانگیں گے - ماشاء اللہ -

ایک اور اعتراض | اگر غزوہ موتہ والا یہ واقعہ نماز جنازہ اور دعا صحیح تسلیم کرلیا جائے تو دعا تو ثابت ہوجائے گی مگر اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں :

جلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر و کُشِفَ لہ مابینہ و بین الشامفھو ینظر الی معر کنھم یعنی آپ منبر پر بیٹھ گئے اور آپ کے اور ملک شام کے درمیان سے پردے ہٹا دیئے گئے تو آپ نے حالت جنگ دیکھی -

"پردے اٹھا دیئے گئے" سے معلوم ہوا کہ آپ کو علم غیب کلی نہ تھا اور ہر جگہ حاضر ناظر نہ تھے -نیز اس سے نماز جنازہ علی الغائب ثابت ہوجائے گی جو کہ احناف کے نزدیک درست

نہیں۔لہٰذا اس روایت کو ماننے سے پہلے بریلوی علم غیب کلی ثابت کریں اور نماز جنازہ علی الغائب بھی تسلیم کریں۔یہ اعتراض مولوی عبدالرشید نے ایجاد کیا ہے۔دیکھو رسالہ "نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں"

جواب | کل کا معنی ہے ہر چیز جب اس کو کسی کی طرف نسبت کریں گے تو کُلّی کہلاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم قرآن مجید کے ذریعہ عطا ہوئے اگر قرآن مجید میں آمدہ علوم کلی ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کلی کہلائیں گے اور اگر جزی ہیں تو جزی کہلائیں گے۔ قرآن مجید کے علوم کے متعلق خود قرآن مجید میں ہے۔ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ (آخری آیت سورہ یوسف) یعنی قرآن کل شی کی تفصیل ہے۔ دوسری جگہ ہے وَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (سورہ نحل پارہ 14) یعنی قرآن مجید میں کل شی کا بیان ہے۔ دیکھئے قرآن مجید کے علوم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے علوم شہادت ہوں یا علوم غیب کے متعلق نص قطعی ہیں لفظ کل موجود ہے اور ترمذی شریف ج 2 ص 109 کی صحیح حدیث میں ہے فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شَيْءٍ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے علوم کے متعلق فرمایا کہ مجھ پر کل شی ظاہر ہوگئی۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کلی علم شہادت و کلی علم غیب ماننا نص قطعی سے ثابت ہے۔ جس کا ایمان اور عقل ساتھ نہ دے تو اس کی قسمت۔ تفصیل کے لئے دیکھو "الدولۃ المکیہ من مادۃ الغیبیہ" تصنیف امام العلماء العارفین شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز۔ اور اگر آپ کو کوئی شی قرآن مجید میں نظر نہیں آتی تو اس کی وجہ حروف مقطعات و متشابہات کا پردہ ہے جن کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بدرجہ اتم حاصل ہے۔ کچھ علوم آیات محکمات میں ہیں اور باقی متشابہات میں مخفی ہیں جو کلی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہیں۔

عرفائے ربانین اور ان کے متبعین علمائے اہل سنت بریلوی مسلک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین طرح سے حاضر ناظر مانتے ہیں۔

1۔ بحیثیت حقیقت محمدیہ | قرآن مجید میں ہے کہ ظاہر بھی اللہ ہے اور باطن بھی اللہ ہی ہے۔ اولیاللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ذات سے باطن ہے اور تجلیات سے ظاہر ہے۔ تجلیات اسمائے الٰہیہ ہیں اور ظہور کا مرتبہ خارجی ان اسما کے مظاہر حقائق کائنات اور اعیان ثابتہ ہیں۔ اعیان چونکہ جمع ہے اور جمع کا وجود بجز واحد کے ناممکن ہے۔ لہٰذا اعیان کو وجود جمعیۃ واحد عین سے ملا ہے اور وہ تجلی اول کا مظہر و عین الاعیان تجلی اول ہے اور وہی حقیقت محمدیہ ہے۔ دیوبندیوں کے پیشوا مولوی محمد انور شاہ کشمیری نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

تَعَالَى الَّذِيْ كَانَ وَلَمْ يَكُ مَاسِوٰى
وَ اَوَّلُ مَا جَلَى الْعَمَاءُ بِمُصْطَفٰى

(فیض الباری ج 4 ص 2) مرتبہ بُطُوْن عمأ سے اول تجلی ظہور یہی حقیقت محمدیہ ہے اور کائنات کے سارے حقائق میں اور بواسطہ حقائق تمام موجودات میں مفیض و مربی و جاری و ساری و حاضرو ناظر ہے۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے علم حقائق اشیا و علم تجلیات الٰہیہ ضروری ہے اور دقیق النظر و عقل بیدار اور ازحد ذکی ذہن کی ضرورت ہے۔ دیوبندی اور وہابی فرقہ کے علما کے بس کا مسئلہ نہیں کیونکہ یہ لوگ عموماً غبی، مسئلہ وحدت و علوم ربانیہ سے کورے ہوتے ہیں۔ اور اس کو سمجھنے کے لئے کسی اہل وجود یا شہود کی ضرورت ہے۔

دست ہر نااہل بیمارت کنند سوئے مادر آکہ تیمارت کنند (رومی)

نماز کے تشہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر خطاب سلام السلام علیک ایھا النبی کے بارے میں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اور دیوبندی پیشوا مولوی محمد زکریا نے اوجز المسالک شرح موطاامام مالک ج 1 ص 265 اور شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم ج 2 ص 42 وغیر مقلد پیشوا نواب صدیق حسن نے مسک الختام شرح بلوغ المرام اور حضرات التجلی من نفحات التحلی والتخلی ص 2 میں اسی حقیقت محمدیہ کو جاری و ساری موجود فی الکونین تسلیم کیا ہے۔ نیز حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے المکاتیب و الرسائل مطبوعہ بر حاشیہ اخبار الاخیار میں لفظ حاضر و ناظر کا اطلاق کیا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھو تسکین الخواطر حضرت کاظمی صاحب علیہ الرحمۃ۔

2۔ **بحیثیت عالم ماکان وما یکون** حاضر کا معنی عالم کا بھی ہے۔ ردالمحتار شرح در مختار میں ہے فان الحضور بمعنی العلم شائع۔ اور یا حاضِر کا معنی کیا ہے یا عَالِمُ۔ (ردالمحتار ج 3 ص 317) اور ناظر کا معنی دیکھنے والا۔ تو چونکہ مندرجہ ذیل احادیث صحیحہ کی رو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم زمین و آسمان کی ہر چیز کے عالم بھی ہیں اور ہر چیز کو دیکھتے بھی ہیں اس لئے حاضر ناظر بمعنی عالم و ناظر بھی ہیں

نمبر1۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فَعَلِمْتُ مافی السمٰوٰتِ والارضِ یعنی میں زمین و آسمان کی ہر چیز کا عالم ہوگیا (ترمذی شریف ج 2 ص 155)

نمبر2۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِن اللہ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدنیا فانا انظُرُ الیھا و الٰی ماھُوَ کائِنٌ فیھا الٰی یَوْمِ القیمۃِ کانما انْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذِہٖ اللہ نے ساری دنیا اٹھا کر میرے سامنے ظاہر کردی ہے۔ پس میں دنیا اور اس میں قیامت تک ہونے والی ہر چیز کو ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے ہاتھ کی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔ (زرقانی شرح مواہب اللدنیہ ج 7 ص 204)

امام زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں ای اَحَطْتُ بِجَمِیْعِ مَافِیْھا کہ دنیا کی ہر چیز کلیۃً و

احاطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ہے۔ اس معنی بھی بلاریب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر ناظر ہیں۔

3۔ بحیثیت جسمانی حاضر ناظر | از روئے حقیقت محمدیہ و عالم و ناظر زمین و آسمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا مان لینا بھی وہابیوں و دیوبندیوں کے لئے گو ایک مہلک حادثہ سے کم نہیں مگر جسمانی طور پر ہر جگہ بلکہ متعدد جگہ پر بیک وقت موجود و حاضر و ناظر ہونا تو ان کے لئے مرگ مفاجات و قیامت کبریٰ سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ مگر حق آخر حق ہی ہوتا ہے۔ اب دیکھئے وہابیوں کی انچارج جماعت دیوبندیوں کے اکابر پیشوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسمانی طور متعدد جگہ حاضر و موجود ہونا کس طرح ڈنکے کی چوٹ سے مانتے ہیں۔ مولوی حسین احمد مدنی دیوبندی فرقہ کے مدرسہ دیوبند کے مشہور شیخ الحدیث عالم ہوئے ہیں جو مشہور کانگرسی بھی تھے۔ مولوی حسین احمد صاحب کی وفات کے قریب ایام کا ایک واقعہ اس فرقہ کے حضرت لاہوری مولوی احمد علی صاحب آف شیرانوالہ گیٹ لاہور نے رسالہ ہفت روزہ "خدام الدین" میں یوں لکھا ہے۔

خصوصیۃ نمبر3: بیداری میں حضور پاک کی زیارت: آخری رمضان شریف جو بانس کنڈی میں گزرا اور جس میں تقریباً پانچ سو علما و صلحا شرف رفاقت سے بہرہ ور رہے۔ اس مبارک اجتماع کے خوش نصیب شرکا کے متعلق اخبارات میں شائع ہو چکا ہے کہ متعدد حضرات نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھا اور شرف زیارت سے بہرہ ور ہوئے هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا ۔ واضح رہے کہ محققین کے نزدیک وصال کے بعد بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ممکن اور واقع ہے۔ فیض الباری ج1 ص 204 میں الشیخ الانور رحمہ اللہ الاکبر نے تصریح فرمائی ہے کہ ورؤیتہ صلی اللہ علیہ وسلم يُمْكِنْ عِندى يقظةً الى قوله فالرُؤية يَقْظَةً مُتَحَقِّقَةٌ و انكارها جَهْلٌ وراٰهُ الشعرانى وقَرَاءَ عليه البخارى فى ثمانية رُفْقَةٍ اور علامہ سیوطی کے متعلق ج 4 ص 366 میں بھی لکھا ہے کہ اَنَّهُ زَارَ النَّبِىَّ اثنى وَ عِشْرِيْنَ مَرَّةً فى اليَقْظَةِ (رسالہ خدام الدین لاہور بابت 26 دسمبر 1958ء مطابق 14 جمادی الثانی 1378ھ)

واضح رہے کہ امام سیوطی کی وفات 1000 ہجری اور امام شعرانی کی وفات 1100 ہجری میں ہوئی اور مولوی حسین احمد دیوبندی 1377 ہجری مطابق 1957ء میں آنجہانی ہوئے اور بیداری میں زیارت عالم برزخ کی مثالی صورت سے نہیں بلکہ اسی انسانی عنصری جسمانی وجود مسعود سے ہوتی ہے۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصال مبارک سے پہلے مکہ معظمہ و مدینہ عالیہ میں صحابہ کے سامنے جلوہ گر رہے۔ تو قبر میں جلوہ گر ہونے کے نو سو سال بعد امام سیوطی کو ایک ہزار سال بعد

امام شعرانی کو اور بارہ سو سال بعد بمطابق اندراج رسالہ "خدام الدین" لاہور بستی بانس کنڈی کے لوگوں کو اسی حقیقۃً زندۂ جاوید جسم مبارک سے زیارت کرائی - وہی مقدس انسانی عنصری نورانی جسم اقدس جسے صحابہ کرام نے اپنے ہاتھوں سے قبر انور میں دفن کیا اور جو روضہ انور میں جلوہ گر ہے اور جسے ہروقت جن و انس و ملائکہ سلام عرض کرنے سے مشرف ہورہے ہیں -

اب ہم دیوبندیوں سے صرف ایک بات پوچھتے ہیں کہ جس وقت بستی بانس کنڈی میں بقول تمہارے ان متعدد حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی جسم مبارک مدفون مدینہ طیبہ کی زیارت ہوئی اس وقت آپ اسی وجود مسعود سے مدینہ طیبہ میں قبر انور میں بھی موجود تھے یا نہیں ؟ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر انور سے نکل کر اور روضہ انور چھوڑ کر بستی بانس کنڈی میں تشریف لے گئے تھے تو اس وقت حاضرین روضۂ انور نے سلام کس کو دیئے ؟ کیا روضۂ انور پر سلام پیش کرنے والوں کی اتنا وقت چھٹی کرادی گئی تھی ؟

میرے خیال میں تو کوئی باحیا و باایمان شخص ایسی بات نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف بانس کنڈی میں تھے اور قبر انور خالی ہوگئی تھی اور سلام کرنے والے خالی قبر انور کو ہی سلام کہتے رہے - اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت بانس کنڈی میں بھی زیارت کرا رہے تھے اور قبر انور میں بھی موجود تھے تو یہی عقیدہ حاضرو ناظر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطور خرق عادت و معجزہ بیک وقت پوری کائنات میں جلوہ گر ہیں- آپ کو آنے جانے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ جس خوش نصیب پر کرم ہوتا ہے اس سے حجاب اٹھا دیا جاتا ہے اور ہر جگہ زیارت ہوجاتی ہے - صرف محجوب ہی محروم ہیں - کسی کی کھوپڑی میں یہ بات نہیں آتی تو نہ آئے واقعۃً و شہادۃً بلکہ دیوبندیوں کے اقراراً حقیقۃً و علماً و وجوداً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر جگہ موجود و حاضرو ناظرو مفیض و مُقَوِّمُ کونین ہیں - فصلی اللہ علیک وسلم یا رسول اللہ -

نماز جنازہ علی الحاضر باقی رہا منکرین کا یہ بہانہ کہ جنگ موتہ کے واقعہ سے نماز جنازہ علی الغائب ثابت ہوتی ہے تو یہ بھی خیال خام ولغو و بیہودہ اعتراض ہے - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی نماز جنازہ صرف شہدائے موتہ پر ہی نہیں پڑھی بلکہ شاہ حبشہ نجاشی اور معاویہ بن معاویہ مُزَنی کی نماز جنازہ بھی پڑھی- احناف کے نزدیک یہ سب جنازے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے رکھوا کر پڑھے -

نجاشی کا جنازہ مدینہ طیبہ میں حاضر تھا فقہا احناف میں ملقب بہ ملک العلما امام کاسانی لکھتے ہیں:

روی اَنَّ الْاَرْضَ طُوِیَتْ لَہٗ- روایت ہے کہ نجاشی کی نماز جنازہ کے وقت زمین سمیٹ دی گئی اور اس کا جنازہ مدینہ طیبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا گیا تو

آپ نے حاضر میت پر نماز جنازہ پڑھائی (بدائع الصنائع ج 1 ص 312)

معاویہ بن معاویہ مزنی کا جنازہ بھی حاضر تھا امام ابن ہمام فتح القدیر میں کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں تھے کہ آپ کے صحابی معاویہ بن معاویہ مدینہ طیبہ میں فوت ہوگئے - فرشتہ جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوا اور عرض کی:

اتحب انْ اَطْوِیَ لکَ الْاَرْضَ فَتُصَلِّیَ عَلَیْہِ فرُفِعَ لَہٗ سَرِیْرُہٗ فصلّٰی عَلَیْہِ الخ -

یا رسول اللہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ زمین سمیٹ دوں اور آپ معاویہ کی نماز جنازہ یہیں تبوک میں پڑھا دیں تو فرشتے نے معاویہ کا جنازہ مدینہ طیبہ سے اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تبوک میں پیش کردیا پھر آپ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی (فتح القدیر ج 1 ص 452 - طحاوی علی مراقی الفلاح ص 352 و طبقات ابن سعد وغیرہ)

شہدائے جنگ موتہ کے جنازے بھی مدینہ طیبہ میں حاضر تھے امام طحاوی لکھتے ہیں:

ومِثْلُ ما ذُکِرَ یقال فی صلاتہ صلی اللہ علیہ وسلم علی زیدِبْنِ حارِثَۃَ و جعفرِ بن ابی طالبٍ حین اُسْتُشْہِدَ بمُوْتَۃَ قال فی البحر و قد اثبتَ کِلًا من الْاَوَّلَیْنِ بالدلیل الْکَمَالُ (طحاوی ص 352) جیسا کہ نجاشی و معاویہ کی نماز جنازہ غائب پر نہ تھی بلکہ ان کی نعشیں حاضر کر کے نماز پڑھی گئی تھی ایسے ہی شہدائے موتہ کی نماز جنازہ بھی ان کو مدینہ طیبہ میں سامنے رکھوا کر پڑھی گئی - امام کمال بن ہمام نے فتح القدیر میں اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح ثابت کردیا ہے -

دیوبندیوں کا آخری بہانہ مشہور ہے کہ "نیت بدرا بہانہ بسیار" - منکرین مستحبات ہر امر مستحب کو بدعت بنانے کے شوق میں بہانہ سازی کے بڑے ماہر و ماسٹر ہوتے ہیں - ایک مناظرہ میں اسی واقعہ جنگ موتہ کے متعلق ایک دیوبندی مولوی نے کہا تھا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو شہدا کی نماز جنازہ وہیں میدان جنگ میں کیوں نہ پڑھائی اور ان کی نعشیں اپنے پاس کیوں منگوائیں؟ اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موتہ میں حاضر نہ تھے - بس وقتی کشف سے آپ کو موتہ دکھا دیا گیا جیسا کہ اس روایت کے الفاظ وکُشِفَ لہ ما بینہ وبین الشام سے ظاہر ہے -

جواب الفاظ وکُشِفَ لَہٗ الخ - سے مراد کشف توجہ ہے کشف علم نہیں - آپ کا انکشاف علمی تو دائمی تھا - دوسری حدیث اِنَّ اللہَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدنیا الخ - جو کہ عنقریب ہی گزری ہے کی شرح میں امام زرقانی کہتے ہیں قد رفع ای اُظْہِرَ وَ کُشِفَ لی الدنیا ای اَحَطْتُ بِجَمِیْعِ مَافِیْھا اور حدیث کے الفاظ اِلٰی یَوْمِ الْقِیامَۃِ کا قرینہ واضح بتا رہا ہے کہ یہ کشف محیط و دائمی تھا - دیکھو زرقانی ج 7 ص 203 ' نیز آپ کے رسالہ خدام الدین لاہور کے

مذکورہ حوالہ کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر بانس کنڈی میں بھی جلوہ گر اور مدینہ طیبہ میں بھی جلوہ گر اور دونوں جگہ موجود و حاضر تھے تو موتہ میں بھی اپنے معجزاتی وجود سے ظہور فرما کر نماز جنازہ پڑھا سکتے تھے ۔ مگر نماز جنازہ باجماعت پڑھائی تھی ۔ موتہ کے مجاہدین تو جنگ میں مصروف تھے ۔ جماعت مدینہ طیبہ کے صحابہ کرام کے ساتھ کرائی تھی جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح معجزاتی حاضر ناظر وجود کے ساتھ ہر جگہ ہر وقت حاضر ناظر نہ تھے اس لئے شہدائے موتہ کے جنازے مدینہ طیبہ میں اٹھوا کر نماز جنازہ با جماعت پڑھا دی ۔ معجزہ نبی علیہ السلام کا انکار اور پھر اس پر ہر نکتہ چینی آپ کے دل آخر کیوں اس قدر خوف خدا و شرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی ہو گئے ہیں ؟ باقی رہا کہ اس سے مسجد میں نماز جنازہ ثابت ہوتی ہے تو لَوْ اٰمِنَ التَلوِيث لَمْ نَكْرَهَ عَلٰى سَائِرِ الْوُجُوْهِ پڑھ لیجئے (مراقی الفلاح طحاوی ص 360) تلوث کا خطرہ نہ ہو تو مسجد میں نماز جنازہ ہر طرح جائز ہے ۔

دلیل نمبر 23 حدیث نمبر 13 طلحہ بن برا جلیل القدر صحابی تھے فوت ہوئے تو رات ہی میں دفن کر دیئے گئے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور قبر پر ان کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے بعد دعا مانگی ۔

ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ وقال اللهم الق طلحة يضحک اليک و انت تضحک اليه (عون المعبود شرح ابوداود و مظاہر حق شرح مشکوٰۃ ج 5 ص 319 طبع کراچی) (یہی دعا ان کے لئے طبقات ابن سعد ج 4 ص 354 طبع بیروت میں بھی مذکور ہے) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ کے بعد دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ اے اللہ ! طلحہ سے اس طرح مل کہ یہ تجھ سے مسکرائے اور تو اس سے مسکرائے ۔

"مظاہر حق" اور "عون المعبود" دونوں دیوبندیوں کے نزدیک معتبر کتابیں ہیں ۔ اس روایت سے بالکل واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ سے سلام پھیر کر دونوں ہاتھ مبارک اٹھا کر نماز جنازہ کے بعد دعا مانگی ۔ حدیث کا لفظ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ ہے ۔ جس کا معنی ہے پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی یعنی نماز کے بعد دعا مانگی ۔ اس سے منکرین دعا بعد نماز جنازہ کا یہ فریب بالکل کافور ہو گیا کہ نماز جنازہ خود دعا ہے اور اس کے بعد دعا کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جنازہ کے اندر ہاتھ اٹھا کر تو دعا مانگی ہی نہیں جاتی ۔ وما علینا الا البلاغ ۔

دلیل نمبر 24 حدیث نمبر 14 صحیح حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لئے دعا کی ۔ وَصَلّٰى عليه و قال اَللّٰهُمَّ اغْفِرْهُ وَ ارْحَمْهُ وَ اَدْخِلْهُ جَنَّتَكَ اے اللہ ! اسے بخش دے اس پر رحم فرما اور اسے اپنی جنت میں داخل فرما ۔

(سلطان الفقہ ج 2 ص 20)

صاحب سلطان الفقہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ منکرین دعا بعد نماز جنازہ کے لئے صاحب سلطان الفقہ کے الفاظ "حدیث صحیح میں ہے" چیلنج بھی ہیں اور قضائے مبرم بھی کیونکہ وہ اپنے خلاف ہر حدیث کو ضعیف بنانے کے گرو ہوتے ہیں اور یہ حدیث صحیح ہے۔

دلیل نمبر 25 حدیث نمبر 15 ایک صحابی نماز جنازہ کے بعد دعا کر رہا تھا تو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اور دعا کر! تیری دعا قبول ہے"

والبدائة بالثناء و الصلوٰة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سنة الدعا تحصیلاً للاجابة و انہ روی ان رسول اللہ علیہ وسلم رائی رجلا فَعَلَ ھکذا بعد الفراغ من الصلاة فقال صلی اللہ علیہ وسلم اُدْعُ فَقَدْ اُسْتُجِیْبَ لَکَ (عنایہ شرح ہدایہ بر حاشیہ فتح القدیر ج 1 ص 461 طبع مصر)

نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد ثنا الٰہی اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف اس لئے مشروع ہے کہ تیسری تکبیر کے بعد دعا مانگی ہوتی ہے اور دعا کی قبولیت کے لئے سنت طریقہ یہ ہے کہ دعا سے پہلے حمد و ثنا اور درود شریف پڑھا جائے پھر دعا مانگی جائے۔ اور حدیث میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ کے بعد ایک صحابی کو پہلے حمدِ الٰہی پھر درود شریف اور پھر میت کے لئے دعا مانگتے دیکھا تو فرمایا "تیری دعا قبول ہوگئی"۔

اس روایت کو صاحب عنایہ شرح ہدایہ امام اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی رومی متوفی 786 ھ نے اور صاحب کفایہ شرح ہدایہ سید جلال الدین کرلانی نے بھی ذکر کیا ہے۔ مولوی محمد سعد اللہ لکھنوی ثم رام پوری نے بھی اپنے فتاویٰ سعدیہ ص 131 میں گو بوجہ سایہ نجدیت اسے اس دعا مانگنے والے کے ساتھ مخصوص بنا دیا ہے مگر کفایہ شرح ہدایہ میں اس روایت کو تسلیم کیا ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے:

وحدیثے کہ از کفایہ بایں الفاظ منقول شدہ روی ان رجلا فعل ھکذابعد الصلوٰة فراٰہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال قد استجیب لک (فتاویٰ سعدیہ طبع مجتبائی دہلی ص 131) یعنی کفایہ شرح ہدایہ سے جو حدیث منقول ہے کہ روایت ہے کہ ایک صحابی نے پہلے ثنا الٰہی پھر درود شریف پڑھ کر پھر دعا بعد فراغت از نماز جنازہ مانگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس طرح دعا بعد نماز جنازہ دیکھ کر فرمایا کہ تیری دعا قبول ہے۔

اس کے بعد مولوی محمد سعد اللہ صاحب حسب عادت منکرین دعا بعد نماز جنازہ حدیث نبوی میں ناجائز مداخلت کرتے ہوئے مرض نجدیت کے جراثیم یوں پھیلاتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا تو کفایہ شرح ہدایہ سے منقول اس حدیث سے ثابت ہے مگر "ظاہراً مخصوص برائے مخاطب است و اللہ اعلم" (فتاویٰ سعدیہ ص 131) یعنی یہ دعا بعد نماز جنازہ اور اس کا مقبول ہونا ظاہراً اسی صحابی کی

دعا کے ساتھ خاص ہے اور کوئی دعا نہیں کرسکتا (لاحول ولا قوۃ الا باللہ)
دیکھ لئے آپ نے کسی حدیث سے جان چھڑانے کے نجدی بہانے - اس حدیث میں کون سا لفظ ہے جس سے ایسی دعا کی اسی دعا مانگنے والے کے ساتھ خصوصیت ثابت ہو رہی ہے - مولوی محمد سعد اللہ کو کوئی الہام ہوگیا یا لکؔ کی ضمیر خطاب سے اسے ظاہراً مخصوص بہ مخاطب بنا بیٹھے؟ کی ہے کہ ضد میں عقل کی بھی چھٹی ہو جاتی ہے - کیا مفتی صاحب ایسے عالم تھے کہ عنایہ میں انہیں الفاظ سنۃ الدعاء تحصیلاً للاجابۃ اور پھر فعل ھکذا نظر نہیں آئے - یا اس کا مفہوم سمجھنے سے ہی قاصر تھے - روایت کا صاف مطلب ہے کہ اس شخص نے چونکہ دعا سے پہلے سنت تحصیل اجابت دعا، ثنا الٰہی و درود شریف پڑھ کر دعا مانگی تھی - آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح دعا کرنے سے تیری دعا قبول ہوگئی - صاحب عنایہ و کفایہ یہی بتا رہے ہیں کہ دعا کی قبولیت کے لئے یہ سنت دعا، ثنا الٰہی و درود و نماز جنازہ کے اندر بھی اسی لئے جاری کی گئی ہے کہ دعا قبول ہو اور اس کی دلیل یہ دے رہے ہیں کہ ایک صحابی نے بعد نماز جنازہ ھکذا یعنی اسی طریقہ سے کہ پہلے حمد الٰہی اور درود شریف پڑھ کر میت کے لئے دعا کی تھی تو اسے مقبولیت دعا کا مژدہ دے دیا گیا تو حدیث مذکور میں قبولیت دعا کی خصوصیت کا اس صحابی سے قطعاً کوئی تعلق نہیں بلکہ خصوصیت قبولیت کا تعلق فعل ھکذا سے ہے - مفتی صاحب 1294ھ میں آج سے 123 سال پہلے فوت ہوچکے ورنہ ہم ان سے ان کے فقرہ " ظاہراً مخصوص برائے مخاطب است " کا سارا ظاہر باطن پوچھ لیتے اور اس ڈھکا شاہی کی وجہ خصوصی بھی ان سے دریافت کرنے کے ساتھ ساتھ ان سے حدیث حضرت معاذ بن جبل کے کشف اسرار بھی کرا لیتے کہ:

> حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حضرت معاذ بن جبل کو حاکم یمن بنا کر روانہ فرما رہے تھے تو ان سے دریافت فرمایا کہ فیصلے کس سے کرو گے - انہوں نے کہا کہ قرآن مجید سے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر قرآن شریف میں تمہیں سمجھ نہ آئے تو پھر کیا کرو گے - انہوں نے کہا کہ آپ کی سنت سے - آپ نے فرمایا کہ اگر میری سنت سے بھی سمجھ نہ آیا تو پھر کیا کرو گے - انہوں نے کہا کہ اَجْتَہِدُ بِرَایِٔی پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد و (قیاس) کر کے فیصلے کروں گا- اس پر آپ نے خوش ہو کر فرمایا الحمد للہ - الخ - (مسند امام احمد وغیرہ نور الانوار ص 224)

حضرت معاذ کے جملہ اجتہد برائی کو جملہ علمائے امت نے سرچشمہ جواز اجتہاد و قیاس قرار دیا ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسے مسائل میں جن کا حکم کتاب و سنت سے دریافت نہ ہو، رائے سے اجتہاد کرنے کی اجازت فرمائی - لہذا اب تا قیامت بشروط معتبرہ

ایسے مسائل میں جو کتاب و سنت سے دریافت نہ ہوں مجتہدین کو اجتہاد و قیاس سے فیصلہ کرنے کی اجازت ہے۔

مفتی سعد اللہ والا قانون ناموزوں بلا قرینہ خصوصیت ہر جگہ چالو کر دیا جائے تو جس طرح حدیث مذکور میں لَکَ ضمیر خطاب ہے اسی طرح حدیث معاذ بن جبل میں بِرائی میں یائے متکلم ہے تو جس طرح مفتی صاحب دعا کو اس صحابی سے خاص کرکے دوسرے لوگوں کے لئے دعا کو مکروہ کہہ کر دعا بعد نماز جنازہ کا تیا پانچہ کر رہے ہیں اسی طرح اجتہاد و قیاس کو بھی حضرت معاذ سے خاص کرکے تمام ائمہ مجتہدین و تمام فقہ ائمہ اربعہ کا تختہ نکال کر میدان صاف کر دیں۔

بہر حال حدیث مذکور میں بغیر کسی شخص کی خصوصیت کے مطابق سنت اجابت دعا نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے اور مفتی صاحب مذکور کا اس صحابی کی دعا کو بعد نماز جنازہ تسلیم کرلینے کے بعد اس کی خصوصیت کا دعویٰ محل نظر و باطل و مردود ہے۔

دلیل نمبر 26 حدیث نمبر 16 صحابہ کرام نماز جنازہ کے بعد دعا مانگتے تھے ولنا ماروِیَ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما و ابن عمر رضی اللہ عنہما انہما فاتتہما الصلوٰۃ علی جنازۃ فلما حضر اما زادا علی الاستغفار لہ (مبسوط امام سرخسی ج 2 ص 67 طبع مصر) (بدائع الصنائع ج 1 ص 311) یعنی ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر یہ دونوں جلیل القدر صحابی ایک جنازہ کی نماز جنازہ ہوجانے (سلام پھیرنے کے بعد پہنچے تو انہوں نے اس کے لئے صرف دعا کی۔

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوگئے:

نمبر1۔ یہ کہ صحابہ کرام ایک دفعہ نماز جنازہ ہو چکنے کے بعد دوبارہ نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔

نمبر2۔ یہ کہ نماز جنازہ کے بعد وہ دعا مانگتے تھے۔

اس حدیث میں بعد نماز جنازہ ثابت دعا کے لئے منکرین دعا کا یہ فریب بھی نہیں چل سکتا کہ اس سے مراد نماز جنازہ کے اندر والی دعا ہے کیونکہ یہ دونوں حضرات تو نماز جنازہ میں شامل ہی نہیں ہوسکے تھے۔ اور نہ ہی اس سے جنازہ اٹھانے کے بعد کوئی دعا مراد ہوسکتی ہے کیونکہ راستہ میں آکر اور دعا کرکے جنازہ کو چھوڑ کر واپس چلے جانا بھی ایسے بزرگوں کی شان کے لائق نہیں ہوسکتا۔

اور نہ ہی اس سے دفن کے بعد والی دعا مراد ہوسکتی ہے کیونکہ دفن کے بعد دعا مانگ کر تو سب لوگ اکٹھے واپس ہوتے ہیں صرف ان دونوں کی دعا کا کوئی مفہوم نہیں ہوسکتا۔ ہاں نماز جنازہ کے بعد دوسرے نماز پڑھنے والوں کی دعا میں شامل ہو کر بعض نمازی عام اجازت ہوجانے کے بعد ان کے ساتھ صرف دعا مانگ کر گھروں کو چلے جاتے ہیں

دلیل نمبر 27 حدیث نمبر 17 عن نافع قال ان ابن عمر اذا انتھی الی الجنازۃ وقد

صَلّٰی علیہ دَعَا و انصرف ولم یُعِدِ الصَّلٰوۃَ (الجوہرا لنقی ذیل السنن البیقی ج 4 ص 48)
حضرت نافع سے روایت ہے کہ ان کے والد حضرت عبداللہ بن عمر جب بھی کسی ایسے جنازہ پر پہنچتے کہ نماز پہلے پڑھی جاچکی ہوتی تو نماز جنازہ کے بعد دعا مانگتے اور صرف اسی پر کفایت کرتے۔ نماز جنازہ دوبارہ نہ پڑھتے تھے اور واپس ہوجاتے تھے۔

یہ حدیث اس مسئلہ میں صریح ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا سنت صحابہ ہے بلکہ یہ ان کی اپنی عادت تھی۔ اس حدیث میں الفاظ اذا انتھی الی الجنازۃ وَقَدْ صُلّیَ علیہ میں حرف اذا ظرفیہ اور واوٗ حالیہ اس پر واضح دلیل ہیں۔ اس فقرہ میں واوٗ حالیہ گو نماز جنازہ کی چوتھی تکبیر کے بعد سے ہر وقت کو شامل ہے مگر اللہ تعالیٰ عقل کی رتی بھی دے دے تو جنازہ میں شامل ہو کر واپس ہونے والوں کی عادت جاریہ بتاتی ہے کہ معذوری یا کسی مصروفیت کی وجہ سے قبرستان تک نہ جانے والے لوگ یا تو نماز جنازہ کی دعا کے بعد جنازہ اٹھاتے ہی واپس ہوجاتے ہیں اور یا پھر دفن کرا کر اکٹھے واپس آتے ہیں۔ یہاں دَعَا وَ انْصَرَفَ صیغہ واحد ہے جو بتارہا ہے کہ نماز جنازہ کے ساتھ والی دعا میں ہی شامل ہو کر آپ اکیلے بوجہ معذوری ضعف واپس آجاتے تھے۔ تو یہ دعا نہ تو نماز کے اندر والی ہوسکتی ہے اور نہ ہی بعد دفن والی۔ اور امام بیہقی کے "باب الصلوٰۃ علی القبر" کا جواب بھی احناف کی طرف سے دعا متصل نماز جنازہ پڑھ کر واپس ہوجانے سے موزوں بنتا ہے کہ عبداللہ بن عمر تو جنازگاہ میں ہی نماز جنازہ کے بعد دعا مانگ کر واپس آجاتے تھے قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صاحب الجوہرا لنقی علامہ علاؤالدین حنفی اس روایت سے یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔"نیت بدرا بہانہ بسیار" کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں

دلیل نمبر 28 حدیث نمبر 18

حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ کے بعد دعا مانگی۔ عمیرؓ بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت علی نے یزید بن مکفف پر نماز جنازہ پڑھی۔ سلام پھیر کر اس کی چارپائی کے پاس آئے اور دعا کی:

قال صَلَّیْتُ مَعَ عَلِیٍّ عَلٰی یَزِیْدَ بْنِ الْمُکَنَّفِ فکبَّرَ عَلَیْہِ اَرْبَعاً ثُمَّ مَشٰی حَتّٰی اَتَاہُ فقال اللھم عَبْدُکَ وَ ابْنُ عَبْدِکَ فَاغْفِرْلَہٗ ذَنْبَہٗ وَ وَسِّعْ مُدْخَلَہٗ الخ (مصنف ابن ابی شیبہ ج 3 ص 331 طبع کراچی) یعنی نماز سے سلام پھیر کر حضرت علی پھر چلے حتی کہ اس میت کے پاس آئے اور کہا (دعا کی) اے اللہ یہ تیرا بندہ ہے اور تیرے بندے کا بیٹا ہے۔ اسے بخش دے اور اس کی قبر کھول دے۔

صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی نے نماز جنازہ کے بعد دعا کی۔ کیونکہ مَشٰی اِلَیْہِ اس کی طرف چلے نماز کے بعد ہی ہوسکتا ہے نماز کے اندر کوئی بھی نہیں چل سکتا اور نہ ہی دفن کے بعد چلنا متصور ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس وقت تو سب قبر کے اوپر موجود ہوتے ہیں۔ البتہ نماز کے وقت

اگر حضرت علی مقتدی تھے تو میت اور امام سے پچھلے مقتدیوں کا فاصلہ ظاہر ہے اور امام تھے تو بھی چار پانچ فٹ کا فاصلہ ہوتا ہے۔ وہابیوں دیوبندیوں نے نماز جنازہ کے بعد دعا نہ مانگنے کی اگر قسم اٹھا رکھی ہے تو اس کا علاج ہمارے پاس کوئی نہیں ہے۔

دلیل نمبر 29 حدیث نمبر 19 | عن عائشه زوج النبی صلی الله علیه وسلم انها اَمَرَتْ اَنْ یَمُرَّ علیها سعدُ بن ابی وقاص فی المسجد حین مات لِتَدْعُوْلَهٗ (موطا امام مالک ص 211 طبع کراچی) ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے صحابہ کو کہا کہ وفات کے بعد سعد بن ابی وقاص کا جنازہ مسجد میں سے گزارا جائے تاکہ عائشہ سعد کے لئے دعا کریں۔ صحیح مسلم ج ا ص 313 میں بھی اس سے ملتی جلتی روایت عبداللہ بن زبیر سے موجود ہے۔ مسلم کی روایت میں عائشہ کی بجائے ازواج النبی اور لتدعولہ کی بجائے فیصلین علیہ کے الفاظ ہیں مطلب ایک ہی جنازہ پر دعا مانگنے کا ہے۔

ام المؤمنین عائشہ و دوسری امہات المومنین ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کا جنازہ مسجد میں سے گزارنے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ ان کے حجروں کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے اور وہ سب حضرت سعد کے جنازہ کے لئے دعا کرنا چاہتی تھیں۔ بہر حال اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل حل ہوگئے:

نمبر1 نماز جنازہ کے بعد دعا کی بڑی اہمیت ہے۔ امہات المؤمنین جو کہ سب سے زیادہ نیکی شناس اور فیضان قرب نبوی سے منور تھیں نے بعد غسل و نماز جنازہ حضرت سعد کا جنازہ مسجد میں بلوایا تاکہ بعد نماز جنازہ اس پر وہ بھی دعا کریں۔

نمبر2 نماز جنازہ کے بعد دعا صحابہ کرام و امہات المؤمنین کے نزدیک امر محبوب و مستحب و مفید میت ہے۔ صحابہ کرام نے جنازہ لا کر رکھا۔ امہات المؤمنین نے دعا کی۔ کسی صحابی نے اس پر اعتراض نہیں کیا کہ نماز جنازہ تو خود دعا ہے جو ایک دفعہ ہو چکی اب دعا کی کیا ضرورت ہے۔ جیسا کہ آج کل کے دیوبندی مولوی کہہ رہے ہیں۔

دیوبندی فریب | بہانہ اور اعتراض کے ہاتھ بھی بڑے لمبے ہوتے ہیں۔ ہر بات پر اعتراض کرنا بڑا آسان ہوتا ہے۔ منکرین دعا بعد نماز جنازہ نے چونکہ ہر صورت کوئی دلیل بھی نہیں ماننی اس لئے ہو سکتا ہے ہی نہیں بلکہ ضرور وہ یہ شوشہ چھوڑیں گے کہ ہو سکتا ہے کہ امہات المؤمنین نے نماز جنازہ سے پہلے یہ دعا مانگی ہو۔ تو بعد نماز جنازہ یہ دعا کیسے ثابت ہو گئی؟

جواب | ہم نے بھی تہیہ کر رکھا ہے کہ ان کے دجل و فریب کی جڑ اکھیڑ کر ہی ان کی خدمت کریں گے۔ تو نماز جنازہ سے پہلے یہ دعا ہونے کا یہ بہانہ بھی سراسر جہالت و غباوت ہے۔ حضرت سعد کی وفات مدینہ طیبہ سے 10 میل دور بمقام عقیق ان کے مکان میں ہوئی۔ وہاں سے

ان کا جنازہ مدینہ طیبہ لایا گیا۔ 55ھ میں اس وقت کے والی مدینہ طیبہ مروان بن حکم نے پہلے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر امہات المؤمنین نے ان کا جنازہ مسجد نبوی میں منگوا کر بعد نماز جنازہ ان کے لئے دعا کی۔ امام ابن جوزی لکھتے ہیں:

مات سَعْدٌ فی قَصْرِہ بالعَقِيْقِ علی عشرۃ امیالٍ من المدینہ فحمل علی رقاب الرجال الی المدینۃ و صلّی علیہ مروان بن الحکم و ھو یومئذٍ والی المدینۃ ثم صلی علیہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حجر ھن و دفن بالبقیع الخ (صفۃ الصفوۃ ج 1 ص 140 طبع حیدر آباد دکن) حضرت سعد مدینہ سے دس میل دور بمقام عقیق اپنے مکان میں فوت ہوئے تو لوگ انہیں گردنوں پر اٹھا کر مدینہ لائے۔ والی مدینہ مروان بن حکم نے ان پر نماز جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے اپنے حجروں میں دعا کی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے (یہی مضمون صفۃ الصفوۃ کے حوالے سے امام محب طبری کی ریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ المبشرۃ ج 2 ص 333 میں بھی موجود ہے)

اب تو ثابت ہو گیا کہ دعا بعد نماز جنازہ صحابہ کرام وامہات المومنین کے نزدیک محبوب و مستحب ہے

پھر ایک اور چکر چکر باز آدمی ہر چکر چلاتا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی منکر یہ کہہ دے کہ امہات المؤمنین نے تو نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی اس لئے بعد نماز جنازہ دعا کر لی۔ جو شخص نماز جنازہ پڑھ لے اس کے لئے دوبارہ دعا کرنا منع ہے۔

جواب یہ بھی تمہارا سراسر جھوٹ ہے۔ ابھی دلیل نمبر 28 میں ہم ثابت کر آئے ہیں کہ حضرت علی نے یزید بن مکفف کی نماز جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد حضرت علی نے ہی اس کی چارپائی کے پاس کھڑے ہو کر اس کے لئے دعا بھی مانگی۔ ہر پنجگانہ نماز فرض کے التحیات کے بعد رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً کی دعا مانگ کر سلام کے بعد پھر دوبارہ دعا کیوں مانگتے ہو؟ ورنہ نماز جنازہ میں دعا مانگ کر بعدہ دوبارہ دعا پر یہ پابندی کیوں؟ شریعت محمدیہ میں دعا پر دعا کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔ تم کون ہو پابندی لگانے والے؟ باقی رہا بعض فقہا کی عبارات میں لفظ لِاَنَّہٗ دَعَا مَرَّۃً کہ وہ ایک دفعہ دعا کر چکا اس کا صحیح مطلب بھی ہم فقہا کی عبارات کی وضاحت کے بیان میں عنقریب ہی واضح کرنے والے ہیں۔ انتظار کیجئے۔

دلیل نمبر 30 حدیث نمبر 20 و عبداللہ بن سلام فاتتہ الصلوٰۃ عَلٰی جَنَازَۃِ عُمَرَ فَلَمَّا حَضَرَ قَالَ اِنْ سَبَقْتُمُوْنِیْ بِالصَّلٰوۃِ عَلَیْہِ فَلَا تَسْبِقُوْنِیْ بِالدُّعَاءِ لَہٗ (مبسوط سرخسی ج 2 ص 67 طبع مصر و بدائع الصنائع ج 1 ص 311 طبع مصر) حضرت عبداللہ بن سلام امیر المومنین حضرت عمر کی نماز جنازہ سے رہ گئے۔ پہنچے تو سلام پھر چکا تھا۔ تو آواز دی کہ ٹھہرو نماز تم نے پہلے

پڑھ لی اب دعا میں تو مجھے شامل کرلو۔

یہ مبسوط امام سرخسی - امام اعظم ابو حنیفہ کے مذہب کی کتب ظاہر الروایت و ظاہر المذہب میں سے وہ معتمد علیہ و حرف آخر کتاب ہے جس کے متعلق پوری دنیائے حنفیہ کا یہ فیصلہ ہے کہ:

قال العلامہ الطرطوسی لا یعمل بما یخالفہ ولا یرکن الا الیہ ولا یفتی ولا یعول الا علیہ (رد المحتار ج ۱ ص 69) علامہ طرطوسی نے کہا ہے کہ امام سرخسی کی مبسوط کے فیصلہ کے خلاف کسی اور حنفی فقیہ کے فتویٰ پر عمل نہ کیا جائے اور فقہائے احناف کے مختلف اقوال کے وقت اسی مبسوط کے فیصلہ پر ہی اعتماد کیا جائے اور اسی پر ہی فتویٰ دیا جائے۔

اور بدائع الصنائع کو بھی فقہ احناف میں بلند ترین مقام حاصل ہے۔ فقہائے احناف نے اس کے مصنف امام کاسانی کو ملک العلماء کے خطاب سے مانا ہے۔ یہ روایت بابت دعا بعد سلام نماز جنازہ احناف کی ان دونوں معتمد علیہ کتابوں میں موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام کے نماز جنازہ سے رہ جانے کے بعد نماز جنازہ کے بعد والی دعا میں شمولیت کی اہمیت کے متعلق ان کے یہ الفاظ اِنْ سَبَقْتُمُوْنِیْ بِالصَّلَاۃِ عَلَیْہِ فَلَا تَسْبِقُوْنِیْ بِالدُّعَاءِ لَہٗ کہ اگر تم نے نماز مجھ سے پہلے پڑھ لی ہے تو نماز جنازہ کے بعد والی دعا میں تو مجھے شامل کرلو۔ منکرین دعا بعد نماز جنازہ کے علی الرغم صاف صاف بتا رہے ہیں کہ نماز جنازہ کے سلام کے بعد صحابہ کرام دعا مانگتے تھے اور ایسے جلیل القدر صحابی عبداللہ بن سلام نے ان کے ساتھ مل کر بعد سلام نماز جنازہ اجتماعی دعا مانگی ۔لہذا بعد سلام نماز جنازہ دعا مانگنا سنت صحابہ و مستحب ہے۔

سبق کا معنی ہے تقدم سبق کا معنی کوئی کام پہلے کرلینا۔ لَا تَسْبِقُوْنِیْ بِالدُّعَاءِ لَہٗ کا معنی ہے مجھ سے پہلے دعا نہ مانگو۔ یعنی نماز تو پہلے پڑھ لی مجھے دعا میں شامل کرلو۔ ظاہر ہے کہ عبداللہ بن سلام جب پہنچے تو نماز جنازہ ہو چکی تھی اور حاضرین جنازہ بعد نماز جنازہ دعا مانگنے والے تھے۔ اور عبداللہ بن سلام ذرا دور تھے۔ نماز سے سلام پھرتے انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ دعا میں شمولیت کے شوق میں آواز دی کہ ذرا ٹھہرو دعا مجھ سے پہلے نہ مانگو۔

یہ حدیث منکرین دعا بعد نماز جنازہ کے لئے ایک چیلنج اور ان کی خارجیت نجدیت و دیوبندیت کو ھباءً منثورا کرنے کے لئے قیامت کبرٰی سے کچھ کم نہیں۔ اس سے بھاگنے کے لئے حسب عادت و مجبوری نجدیت انہوں نے بے شمار جاہلانہ بلکہ مجنونانہ ترلے مارنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ ان کے "مرتا کیا نہ کرتا" قسم کے حیلے یہ ہیں۔

بہانہ نمبر1 ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بن سلام حضرت عمر کی وفات و جنازہ و دفن کے بعد دوسرے تیسرے روز آئے ہوں اور کہا ہو کہ دعا مجھ سے پہلے نہ کرو۔

جواب اگر وہ دفن کے بعد آئے تو پھر پہلے نماز پڑھ لینے کا نہیں بلکہ ان سبقتمونی بالدفن کہتے اور دوسرے تیسرے روز آئے تو اس سے پہلے بیسیوں دعائیں ہو چکی تھیں مجھ سے پہلے دعا نہ مانگو کا کیا مطلب ؟ آپ کے نزدیک تو نماز کے بعد دعا ہے ہی نہیں - وہ سبقت بالصلوٰت کہہ رہے ہیں اور دفن کے بعد بھی دعا ہے وہ اس کا ذکر ہی نہیں کرتے - لہٰذا یہ نماز کے بعد والی ہی دعا ہے - اور فلا تسبقونی بالدعاء پر حرف فاجو اصولاً وصل اور تعقیب کے لئے ہے اس پر شاہد عادل و قرینہ صریحہ موجود ہے - بے اصول آدمی کے لایعنی بہانوں کا کوئی علاج نہیں ہے -

بہانہ نمبر2 ہو سکتا ہے کہ سبقت سے مراد سبقت زمانی نہ ہو بلکہ سبقت کمی یا کیفی مراد ہو کہ تم مجھ سے مقدار دعا یا کیفیت دعا میں سبقت نہیں کر سکتے - یعنی عبداللہ بن سلام نے یہ نہیں کہا کہ دعا میں مجھے شامل کر لو بلکہ انہوں نے کہا کہ نماز تو تم نے پہلے پڑھ لی اب میں اتنی لمبی دعا مانگوں گا یا ایسی اخلاص سے دعا کروں گا کہ تم مجھ سے نہیں بڑھ سکتے - یعنی لا تسبقونی بالدعاء سے مراد دعا سے پہلے دعا نہ مانگ لینا نہیں بلکہ اس سے مراد دعا میں نہ بڑھ جانا ہے کہ میں دعا میں نہیں بڑھنے دوں گا (لا حول ولا قوۃ الا باللہ)

جواب سبقت زمانی آپ نہیں مانتے ہیں تو کم کا معنی ہے کتنا اور کیف کا معنی ہے کس طرح۔ تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ عبداللہ بن سلام نے حاضرین جنازہ سے کہا کہ تم نے جس قدر لمبی نماز پڑھی ہے میں اس سے بھی زیادہ لمبی دعا مانگوں گا اور روایت کے الفاظ فاتتہ الصلوٰۃ بتا رہے ہیں کہ وہ نماز کے بعد آئے تو انہوں نے کس طرح پیمائش کر لی کہ ان لوگوں نے اتنی لمبی نماز پڑھی ہے تاکہ وہ اس سے لمبی دعا کا دعویٰ کرتے اور اگر وہ کیفیۃ و اخلاص فی الدعا میں بڑھ جانے کا دعویٰ کر رہے ہیں تو اخلاص دل کا کام ہے اور دل کے حالات کا علم علم غیب ہے تو کیا ان کو دل کے حالات و قلبی اخلاص غیبی کا علم تھا ؟ کہ وہ اپنے اخلاص کو ان کے قلوب کے اخلاص سے بڑھا دینے کا دعویٰ کرتے - نیز سب کو معلوم ہے کہ حضرت عمر کی نماز جنازہ حضرت صہیب رومی نے پڑھائی اور اس نماز جنازہ میں حضرت عبداللہ بن سلام سے بھی اجل صحابہ کرام مثلاً حضرت عثمان غنی ، حضرت علی المرتضیٰ ، حضرت سعد ، حضرت عبداللہ بن عمرو حضرت عبدالرحمن جیسے اعلیٰ شان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم شامل تھے - یہ عبداللہ بن سلام کا ایسی ہستیوں کے اخلاص کو چیلنج کرنا بھی ہے اور فخر و مباہات و متکبرانہ بات بھی - ایسی مباہات کا حضرت عبداللہ بن سلام کی طرف نسبت کرنا عبداللہ بن سلام کی شان میں بھی وہابیانہ و دیوبندیانہ گستاخی اور ان اجل صحابہ کرام کے اخلاص کی پیمائش اور عبداللہ بن سلام کے اخلاص کے ان کے ساتھ

اخلاصی تقابل کی خطرناک بے ادبی ہے۔ عاشقان لیلائے نجد کو ایسی پاگلانہ و گستاخانہ توجیہ تو
ہو رہی ہے مگر دعا کا کرب و الم تڑپا رہا ہے: کوئی غلط و غلیظ ذہن ہی ایسی گندی بات کر سکتا ہے۔
کوئی مومن ذہن ایسی جرات نہیں کر سکتا: دس آیات قرآنیہ سے عموم فضیلت دعا ہر وقت و بعد
از ہر نماز اور بیس احادیث و آثار سے عموماً و خصوصاً استحباب دعا بعد نماز کے مختصر ذکر اور منکرین
کے اعتراضات کی اصولاً و دلیلاً بیخ کنی نیز اس سلسلہ میں مزید دلائل کو اختصاراً ترک کرتے ہوئے
اب ہم دعا بعد نماز جنازہ کے متعلق فقہاو علمائے احناف سے بھی چند ثبوت پیش کرتے ہیں۔ مگر
پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ دعا بہت بڑی عبادت بلکہ بمطابق فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مخ العبادۃ
ہے۔ یعنی دعا عبادت کا مغز ہے اور عبادت بھی غیر موقوتہ ہے اس لئے قرآن و حدیث میں اس
کے لئے نہ تو ادائے وقت مقرر کیا گیا کہ دعا صرف اس وقت ہی ہو سکتی ہے تاکہ دعا مانگنے کے لئے
سنۃ وقت تلاش کیا جائے اور نہ ہی منعاً کسی وقت دعا سے روکا گیا کہ اس وقت دعا کرنا بدعت
ہے۔ کیونکہ کتاب و سنت کے مطلق کو کوئی عالم از خود مقید نہیں کر سکتا۔ البتہ اس دعا کا بعض علماء
نے بطور استحباب اتفاقاً ذکر کر دیا ہے۔ اسی طرح بعض احادیث میں بعض مواقع پر بعض دعاؤں
ذکر بھی ہے وہ بھی حصراً نہیں کہ بس اس وقت ہی یہی دعا پڑھو ورنہ بدعتی ہو جاؤ گے۔ اسی طرح
بعض فقہا نے بھی بعض مواقع میں بعض دعاؤں کا ذکر کیا ہے وہ بھی اس طرح نہیں کہ بس اسی
وقت ہی بس یہی دعا مانگی جا سکتی ہے اور بس۔ اسی ذکر دعا کے سلسلہ میں بعد نماز جنازہ کا ذکر
بعض کتب فقہ میں بھی ہے سب میں نہیں اس لئے کہ اس کی عمومی فضیلت سے ہر شخص ہر
وقت خصوصاً ہر نماز کے بعد ہر کار خیر کے بعد جو چاہے دعا کر سکتا ہے۔ گو یہ امر مسلم ہے کہ
آیات و احادیث نبویہ و آثار صحابہ سے جب کوئی مسئلہ ثابت ہو جائے تو فقہا و ائمہ مجتہدین کی
عبارات سے اس کا ثبوت تلاش کرنا کوئی ضروری نہیں ہوتا کیونکہ اقوال مجتہدین و فقہا تو آیات
احادیث کے محتاج ہوتے ہیں مگر آیات و احادیث قطعاً اقوال فقہا کی محتاج نہیں ہوتیں۔ تاہم اس
مسئلہ میں بعض محدثین و فقہا کی عبارات بھی حجۃً پیش کر دیتے ہیں۔

دلیل نمبر 31 آج سے تقریباً پانچ سو سال پہلے کے (جب کہ ہندوستان میں دیوبندیت و
وہابیت کا نام و نشان بھی نہیں تھا) پورے ایشیا کے محقق محدث شیخ شیوخ المحدثین حضرت مولانا
الشیخ شاہ عبدالحق محدث دہلوی بخاری ترکی متولد 984ھ و متوفی 1052ھ مدفون مقبرہ حوض شمسی
درجوار حضور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی' مشکوۃ شریف میں آمدہ حدیث در باب نماز جنازہ قرأ
عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر سورۃ الحمد
شریف پڑھی کی توجیہہ میں لکھتے ہیں:

و احتمال دارد کہ بر جنازہ بعد از نماز یا پیش ازاں بقصد تبرک خواندہ باشند چنانکہ آلآن

متعارف است (اشعۃ اللمعات ج 1 ص 686 طبع لکھنو) اس حدیث میں احتمال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ کے بعد یا اس سے پہلے جنازہ پر فاتحہ پڑھی ہو جیسا کہ آج کل معمول بہ ہے۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ آج سے پانچ سو سال پہلے حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں بھی نماز جنازہ کے بعد سور فاتحہ پڑھ کر میت کو ایصال ثواب کی دعا کا عمل ہوتا تھا۔

حضرت شیخ کی عبارت ہم نے اس لئے نقل کر دی ہے کہ آپ فریقین کے نزدیک معتمد علیہ ولی اللہ اور علی الدوام حضوری بارگاہ مقبول و محقق محدث و عالم ربانی تھے۔ امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی آپ کو "برکۃ اللہ فی دیار الہند" لکھتے ہیں اور دیوبندی فرقہ کے مجدد و حکیم الامہ مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی آپ کو صاحب حضوری ولی اللہ و عالم و محدث مانتے ہیں۔ تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

بعض اولیا اللہ ایسے بھی گزرے ہیں کہ خواب میں یا حالۃ غیبت میں روز مروان کو دربار نبوی میں حاضری کی دولت نصیب ہوتی تھی۔ ایسے حضرات صاحب حضوری کہلاتے ہیں۔ انہیں میں سے ایک حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں۔ کہ یہ بھی اس دولت سے مشرف تھے اور صاحب حضوری تھے۔ (افاضات الیومیہ ج 7 ص 6 طبع تھانہ بھون)

دونوں فریقوں کے معتمد علیہ ولی اللہ محدث اور رمزشناس احادیث نبویہ شاہ عبدالحق کی عبارت مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ قرآن بلکہ ام القرآن و فاتحہ القرآن ہے اور موطا امام مالک میں ہے "حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں قرآن مجید کی کوئی آیت نہ پڑھتے تھے" اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں لَمْ یُوَقِّتْ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَوْلاً وَلاَ قِرَاۃً وفی روایۃ دُعَاءً وَلاَ قِرَاۃً" (بدائع الصنائع ج 1 ص 313) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں کوئی دعا اور نہ ہی کوئی قراءت قرآن مقرر فرمائی اس لئے نماز جنازہ میں سورہ الحمد شریف بطور قرات سنت مقرر نہیں ہے تو حدیث قَرَاءَ عَلَی الْجَنَازَۃِ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ۔ (ترمذی شریف) کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میت کے ایصال کے لئے فاتحہ نماز جنازہ سے پہلے پڑھی ہوگی یا نماز کے بعد فاتحہ پڑھ کر دعا و ایصال ثواب فرمایا ہوگا۔ جیسا کہ آج کل گیارھویں صدی ہجری میں بھی بعد نماز جنازہ' دعا و ایصال ثواب کیا جارہا ہے۔

دیکھئے حضرت شیخ نے بعد نماز جنازہ فاتحہ کو حدیث نبوی پر محمول کیا۔ خدا نخواستہ اگر بقول گستاخ جماعت دیوبندیہ دعا، فاتحہ ذالک بدعت و حرام ہوتی تو اتنا بڑا محدث و رمزشناس حدیث نبوی و

محقق عالم دین ایک حرام فعل کو حدیث نبوی پر کیسے محمول کر سکتا تھا۔ اس سے صاف معلوم
کہ بعد نماز جنازہ فاتحہ خوانی و دعا ہرگز ہرگز بدعت نہیں بلکہ حدیث نبوی کی ایک صحیح توجیہ
مطابق محبوب نبوی و امر مستحب ہے۔

دلیل نمبر 32 | فقہ حنفی کی معروف کتاب النہر الفائق شرح کنز الدقائق کے حوالہ
زاد الآخرۃ میں ہے۔
بعد سلام بخواند اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ (البحر الذخار ص
نماز جنازہ کے سلام کے بعد یہ دعا پڑھے۔ اے اللہ ہمیں اس کے ثواب سے محروم نہ رکھ
اس کے بعد ہمیں ہر قسم کے فتنہ سے محفوظ فرما اور ہمیں اور اس کو بخش دے۔

دلیل نمبر 33 | مولوی فتح محمد صاحب برہان پوری دیوبندی جماعت کے نزدیک معتمد علیہ
ہیں۔ 1061ھ میں انہوں نے مسائل فقہ میں "مفتاح الصلوٰۃ" لکھی ہے۔ وہ کہتے ہیں:
مسئلہ۔ وچوں از نماز فارغ شوند۔ مستحب است کہ امام یا صالح دیگر فاتحہ و بقرہ تا مفلحون
طرف سر جنازہ و خاتمہ بقرہ یعنی آمن الرسول طرف پائیں بخواند کہ در حدیث وارد است۔
و در بعضے احادیث بعد از دفن واقع شدہ۔ ہر دو وقت کہ میسر شود مجوز است۔ (مفتاح
الصلوٰۃ ص 112 طبع مطبع ہندوستان لاہور)
مسئلہ۔ جب نماز جنازہ سے فارغ ہوں تو مستحب ہے کہ امام یا کوئی اور نیک آدمی سورہ
فاتحہ و سورہ بقرہ تا مفلحون جنازہ کے سر کی طرف اور سورہ بقرہ کا آخری رکوع یعنی آمن
الرسول جنازہ کی پائنتی کی طرف پڑھے کیونکہ یہ عمل حدیث نبوی سے ثابت ہے۔ بعض
احادیث میں یہ سور فاتحہ و سورہ بقرہ کا اس طرح پڑھنا میت کے دفن کے بعد بھی آیا ہے۔
ان دونوں میں سے جس وقت فاتحہ وغیرہ پڑھے درست ہے۔

پڑھ لیا آپ نے کہ برہان پوری صاحب گیارھویں صدی ہجری میں آج 1417ھ سے چار سو سال
پہلے جب کہ سرزمین ہند میں وہابیت دیوبندیت کا نام و نشان تک بھی نہ تھا بعد نماز جنازہ فاتحہ
خوانی (دعا بعد نماز جنازہ) کو حدیث نبوی کے حوالہ سے مستحب لکھ رہے ہیں۔ دیوبندی یہ بھی
نہیں کہہ سکتے کہ اس سے مراد دعا صرف بعد دفن ہے۔ کیونکہ وہ دونوں وقت بعد فراغت از نماز
جنازہ یعنی نماز جنازہ کا سلام پھیرنے کے بعد متصل بھی اور بعد دفن بھی دونوں وقتوں کا نام لے
کر فاتحہ خوانی و قرات قرآن کے استحباب کی تصریح کر رہے ہیں۔

دلیل نمبر 34 | عارف صمدانی قطب ربانی امام عبدالوہاب شعرانی مسئلہ تعزیت میت کے متعلق
ائمہ مجتہدین کے اقوال کہ "تعزیت دفن سے پہلے سنت ہے یا بعد دفن بھی سنت ہے" نقل کرتے
ہوئے لکھتے ہیں:

و من ذلک قول ابی حنیفة ان التعزیة سنة قبل الدفن لا بعده وبه قال الثوری مع قول الشافعی و احمد انها تسن قبله و بعده الی ثلثة ایام فالاول مخفف والثانی مشدد من حیث التعزیة بعد الدفن مخفف من حیث امتدادبا ثلثة ایام فرجع الامر الی مرتبتی المیزان الخ (المیزان الکبری الشعرانیہ ج 1 ص 210)

ایک ہی مسئلہ میں ائمہ مجتہدین کے درست مختلف اقوال میں سے تعزیت کے بارے میں بھی ان کے مختلف اقوال ہیں کہ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں "تعزیت دفن سے پہلے یعنی نماز جنازہ کے بعد ہی وارثان میت کو صبر کی تلقین اور میت کے لئے دعا کر کے کر لینا سنت ہے" اور امام ثوری بھی یہی کہتے ہیں - اسی کے بارے میں امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے کہ "تعزیت و دعا نماز جنازہ کے بعد سے تین دن تک سنت ہے"- پس امام ابو حنیفہ و امام ثوری کا قول آسانی پر مبنی ہے اور امام شافعی و امام احمد کا قول وارثان میت کے لئے تو سخت ہے کہ وہ تین دن تک تعزیت کرنے والوں کے لئے گھر پر رہیں مگر تعزیت کرنے والوں کے لئے آسانی پر بھی مبنی ہے کہ کوئی شخص جو بوجہ کسی مصروفیت نماز جنازہ میں شامل ہو کر بعد نماز جنازہ تعزیت و دعا نہیں کرسکا وہ تین دن تک کسی بھی وقت وارثان میت کے پاس جا کر تعزیت و دعا کر لے -

تو اپنے اپنے لحاظ سے سب اماموں کے اقوال درست ہیں اور شریعت کے ترازو پر بالکل شریعت کے مطابق ہیں - استعداد کے مطابق جو تخفیف و آسانی پر عمل کرے وہ بھی درست اور جو تشدید پر عمل کرسکتا ہے تو تشدید بھی درست ہے -

امام عبدالوہاب شعرانی جلال المحدثین امام سیوطی کے شاگرد اور علمائے محدثین میں قطب العلماء الصادقین سے ہیں - پوری امتہ مسلمہ کے نزدیک ثقہ و معتمد علیہ فی نقل المذاہب ہیں - امام ابو حنیفہ سے قبل دفن تعزیت کے مسنون ہونے سے واضح ہے کہ میت کی وفات سے دفن تک نماز جنازہ سے پہلے ہو یا بعد نماز کے متصل ہو یا دیر سے ہر وقت تعزیت کرنا سنت ہے - اپنی طرف سے خانہ ساز حنفیت وضع کر کے نماز جنازہ کے بعد متصلاً دعا و تعزیت سے منع صرف جہالت ہی نہیں افترا علی المذہب بھی ہے - اس عبارت کو حضرت مولانا مفتی احمد یار خان گجراتی نے بھی اپنی کتاب "جاء الحق" میں نقل کیا ہے - جس پر حسب عادت ثانیہ ایک دیوبندی مولوی عبدالرشید ارشد نے جو لاہی واہی اعتراضات کئے ہیں (دیکھو اس کا رسالہ "نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں" ص 127 وغیرہ) ہم اس کے دجل و فریب کی بیخ کنی بھی کئے دیتے ہیں -

اعتراض نمبر 1 اس عبارت میں جب امام ابو حنیفہ کے نزدیک تعزیت دفن سے پہلے سنت ثابت ہے تو پھر بریلوی سنی نماز جنازہ کے بعد سنت ادا کر کے دوبارہ میت والے گھر جا کر دعا

کیوں مانگتے ہیں ؟ اور تیسرے روز قل خوانی کیوں کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔
نمبر2- امام شعرانی کی عبارت مذکورہ کے بعد وجہ تعزیت قبل الدفن کے بیان میں عبارت ہے
اَنَّ شِدَّةَ الحزنِ اِنما تکون قبلَ الدفنِ یُتَعَزّٰی و یُدْعیٰ له بتخفیف الحزنِ یعنی امام ابو حنیفہ کا تعزیت قبل دفن سنت کہنا اس لئے ہے کہ زیادہ غم دفن سے پہلے ہی ہوتا ہے اس لئے تعزیت دفن سے پہلے ہی مسنونہ ہے تاکہ اس کا غم ہلکا ہو۔
نمبر3- مفتی صاحب گجراتی نے یدعی لہ کو یدعو لہ لکھا ہے یہ عبارت غلط اور یدعی لہ سے مراد میت کے لئے دعا کرنا نہیں بلکہ میت کے وارثوں کے لئے دعا کرنا مسنون ہے وغیرہ وغیرہ۔
جواب "یدعو لہ" اور "یدعی لہ" کتابت اور نسخوں کا فرق ہے۔ میں نے آپ کے نسخہ کے مطابق ہی نقل کردیا ہے لہٗ دونوں میں ہے۔ یہ ضمیر کس طرف لوٹتی ہے ؟ آپ میت کے وارث کی طرف لوٹا کر دعا وارث کے لئے بتاتے ہیں اور حضرت مفتی صاحب میت اور وارث دونوں کی طرف اور بعض صرف میت کی طرف لوٹاتے ہیں کہ دونوں کے لئے دعا مانگے وارث کے لئے صبر کی دعا کرے اور میت کے لئے بخشش کی دعا کرے اور اغلب میت کے لئے دعا کرنا ہی ہے۔ آپ کا مقصد صرف میت کے لئے دعا سے بھاگنا ہے تو آیئے ! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے فیصلہ کرلیتے ہیں کہ تعزیت کے موقع پر آپ نے میت کے وارثوں کے لئے دعا فرمائی یا میت کے لئے دعائے مغفرت فرمائی ؟
حضرت ماعز اسلمی کی حد میں وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ماعز کے وارثوں کے گھر دوسرے یا تیسرے روز (شک من الراوی) تعزیت کے لئے تشریف لے گئے تو فرمایا اِسْتَغْفِرُوْا لِمَاعِزِ بنِ مالکٍ ماعز کے لئے بخشش کی دعا کرو۔ ظاہر ہے کہ یہاں صرف میت کے لئے دعا فرمائی لہٰذا مولوی عبدالرشید کا یہ سارا گورکھ دھندا کہ میت کے لئے دعا نہیں ہباءً منثورا ہوگیا (دیکھو صحیح مسلم شریف ج 2 ص 68 کتاب الحدود باب حد الزنا) باقی رہا کہ جب دفن سے پہلے دعا کرلینا ہی سنت ہے تو پھر میت والوں کے گھر جا کر دوبارہ سہ بارہ دعا اور قل خوانی کیوں کرتے ہو ؟ تو یہی روگ ہے جس نے دیوبندیوں کو تباہ کردیا ہے کہ سنت کے بعد مستحب یا مباح و جائز ان کے جغرافیے میں ہی نہیں۔ حالانکہ روزانہ کتب فقہ میں یُسَنّ اور یُسْتَحَبّ اور یَجُوْزُ پڑھا کر اور ان کا باہمی فرق جان بوجھ کر سنت کے بعد صرف بدعت کا ٹھپہ لگائے جارہے ہیں۔ قبل از دفن دعا سنت اور بعد از دفن بھی سنت حضرت امام ابو حنیفہ اور امام شافعی ہر دو کا قول درست۔ اول آسانی پر اور دوسرا ضرورۃ پر محمول ہے۔ امام اعظم کے نزدیک قبل از دفن سنت ہونے سے بعدہ حرام یا بدعت ہونا لازم نہیں آتا بلکہ بعدہ بھی مستحب اور مباح و جائز

ہے اور دوسرے یا تیسرے روز قل خوانی و ایصال ثواب و دعائے مغفرت کی اصل بھی حضرت معاذ کے واقعہ دوسرے یا تیسرے روز میت کے وارثان کے گھر جا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعا مانگنے سے ثابت ہوگئی کہ یہ تعزیت بھی ہے اور سنت بھی اور فقہا نے بھی تعزیت کے لئے یہ دعا لکھی ہے۔

وَیُسْتَحَبُّ ان یقال لصاحب التعزیة غفر اللہ تعالٰی لمیتک و تجاوز عنہ و تغمدہ برحمتہ و رزقک الصبر علی مصیبة الخ۔ (فتاویٰ عالمگیری ج 1 ص 177)

مستحب یہ ہے کہ تعزیت والے سے یہ کہے کہ اللہ تعالٰی تمہارے متوفی کو بخش دے' اس کے گناہوں سے درگذر فرمائے اور اسے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے اور تجھے اس مصیبت پر صبر دے۔

تعزیت میں دونوں کے لئے دعا کا استحباب ثابت اور متصل یا منفصل کی ممانعت کی دیوبندی خانہ ساز قید باطل و میت کے لئے دعا نہ کرنے کی تخصیص مردود ہے۔

دلیل نمبر 35 خود دیوبندیوں کے سب سے بڑے مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی یہی فتویٰ دیتے ہیں کہ:

جب اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے لئے مغفرت کی دعا کرے۔ اس کے بعد جنازے کی نماز پڑھے۔ اس کے بعد دفن تک اور پھر اپنی زندگی تک میت کے لئے دعا کرتا رہے۔ الخ (خیر الصلوٰة فی حکم الدعا للاموات ص 19 طبع 1336ھ دہلی)

اس عبارت سے نماز جنازہ کے بعد دفن تک کا لفظ عام ہے اور نماز جنازہ کے بعد متصل دعا مانگنے کی صریح اجازت ہے اور منفصلاً بھی ایسی کوئی قید نہیں کہ نماز کے بعد متصلاً دعا نہ مانگے۔ نماز جنازہ سے پہلے مانگ سکتا ہے یا نماز جنازہ کے بعد کچھ دیر توقف کرے' بالکل وہی مضمون ہے جسے ہم امام عبدالوہاب شعرانی سے نقل کرچکے ہیں۔ لہٰذا نماز جنازہ کے متصل دعا مانگنا خود دیوبندیوں کے گھر کے فتویٰ سے جائز ہے: میزان عدل چاہئے اور انصاف۔ ہر صورة مسلک اہل سنت ہی درست و صحیح ہے کہ جب دعا ہر وقت جائز ہے تو نماز جنازہ کے بعد متصل کیوں ممنوع ہے؟

دلیل نمبر 36 بعینہٖ یہی مضمون شیخ نورالحق صاحب محدث دہلوی نبیرہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

فاتحہ و دعا برائے میت پیش از دفن درست است و ہمیں است روایت معمولہ۔ کذا فی خلاصة الفقہ (فتاویٰ رضویہ ج 4 بحوالہ کشف الغطاء) دفن سے پہلے فاتحہ خوانی و دعا درست ہے اسی روایت پر عمل بھی ہے۔

دلیل نمبر 37

و تصدق نمودن و خواندن قرآن مجید برائے میت و دعا کردن در حق او قبل برداشتن جنازہ پیش از دفن سبب نجات از اہوال آخرت و عذاب قبراست - (دلیل الخیرات ص 128)
دفن سے پہلے، جنازہ اٹھانے سے پہلے - کوئی شے صدقہ کرنا اور قرآن مجید پڑھنا اور میت کے لئے دعا کرنا آخر کی ہولناکی اور عذاب قبر سے نجات کا باعث ہے -

دلیل نمبر 38

و یستحب ان یعلم جیرانہ و اصدقائہ حتی یؤدوا حقہ بالصلوٰۃ علیہ والدعاء لہ کذا فی الجوھرۃ النیرۃ (فتاویٰ عالمگیری ج 1 ص 51 طبع کان پور) مستحب ہے کہ جب کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اس کے پڑوسیوں اور دوستوں کو اس کی وفات کی اطلاع دی جائے تاکہ وہ اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اور اس کے لئے دعا کر کے اس کا حق ادا کریں -
یہاں بھی متصل یا قبل نماز جنازہ یا بعد نماز جنازہ دعا کی کوئی قید نہیں کیونکہ فقہا کے نزدیک دعا ہر وقت جائز ہے تو بعد نماز جنازہ متصلاً دعا سے منع کرنا بلا دلیل ہے اور دیوبندیوں کا خانہ ساز قانون ہے جو کہ مردود ہے -

دلیل نمبر 39 عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب (مشکوٰۃ ص 146) کی شرح میں دیوبندیوں کے معتمد علیہ مولوی قطب الدین صاحب مظاہر حق شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا محتمل ہے -
جیسا کہ حدیث ابن عباس میں گزرا یا جنازہ پر بعد از نماز کے یا پہلے نماز بقصد تبرک پڑھی ہو - مولوی قطب الدین صاحب کے الفاظ "بعد از نماز" غور سے پڑھئے اور پھر دیوبندیوں کی قید "متصل" کا تماشا دیکھئے -

دلیل نمبر 40

وفی نافع المسلمین رجل رفع یدیہ بدعاء الفاتحۃ للمیت قبل الدفن جاز (الجواہر النفیس ص 131) نافع المسلمین میں ہے کہ جو آدمی دفن سے پہلے میت کے لئے ہاتھ اٹھا کر فاتحہ خوانی و دعا کرے جائز ہے -

اب ہم اصاغر و اکابر و علما مصنفین کتب مسائل فقہ کی کتب کے بحر ذخار میں سے صرف چند حوالہ جات بطریق عموم یا خصوص اثبات استحباب و جواز دعا بعد نماز جنازہ دیوبندیوں کے چلّہ کا حساب پورا کرتے ہوئے صرف چالیس دلائل پر اکتفا کرتے ہیں - کیونکہ "عاقل را اشارہ کافیست" اور اب دیوبندیوں کے دلائل منع دعا بعد از نماز جنازہ کی دھوکہ منڈی کا دیوالہ نکلتے ہوئے آپ کی اپنی آنکھوں سے دکھاتے ہیں کہ یہ لوگ کس قدر چالاک مداری کی طرح فقہا کی عبارات سے کس طرح اپنے تماشائیوں کی آنکھیں بند کر کے اپنے ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہیں اور عربی علوم و

اصطلاحات فقہا سے ناواقف عوام کو کس طرح بیوقوف بنا کر ایک مستحب کام سے منع کرتے ہیں۔

فقہا نے نماز جنازہ کی کس دعا سے منع کیا ہے؟

نماز جنازہ کے متعلق دو دعاؤں کا جھگڑا ہے۔ (1) چوتھی تکبیر کہہ کر سلام سے پہلے دعا مانگنا۔ (2) سلام پھیر کر دعا مانگنا۔ چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان دعا مانگنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے اور امام شافعی و احمد و مالک کے نزدیک مستحب ہے۔ سلام پھیرنے کے بعد دعا مانگنا کسی امام کے نزدیک قطعاً ممنوع نہیں۔ اسے محض وہابیوں دیوبندیوں نے متنازع فیہ بنایا ہوا ہے۔ چونکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک چوتھی تکبیر کہہ کر بغیر کوئی دعا مانگے فوراً سلام پھیرنا ہے اور دوسرے امام کہتے ہیں کہ چوتھی تکبیر کہہ کر دعا پڑھے اور پھر سلام پھیرے۔ اس طرح یہ دعا ہمارے احناف اور شوافع وغیرہ کے درمیان متنازع فیہ تھی۔ لہذا سب فقہائے احناف نے اپنے امام کی اتباع میں چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی امام ابو حنیفہ کے نزدیک ممنوع دعا سے منع کیا ہے۔ سوائے ایک کتاب "بحر الرائق" کی غلط عبارت کے بیسیوں فقہا میں سے کسی نے بھی سوائے چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا کے سلام کے بعد متصل ہو یا منفصل نماز جنازہ سے پہلے ہو یا بعد اور کسی دعا سے بھی منع نہیں کیا اور دعا جیسی خیر موضوع اور مخ العبادۃ غیر موقوتہ عبادت سے اپنی طرف سے منع کرنے کا کسی فقیہ کو اختیار بھی نہیں ہے۔ دیوبندیوں نے غلط مبحث کر کے عوام مسلمانوں کی مسائل فقہیہ سے لاعلمی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی ظاہر الروایۃ و ظاہر المذہب یعنی امام ابو حنیفہ کے قول سے ممنوع دعا کے بارے میں فقہی عبارات کو نماز جنازہ کے سلام کے بعد والی دعا پر فٹ کر کے اسے مکروہ مکروہ کہنے کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر رکھا ہے۔

مسائل ظاہر الروایۃ و ظاہر المذہب اور دیگر فقہی مسائل میں فرق کتب فقہ میں کئی قسم کے مسائل درج ہوتے ہیں۔ جو مسائل امام ابو حنیفہ سے آپ کے شاگردوں نے نقل کئے ہیں ان کے ساتھ ظاہر الروایۃ یا ظاہر المذہب یا اصل المذہب کا لفظ ہوتا ہے اور جو مسائل خود کسی فقیہ کا قول ہوتے ہیں اس کے ساتھ ظاہر الروایۃ یا ظاہر المذہب یا اصل کے لفظ نہیں ہوتے۔ بعض دفعہ ظاہر الروایۃ میں بھی امام صاحب کے شاگردوں سے امام صاحب کے دو قول بھی منقول ہوتے ہیں۔ ایسی جگہ پر ان مختلف اقوال میں تصحیح کی ضرورت ہوتی ہے کہ ان اقوال میں سے امام صاحب کا کون سا قول اصح ہے۔ اس سلسلہ میں فقہائے کے سات طبقے ہیں۔ (1) مجتہدین فی الشرع (2) مجتہدین فی المذہب (3) مجتہدین فی المسائل (4) اصحاب التخریج (5) اصحاب الترجیح (6) فقہا مقلدین اہل تمیز (7) فقہا مقلدین غیر اہل تمیز (ردالمحتار ج 1،

طبع مصر)

اسی طرح کتب فقہ میں بھی کئی مدارج ہیں - کتب ظاہر الروایۃ و کتب مسائل نوادر و کتب فتاویٰ - کتب ظاہر الروایۃ میں اس حوالہ سے درج قول امام صحیح یا اصح مدار مذہب ہوتا ہے مگر فقہا کے امام کے کسی قول سے مستنبط مسائل یا نوادر اقوال یا مختلف فیہ اقوال فقہا نہ مدار مذہب ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی شے کے منع و حرام قرار دینے میں حرف آخر ہوسکتے ہیں - ایسی صورت میں دیکھنا پڑتا ہے کہ راجح قول کون سا ہے یا فتویٰ کس قول پر ہے ؟ - کتب فقہ میں کوئی مسئلہ دیکھ کر فتویٰ لگا دینا کہ یہ بدعت سیئہ ہے اور حرام ہے محض جہالت و فساد ہے - اسی لئے مفتی صرف مجتہد ہی ہوسکتے ہیں باقی علما ناقل قول مفتی مجتہد ہوتے ہیں اور ان پر فرض ہوتا ہے کہ افتاء میں مجتہد کا قول نقل کریں - (رد المحتار ج 1 ص 54)

ظاہر الروایۃ میں نماز جنازہ کے متعلق کون سی دعا منع ہے ؟ امام کے اعظم کے مذہب کی ظاہر الروایۃ کی سب سے مضبوط و معتمد علیہ کتاب "مبسوط سرخسی" ہے اور پھر ظاہر الروایۃ اور نوادر یا راجح و مرجوح یا خلط ملط و رطب و یابس اقوال فقہا کی چھانٹی کرنے والی کتاب "فتاویٰ عالمگیری" ہے - ان دونوں کتابوں کے درمیانی عرصہ میں بیسیوں فقہا کی بیسیوں کتب میں ظاہر الروایۃ کے حوالہ کے بغیر یا وعلیہ الفتویٰ کی تصریح کے بغیر مندرجہ مسائل نہ تو معیار حلت و حرمت ہوسکتے ہیں اور نہ ہی ان پر یک طرفہ بدعت و حرمت کا فیصلہ ہوسکتا ہے - امام ابو حنیفہ کے قول ظاہر الروایۃ میں نماز جنازہ کی چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان دعا سے منع کیا گیا ہے - دنیا کی کسی فقہ کی کسی کتاب میں بھی ظاہر الروایۃ یا ظاہر المذہب کے حوالہ سے نماز جنازہ سے سلام پھیرنے کے بعد دعا سے ہرگز ہرگز منع نہیں کیا گیا اور جن فقہا نے ظاہر الروایۃ کے حوالہ کے بغیر اپنے جن الفاظ اور جس تعبیر سے بھی دعا سے منع کیا ہے ان کی مراد بھی یہی چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا ہے - سلام کے بعد والی دعا نہیں - کیونکہ نماز کے بعد دعا کی فضیلت حدیث نبوی میں وارد ہے - کوئی فقیہ فرمان نبوی سے تصادم کر کے اپنی فقہ نہیں چلا سکتا -

ظاہر الروایۃ میں چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان ممانعت کی وجہ

دعا مخ العبادۃ ہے اور غیر موقوتہ عبادۃ ہے - سوائے کسی شرعی دلیل کے اس کو موقوتہ کرنا اور کسی وقت منع کرنا مداخلت فی الدین ہے جو کہ ہرگز درست نہیں - چوتھی تکبیر پر نماز جنازہ بحیثیت ارکان نماز تکبیرات اربعہ ختم ہوجاتی ہے - امام ابو حنیفہ نے چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے دعا اس شرعی وجہ سے منع کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بتملیک ملیک الملک مالک کونین اور مختار کل تھے - آپ جس قدر چاہتے اتنی تکبیروں سے نماز

جنازہ پڑھا دیتے تھے - اہل بدر صحابہ پر سات تکبیروں سے بنی ہاشم پر پانچ تکبیروں سے اور بعض پر چار تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھائیں - جس قدر جس سے زیادہ محبت ہوتی اس قدر اس کی نماز پر زیادہ تکبیرات کا کرم فرمادیتے (فتح القدیر ج 1 ص 161) اور بروایات مختلفہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نو تکبیروں تک سے نماز ہائے جنازہ پڑھانا ثابت ہے -

قال القاضي عياض اختلف الصحابة في ذلك من ثلث الى تسع (نیل الاوطار شوکانی ج 4 ص 58) امام قاضی عیاض نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جنازہ میں کتنی تکبیریں پڑھتے تھے اس کے متعلق مختلف صحابہ کرام سے تین تکبیروں سے نو تکبیروں تک روایات آئی ہیں -

حضرت فاروق اعظم کے زمانہ تک یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا کہ صحابہ تین تکبیروں سے نو تکبیروں تک جو جس قدر چاہتا اتنی تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھا لیتا - حضرت فاروق اعظم نے امت مسلمہ کو نماز جنازہ کے ایک طریقہ پر قائم کرنے کے لئے اعاظم صحابہ کو جمع کیا تو یہ بات محقق ہوگئی کہ نجاشی کے جنازہ سے وفات مبارک تک آپ نے سب نماز ہائے جنازہ صرف چار تکبیروں سے ہی پڑھائے تھے تو صحابہ کرام کے عظیم اجماع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دائمی عمل چار تکبیر نماز جنازہ سے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نجاشی کی نماز جنازہ سے تا آخر سے پہلے عمل مبارک کو منسوخ قرار دیا جا کر اجماع صحابہ سے ہمیشہ کے لئے چار تکبیر نماز جنازہ مقرر ہوگئی -فمخالفته مخالفة الاجماع (فتح القدیر) اور پانچویں ' چھٹی ' ساتویں ' آٹھویں و نویں تکبیریں منسوخ ہوگئیں - تو چونکہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر ہی بمنزلہ رکعت ہوتی ہے اور رکعت کی تکمیل کے بعد بغیر کسی چیز کے پڑھے سلام کہہ دینا ضروری ہوتا ہے امام ابو حنیفہ سے ظاہر الروایۃ میں چوتھی تکبیر کہہ کر بوجہ فراغت از نماز فورا سلام پھیر دے اور کوئی دعا نہ پڑھے کیونکہ جب نو تک تکبیروں سے جنازے ہوتے تھے' چوتھی تکبیر پھر پانچویں تکبیر اسی طرح ہر تکبیر کے بعد کوئی نہ کوئی دعا ہوتی تھی - اسی لئے احادیث میں بھی نماز جنازہ کی متعدد دعاؤں کے الفاظ بھی متعدد وارد ہیں - مگر جب چوتھی تکبیر کے بعد والی تکبیریں ہی اجماع صحابہ سے منسوخ ہوگئیں اور چوتھی تکبیر پر نماز ختم ہوگئی تو اب فوراً ہاتھ کھول دئے جائیں اور فوراً سلام پھیر دیا جائے کیونکہ گو نماز تو ختم ہو چکی مگر ابھی نمازیوں کے صف بستہ ہونے اور نماز کے بعد نماز سے خروج کی سنت تحلل سلام نہیں ہوا - لہذا سلام سے پہلے دعا پڑھنے سے نماز میں زیادتی کا شبہ ہو سکتا ہے جو کہ درست نہیں - اس لئے چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان دعا نہ پڑھی جائے - اس شرعی علت کی بنیاد پر امام ابو حنیفہ نے اور پھر ان سے اسی دعا کے بارے منقول ظاہر الروایۃ سے ہی فقہائے احناف نے اسی چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا کو مکروہ کہا کیونکہ اپنے

امام کے فیصلہ کا خلاف کرنا مکروہ ہوتا ہے - چنانچہ اسی نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ بہ نیت قرات قرآن پڑھنا امام اعظم کے نزدیک درست نہیں - امام ابن عابدین فرماتے ہیں :

ولیس لہ ان یقراء ھا بنیة القراۃ و یرتکب مکروہ منھبہ (رد المحتار ج 1 ص 611)

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ قرات قرآن کی نیت سے نہ پڑھے کیونکہ اپنے مذہب کا خلاف ہوتا ہے اور امام کے قول کا خلاف مکروہ ہوتا ہے -

باقی رہی سلام کے بعد والی دعا جو کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عموی ارشاد :

اذا فرغ احدکم من صلاتہ فلیدع (مکمل حدیث پہلے گزر چکی ہے) جب بھی تم میں سے کوئی اپنی کسی نماز سے فارغ ہو تو (مستحب ہے کہ) دعا مانگے -

سے ثابت ہے کہ اس دعا سے نہ امام صاحب نے کہیں منع کیا نہ ہی کسی فقیہ نے ظاہر الروایۃ یا ظاہر المذہب کے حوالے سے اسے مکروہ قرار دیا ہے - یہ سب وہابیوں دیوبندیوں کا دجل و فریب ہے کہ بعض فقہا کی مبہم عبارات بابت منع دعا چوتھی تکبیر اور قبل سلام کو دعا بعد سلام پر چسپاں کر کے ایک مستحب دعا سے منع کر کے فساد مچا رہے ہیں - جیسا کہ حسب عادت بتوں کے بارے میں آیات قرآنیہ کو انبیا کرام علیہم السلام و اولیائے عظام پر لاگو کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں -

مسائل فقہ میں خواص و عوام علما کی غلطیاں اور ایک دوسرے کی تردید کتب فقہ میں کتاب و سنت یا امام اعظم سے صحیح ثابت قول ظاہر الروایۃ کے حوالہ سے درج ہر مسئلہ علی الراس والعین اور لازم التسلیم ہے - مگر امام صاحب کے علاوہ فقہا نے امام کے قول سے مسائل کے استنباط یا اپنی رائے سے کسی مسئلہ کا فیصلہ کرنے یا امام سے منقول کسی مسئلہ کو اپنی زبان میں تعبیر کرنے میں بے شمار غلطیاں بھی کی ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف ان کی ایسی بے شمار آراء کتب فقہ میں درج ہیں - مثلاً خود امام صاحب کے شاگرد احمد بن حسین بردعی متوفی 317ھ بڑے پایہ کے فقیہ ہیں - انہوں نے امام صاحب کے ایک قول سے مسئلہ استنباط کر کے لکھ دیا کہ نماز سے خروج بصنعہ یعنی نمازی کا نماز سے کسی فعل منافی نماز کے ساتھ نکلنا فرض ہے اور صاحب تنویر الابصار نے بھی اس کی اتباع میں فرائض نماز شمار کرتے ہوئے لکھ دیا و منھا الخروج بصنعہ مگر امام حصکفی نے درمختار شرح تنویر الابصار میں اس کا رد کرتے ہوئے تصریح کی کہ والصحیح انہ لیس بفرض اتفاقا یعنی خروج بصنعہ سب فقہا کے نزدیک اتفاقاً فرض نہیں ہے - قالہ الزیلعی امام زیلعی نے یہی کہا ہے اور اس پر مزید یہ کہ بردعی کے اس غلط مسئلہ کی لاشعوری طور پر اکابر ائمہ و فقہا بھی تائید کرتے چلے گئے - مثلاً صاحب ہدایہ اور اس کے شارحین - عامہ مشائخ و فقہا - اکثر محققین - امام نسفی صاحب وافی و کافی و کنز الدقائق اور

اس کے شارحین - امام اہل سنت ابو منصور ماتریدی صاحب نور الایضاح شرنبلالی وغیرہم اتنے بڑے ائمہ وفقہا کی بردعی کے قول کی تائید کے باوجود بردعی کے شاگرد امام کرخی نے اپنے استاد بردعی کا اس مسئلہ میں رد کیا:

وردہ الکرخی بانہ لاخلاف فی انہ لیس بفرض وان ھذا الاستنباط غلط من البردعی بردعی کے اس قول کو کرخی نے رد کردیا ہے کہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ خروج بصنعہ نماز کا فرض نہیں اور بردعی کا یہ استنباط غلط ہے۔

خاتمۃ المحققین علامہ شامی فیصلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و علیہ ای علی الصحیح الذی ھو قول الکرخی المحققون (رد المحتار ج 1 ص 315 طبع مصر) یعنی بعض فقہا کے نزدیک امام کرخی کا قول ہی صحیح ہے۔

اسی طرح مسائل میں فقہا کے باہمی اختلاف کا نمونہ بھی دیکھ لیجئے:

عیدگاہ میں منبر بنانا مکروہ ہے یا نہیں - قال بعضھم لا یکرہ وفی نسخۃ الامام خواہر زادہ ھذا حسن فی زماننا و عن ابی حنیفۃ انہ لا بأس بہ (خلاصۃ الفتاوٰی ج 1 ص 213 طبع لکھنو) بعض فقہا نے کہا مکروہ ہے اور بعض نے کہا مکروہ نہیں - امام خواہر زادہ کے نسخہ میں ہے کہ منبر بنانا ہمارے زمانہ میں بہت اچھا کام ہے اور ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ جائز ہے۔

حاشا و کلا - فقہا کرام کے ان فقہی اختلافات کے ذکر سے ہمارا مقصد نہ تو ان کی غلطیاں نکالنا ہے نہ ہی ان پر کوئی اعتراض کرنا ہے - ایسے غیر منصوصہ مسائل میں اختلاف امتی رحمت بھی ہے فقہائے کرام کے ہم مرہون منت ہیں اور وہ امت کے محسن پیشوا ہیں - ہمارا مقصد فقہا کے باہمی ایسے اختلافات کی نشاندہی سے صرف یہ ہے کہ جس مسئلہ میں ظاہر الروایۃ اور عام فقہا کی تعبیر میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایۃ کو ہی ترجیح ہوگی اور دوسرے کسی فقیہ کی اس مسئلہ میں تعبیر مسئلہ کو ظاہر الروایۃ کے مطابق ہی محمول کیا جائے گا - اب نماز جنازہ کے موقعہ پر ممنوع دعا کے متعلق ظاہر الروایۃ بھی پڑھ لیجئے اور کچھ فقہا کے مبہم الفاظ بھی پڑھ کر فیصلہ کر لیجئے کہ چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا ممنوع ہے یا سلام کے بعد والی دعا - کتب فقہ میں امام اعظم کے اقوال ظاہر الروایۃ کی سب سے اول معتمد علیہ کتاب امام سرخسی کی مبسوط ہے اور پھر اس کے بعد مختلف فقہا کی تصنیفات میں رطب و یابس مسائل کی چھانٹی کرنے والی فقہ کی سب سے آخری کتاب فتاوٰی عالمگیری ہے - مبسوط کے متعلق تو یہ فیصلہ ہے کہ:

قال العلامۃ الطرطوسی مبسوط السرخسی لا یعمل بما یخالفہ ولا یرکن الا الیہ ولا یفتی ولا یعول الا علیہ (رد المحتار ج 1 ص 49 طبع مصر) علامہ طرطوسی

نے کہا ہے کہ کتب ظاہر الروایۃ میں سے امام سرخسی کی مبسوط ہی ایسی کتاب ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مذہب کے بیان میں مبسوط میں درج کسی مسئلہ کے مخالف کسی قول پر عمل نہ کیا جائے اور اختلاف اندراج مسئلہ کی صورت میں صرف مبسوط پر ہی اعتماد ہوگا اور اسی پر فیصلہ کیا جائے گا۔

اور فتاویٰ عالمگیری کے متعلق عالم اسلام کے 50 فقہا کی کمیٹی مرتبین فتاویٰ عالمگیری زیر نگرانی شہنشاہ اورنگ زیب کی رائے اور اس کی وجہ تالیف بھی پڑھ لیجئے۔ فتاویٰ عالمگیری طبع مصطفائی دہلی 1278ھ کے پہلے صفحہ پر یہ الفاظ ثبت ہیں:

اما بعد فسبب تالیف ھذا الکتاب المسمی بالفتاوٰی العالمگیریۃِ اَنَّ السلطان محمد اورنگ زیب عالمگیر لما کانت بمتہٖ مصروفۃ الی امور الدینِ اراد ان یعملَ الناسُ علی المسائلِ المفتی بھا مِنَ الفروع الحنفیۃِ و اذا ثبت عندہ ان ذلک متعسرٌ لاختلا طھا بالخلافیات والروایات الضعیفۃِ و تفرقھا فی الکتب الکثیرۃ و عدم اجتماعھا فی واحد من الکتب فامرَ مشاہیر الھند بان تتبعوا الکتبَ المبسوطۃ وغیرھا من الکتب المعتبرۃِ التی فی دار کتبہ (الی قولہ) ورتبوا منھا کتاباً جامعاً (فتاویٰ عالمگیری ج 1 ص 1 طبع مصطفائی دہلی 1278ھ) اس کتاب فتاویٰ عالمگیریہ کی تالیف کا سبب یہ ہوا کہ بادشاہ وقت عالمگیر اورنگ زیب سلطان دہلی کی توجہ دینی امور کی طرف تھی ان کا خیال ہوا کہ امام ابو حنیفہ کی فقہ رائج ہو اور لوگ اس پر عمل کریں۔ مگر کتب فقہ حنفی میں رطب و یابس اور فقہا کے باہمی مختلف اور ضعیف اقوال و روایات اور ضروری مسائل کسی ایک کتاب میں جمع نہ ہونے کی وجہ سے فقہ حنفی پر عمل مشکل تھا۔ اس لئے شاہ دہلی نے ہندوستان کے مشہور علما جمع کر کے انہیں اس کام پر لگایا کہ مبسوط اور معتبر کتابوں سے مفتی بہ مسائل جمع کر کے ایک صاف فتاویٰ مرتب کردیں تو انہوں نے فقہ کی یہ جامع کتاب مرتب کی۔ الخ۔

اس سے واضح ہے کہ کسی مسئلہ فقیہ میں کسی تعبیر و بیان میں جب مبسوط و فتاویٰ عالمگیری کی تالیف کے درمیانی عرصہ تقریباً ایک ہزار سال میں تالیف شدہ کتب فقہ میں بیان مسئلہ کی تعبیر و تشریح اور مبسوط و فتاویٰ عالمگیری کی تشریح و تعبیر میں اختلاف ہو تو مبسوط و فتاویٰ عالمگیری پر فیصلہ ہوگا اور ان کے مقابل کسی بھی قاضی یا فقیہ کی تعبیر و تشریح ناقابل قبول و مردود ہوگی۔

اب دیکھیے کہ مبسوط و فتاویٰ عالمگیری میں نماز جنازہ میں کس دعا سے منع کیا گیا ہے۔ چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان دعا مانگنے سے روکا گیا ہے یا بعد سلام دعا جو اہل سنت و جماعت مانگتے ہیں

اس سے منع کیا گیا ہے۔ جس کے بدعت و حرام ہونے کا وہابی دیوبندی شور مچا رہے ہیں۔

امام سرخسی کی کتاب مبسوط کی عبارت

وفی ظاہر المذہب لیس بعد التکبیرۃ الرابعۃ دعاءُ سوی السلام و قد اختار بعض مشائخنا ما یختم بہ سائر الصلوات۔ (مبسوط ج 2 ص 64 طبع مصر) ظاہر المذہب یعنی امام اعظم کے مذہب میں چوتھی تکبیر کے بعد دعا نہ مانگے صرف سلام پھیر دے۔ بعض مشائخ نے دوسری نمازوں والی دعا پڑھنی پسند بھی کی ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ کی عبارت

و لیس بعد التکبیرۃ الرابعۃ قبل السلام دعاءُ ھکذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضیخان وھو ظاہر المذہب ھکذا فی الکافی (فتاویٰ عالمگیریہ ج 1 ص 59 تقطیع کلاں طبع دہلی 1278ھ) چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے دعا نہ مانگے امام اعظم کے شاگرد امام محمد کی جامع صغیر کی شرح میں قاضی خان نے یہی کہا ہے اور امام اعظم کا قول ظاہر مذہب یہی ہے۔ کتاب کافی میں ایسا ہی ہے۔

دیکھئے فقہ احناف کی ان دونوں فیصلہ کن کتابوں میں چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان دعا مانگنے سے منع کیا گیا ہے جس کی علت شرعی ہم عنقریب ہی بیان کر آئے ہیں۔ ان دونوں کتابوں میں سلام کے بعد والی دعا سے ہرگز منع نہیں کیا گیا اور گو کہ اس کے بعد اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ میں کس جگہ دعا منع ہے مزید کسی حوالہ کی ضرورت ہی نہیں رہی مگر ہم مزید برآں اور چند زیرک و محتاط اکابر فقہا کی عبارات بھی پیش کئے دیتے ہیں۔

چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان ممنوع دعا کے بارے فقہا کی صریح عبارات

بدائع الصنائع

ولیس فی ظاہر المذہب بعد التکبیرۃ الرابعۃ دعاءٌ سوی السلام (بدائع الصنائع ج 1 ص 313 طبع مصر) ظاہر مذہب میں چوتھی تکبیر کے بعد دعا نہیں صرف سلام ہے۔

الدر المختار

ویسلم بلا دعاءٍ بعد الرابعۃ تسلمین (در مختار شرح تنویر الابصار ج 1 ص 611 طبع مصر

رد المختار فتاویٰ شامی

وھو ظاہر المذہب چوتھی تکبیر کے بعد دعا مانگے بغیر سلام پھیر دینا جیسا کہ در مختار میں کہا یہی ظاہر مذہب ہے (رد المختار ج 1 ص 611)

مجموعہ خانی | بعد از تکبیر چہارم سلام ہر دو جانب بگوید و دعا نخواند (مجموعہ خانی ص 109)
چوتھی تکبیر کے بعد دونوں طرف سلام پھیر دے اور دعا نہ پڑھے۔
مجموعہ خانی طبع مصطفائی میں ایسا ہی ہے مگر طبع دیپک لاہور میں " ودعا نخواند " کی بجائے " دعا بخواند " ہے یعنی چوتھی تکبیر کے بعد دعا پڑھ کر سلام کہے۔ نخواند والا نسخہ ظاہر الروایۃ کے مطابق ہے اور بخواند والا نسخہ مبسوط میں درج بعض مشائخ احناف کے قول کے مطابق ہے کہ دعا پڑھ بھی سکتا ہے کیونکہ اسی مجموعہ خانی میں عبارت مذکورہ کے چند سطور بعد یہ عبارت ہے:
اگر یکے ازیں چہار تکبیر ترک داد نماز روا نہ باشد فاما اگر دعا بخواند روا باشد (مجموعہ خانی ص 109) اگر چار تکبیروں میں سے کوئی تکبیر چھوڑ دی تو نماز نہیں ہوگی اور چوتھی تکبیر کے بعد دعا مانگ لی تو نماز ہو جائے گی۔
یہ عبارت اس دعا کے چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان ممنوع ہونے پر شہادت صریحہ ہے کیونکہ سلام کے بعد دعا مانگنے یا نہ مانگنے کا نماز کے ہونے یا نہ ہونے سے کیا تعلق؟ ایک دیوبندی خائن عبدالرشید نے اپنے رسالہ " نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں " میں مجموعہ خانی کی اس عبارت سے سلام کے بعد والی دعا کی ممانعت ثابت کی ہے۔
آپ نے دونوں عبارتیں پڑھ لی ہیں۔ اس کی اس حرکت پر اسے یہی کہا جاسکتا ہے کہ کچھ تو خوف خدا بھی چاہئے۔ نیز دیکھ لیجئے کہ رسالی " نماز جنازہ کے بعد دعا کی حقیقت " کا موجد ایک بھاول نگری نجدی تو صرف ایک جملہ " ودعا نخواند " نقل کر کے اور باقی ساری عبارت شیر مادر کی طرح ہضم کر کے صاحب مجموعہ خانی کی عبارت سے ممانعت دعا بعد سلام نماز جنازہ گھڑ کر لعنت اللہ علی الکاذبین کا رجسٹرڈ مصداق ہوا یا نہیں؟ مجموعہ خانی کے دونوں چھاپوں کے دونوں نسخے موجود ہیں۔ ملاحظہ کرلیں۔

المستخلص شرح کنز الدقائق

ولم یذکر الشیخ ما یقال بعد الرابعۃ لان ظاہر المذہب ان لا یقال شی وقیل یقول ربنا اتنا الخ۔ (المستخلص علی ہامش کنز الدقائق ص 52 طبع میرٹھ 1277ھ)
صاحب کنز الدقائق نے یہ نہیں بتایا کہ چوتھی تکبیر کے بعد کیا پڑھے اس لئے کہ ظاہر مذہب میں اس کے بعد کچھ نہیں پڑھا جاتا۔ ہاں بعض مشائخ دعا ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ کے قائل ہیں۔

الجوہرۃ النیرۃ شرح القدوری

ثم یکبر تکبیرۃ الرابعۃ ولا یدعو بشئ (الی قولہ) ظاہر المذہب ان لا یقول

بعدها شيئاً الا السلام (جوہرہ نیرہ ص 138 طبع عامرہ ترکی) پھر نماز جنازہ کی چوتھی تکبیر کے اور دعا نہ مانگے ظاہر مذہب یہی ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہ پڑھے۔

عنایہ شرح ہدایہ

فکان ما بعد التکبیرۃ الرابعۃ اوان التحلل و ذلک بالسلام ولیس بعدها دعاً الا السلام۔ (عنایہ بر حاشیہ فتح القدیر ج 1 ص 460 طبع مصر) چوتھی تکبیر کے بعد نماز سے خروج کا ہی وقت ہے اور وہ سلام کہہ دینا ہے۔ چوتھی تکبیر کے بعد دعا نہ مانگے صرف سلام کہہ دے۔

فتح القدیر شرح ہدایہ

ثم یکبر الرابعۃ و یسلم من غیر ذکرٍ بعدها فی ظاهر الروایۃ و استحسن بعض المشائخ ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ الخ۔ (فتح القدیر ج 1 ص 460 طبع مصر) چوتھی تکبیر کے بعد کوئی دعا مانگے بغیر سلام کہہ دے ظاہر الروایہ یہی ہے۔ ہاں بعض مشائخ احناف نے دعا ربنا اتنا فی الدنیا پڑھنے کو مستحسن کہا ہے۔

ملا مسکین شرح کنز الدقائق

ولیس بعد التکبیرۃ الرابعۃ دعاء سوی السلام في ظاهر المذهب وقیل یقول ربنا اتنا الخ۔ (ملا مسکین شرح کنز الدقائق برحاشیہ فتح اللہ المعین ج 1 ص 354 طبع مصر) چوتھی تکبیر کے بعد سوائے سلام کے کوئی دعا نہ پڑھے یہی ظاہر مذہب ہے۔ بعض نے دعا ربنا اتنا في الدنیا کاقول بھی کیا ہے۔

طحاوی علی الدر المختار

ویسلم بلا دعاءٍ بعد الرابعۃ هو ظاهر المذهب وقیل یقول ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ الخ۔ (طحاوی ج 1 ص 373 طبع مصر) چوتھی تکبیر کے بعد دعا مانگے بغیر سلام کہہ دے۔ ظاہر مذہب امام ابو حنیفہ کا یہی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ دعا ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ پڑھ لے۔

شرح نقایہ ملا علی قاری

وظاهر الروایۃ انه لیس بعد التکبیرۃ الرابعۃ سوی السلام دعاءٌ الخ۔ (شرح نقایہ للقاری ج 1 ص 134 طبع دیوبند) ظاہر روایۃ یہی ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام کے سوا کوئی دعا نہیں ہے۔

اللباب للمیدانی شرح القدوری

ثم یکبر و یسلم بعدها من غیر دعاءٍ (اللباب برحاشیہ الجوہرۃ النیرۃ ص 138 طبع ترکی)

پھر چوتھی تکبیر کہے اور بغیر دعا پڑھے سلام پھیر دے۔

تبیین الحقائق امام زیلعی شرح کنز الدقائق

ولم یذکر المصنف بعد الرابعة سوی التسلیمتین وھو ظاھر المذھب۔ الخ (زیلعی شرح کنز ج ۱ ص 241 طبع مصر) کنز الدقائق کے مصنف نے چوتھی تکبیر کے بعد کسی دعا کا ذکر نہیں کیا سوائے دونوں طرف سلام پھیرنے کے۔ ظاہر مذہب یہی ہے۔

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر

ویسلم عقیبھا ای لیس بعد التکبیرة الرابعة شئ سوی السلام فی ظاھر الروایة الخ۔ (مجمع الانہر ص 184 طبع مصر) چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے یعنی چوتھی تکبیر کے بعد سوائے سلام کے ظاہر الروایۃ کے مطابق کچھ نہیں ہے۔

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح

ویسلم وجوبا بعد التکبیرة الرابعة من غیر دعاء بعدھا فی ظاھر الروایة واستحسن بعض المشائخ ان یقول ربنا اتنا فی الدنیا حسنة الخ۔ (مراقی الفلاح ص 156 طبع مصر) چوتھی تکبیر کے بعد ضروری طور پر بغیر دعا کے سلام پھیر دے یہی امام سے ظاہر الروایۃ ہے۔ بعض مشائخ نے دعا ربنا اتنا فی الدنیا حسنة پڑھ لینا مستحسن کہا ہے۔

برجندی شرح نقایہ

ولیس بعد التکبیرة الآخرة دعاءٌ فی ظاھر الروایة۔ الخ (برجندی ج ۱ ص 180 طبع لکھنو) ظاہر الروایۃ امام اعظم میں آخری تکبیر کے بعد دعا نہیں ہے۔

ان سولہ فقہا کی سولہ کتابوں میں امام ابو حنیفہ کے مذہب ظاہر الروایۃ کے حوالہ سے صراحتہً چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا مانگنے سے ہی منع کیا گیا ہے۔ صرف معمولی الفاظ کا تقدم یا تاخر ہے۔ کسی نے کہا "کہ چوتھی تکبیر کے بعد دعا نہیں صرف سلام ہے" سلام کا ذکر بھی موجود ہے مگر کسی نے سلام کے بعد دعا نہ مانگنے کا قطعاً ذکر نہیں کیا۔ اگر سلام کے بعد بھی دعا ممنوع ہوتی تو فقہا لازماً لکھتے کہ سلام کے بعد بھی دعا نہ مانگے اور کسی نے کہہ دیا کہ "چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے اور دعا نہ مانگے" بلا ریب سب کا ایک ہی مطلب ہے اور خصوصی طور پر اس موقعہ پر دعا سے ممانعت کی وجہ وہی امام اعظم اور امام شافعی وغیرہ کا چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے دعا نہ مانگنے یا دعا مانگنے کا اختلاف ہے۔ ورنہ دعا جیسی ہر وقت محبوب و "مخ العبادۃ" عبادۃ سے اس کے علاوہ کسی نماز یا عبادۃ سے پہلے یا بعد ممانعت نہ کسی فقہ کی کتاب میں ہے نہ ہو سکتی ہے اور مقام عبرت ہے کہ ظاہر الروایۃ میں ممنوع دعا کے باوجود

مشائخ دعا کو مستحسن کہہ رہے ہیں مگر سلام کے بعد ظاہر الروایۃ میں غیر ممنوع دعا کو دیوبندی برا کہہ رہے ہیں۔

ظاہر الروایۃ میں چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان ممانعت دعا کے باوجود بعض مشائخ فقہا کے استحسان دعا کی وجہ

امام اعظم صاحب چوتھی تکبیر کے بعد کی تکبیرات اجماع صحابہ سے منسوخ ہوجانے کی بنا پر چوتھی تکبیر پر نماز ختم ہوجانے کی وجہ سے بغیر دعا کے سلام پھیر دینے کا کہتے ہیں مگر بعض مشائخ احناف قیاس و حدیث ابن ابی اوفی سے دعا کو مستحسن قرار دے رہے ہیں کہ دوسری نمازوں میں آخری تشہد یا قعود بقدر تشہد پر نماز ختم ہوجاتی ہے۔ حدیث میں ہے فقد تمت صلوتک ۔ اور جب دوسری فرض نمازوں میں تکمیل نماز تشہد یا قعود بقدر تشہد کے بعد دعا ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ الخ درست ہے تو فرض نماز جنازہ کی تکبیر رابع کے بعد بھی دعا درست ہے تو امام صاحب استحسان پر عمل کر رہے ہیں اور مشائخ فقہا قیاس و ایک حدیث پر۔

اب ہم چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان ممانعت کی بعض فقہا کی مبہم عبارات پیش کرتے ہیں۔ جن سے سلام کے بعد والی دعا کی ممانعت گھڑ کر دیوبندی دھوکہ دیتے ہیں۔ مگر پہلے اسی موضوع پر دیوبندیوں سے ہمارے ایک مناظرہ کے انعقاد اور دیوبندی علما کے فوراً نماز جنازہ کے بعد جواز دعا کے تحریری فتویٰ کا قصہ سن لیجئے۔

منڈی چشتیاں کے شمال مغرب میں واقع مشہور گاؤں شہر فرید میں کسی جنازہ کے موقع پر دعا بعد نماز جنازہ کے متعلق جھگڑا ہوا تو 15 محرم 1407ھ مطابق 2 ستمبر 1986ء بروز اتوار بمقام بستی (آدھی والی کھوئی) جو کہ زمینداران شہر فرید کے ہی زیر اثر ہے میں فریقین کے علما کو بلا کر دعا بعد نماز جنازہ کے مسئلہ پر مناظرہ مقرر ہوا۔ دیوبندی جماعت کی طرف سے مولوی عبدالغنی ولد مولوی الٰہی بخش صاحب دیوبندی امام مسجد شہر فرید و مدرس مدرسہ اشاعت العلوم منڈی چشتیاں اور سنی بریلوی مسلک کی طرف سے محرر سطور غلام مہر علی مہتمم دارالعلوم نورالمدارس صدر عیدگاہ چشتیاں شریف مناظر مقرر ہوئے۔ علاقہ کے لوگ اس مناظرہ اور اس مسئلہ کے نتائج کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ محرر سطور 15 محرم کی صبح کو اپنی کتابیں ترتیب دے رہا تھا کہ رؤسائے شہر فرید محبت خان اور ریاض احمد خان صاحبان میرے پاس صدر عیدگاہ آئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ کو اطلاع دینے آئے ہیں کہ مناظرہ کینسل کردیا گیا ہے۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ دیوبندی مولوی صاحبان کہتے ہیں کہ یہ کوئی جھگڑے والا مسئلہ ہے ہی نہیں۔ کوئی دعا مانگ بھی لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ یہ ان لوگوں کا وقتی داؤ ہے۔ بعدہ پھر یہ کہیں گے کہ منع ہے اور بدعت ہے وغیرہ وغیرہ۔ میں تیاری کر چکا ہوں۔ میں ضرور

مقام مناظرہ میں جاؤں گا یا آپ ان دیوبندی مولوی صاحبان سے مجھے لکھوا دیں کہ بعد نماز جنازہ دعا مانگنا جائز ہے۔ میری یہ بات سن کر وہ دونوں صاحبان چلے گئے اور مدرسہ اشاعت العلوم واقع جامع مسجد دیوبندیہ چشتیاں کے مولوی صاحبان سے یہ فتویٰ لکھوا کر لے آئے۔ ملاحظہ کیجئے:

جنازہ حقیقۃً دعا ہے۔ اس کے بعد دعا مانگنا اہل سنت کے ہاں ثابت نہیں۔ چونکہ مطلق دعا کی فضیلت نصوص قطعیہ میں وارد ہے اس لئے اگر نماز جنازہ کے بعد زیادتی کی مشابہت نہ ہو تو صفیں توڑ کر فرداً دعا مانگنا جائز ہے۔

عبدالغنی عفا اللہ عنہ
جامع مسجد شہر فرید

حفیظ الرحمٰن مدرسہ اشاعت العلوم
جامع مسجد چشتیاں شہر

الجواب صحیح   عبدالعزیز عفا اللہ عنہ (مہتمم مدرسہ اشاعت العلوم)

مہر مدرسہ   15 – 1 – 1407

(فتویٰ قلمی محفوظ ہے)

لا الہ الا اللہ۔ یہ فتویٰ انہی مولوی صاحب کے دست کرامت کا ہے جنہوں نے شہر فرید میں کسی جنازہ پر دعا نہ مانگ کر یہ سارا ہنگامہ کھڑا کیا اور پھر یہ لکھ کر کہ "نماز جنازہ کے بعد دعا ثابت نہیں" خود ہی اپنی فتویٰ میں فرداً دعا مانگنے کے جواز کا نصوص قطعیہ سے ثبوت دے رہے ہیں۔ پہلے مطلقاً عدم ثبوت کا دعویٰ پھر مطلق سے ثبوت جواز۔ کیا کوئی ہے پوچھنے والا کہ کسی جائز کام کو بدعت سیئہ و حرام کہنے کی سزا کیا ہے؟ اور آپ نے بھی اس جائز زہر ہلاہل کا عمر بھر میں کبھی ایک گھونٹ بھی بھرا؟ عامۃ الناس کے جنازوں اور نارمل حالات میں دعا بدعت۔ اور دو صاحب اثر زمینداروں کی مروت میں جائز۔ یہ مسلک ہے یا مصلحت؟ مذہب ہے یا تذبذب؟ فتویٰ ہے یا فراڈ؟

یہ تو خیر پنجوتے مولوی ہیں۔ یہ پورے خانہ دیوبند کے مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی کا ہی "صفیں توڑ کر علیحدہ ہو جائیں" اور "ہر شخص تنہا تنہا دعا کر لے" (دلیل الخیرات کفایت اللہ ص 19) کا دفع الوقتی سبق پڑھایا ہوا ہے۔ حالانکہ سنی لوگ صفیں توڑ کر ہی دعا مانگتے ہیں اور دیوبندی

صفیں توڑ کر بھی دعا نہیں مانگتے تو صفیں توڑنے کے بہانے بنانے کا کیا فائدہ ؟
مختصراً یہ کہ خود دیوبندیوں کی فتوے سے اجتماعاً نہ سہی فردا دعا مانگنا جائز ہے اب بعض فقہا کی وہ عبارات جن سے دیوبندی مولوی صاحبان دھوکے میں مبتلاہیں یا دھوکہ دیتے ہیں - دیکھئے اور ان کا واقعی صحیح مفہوم ملاحظہ کیجئے -

چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے دعا کے متعلق بعض علما کی مبہم عبارات جن کو دعا بعد سلام پر محمول کر کے دیوبندی دھوکہ دیتے ہیں

دیوبندی اکابرین میں سب سے کبیر مفتی کفایت اللہ دہلوی مولف " خیر الصلوۃ " سے لے کر ان کے اصاغر میں سے سب سے صغیر فناد مولوی عبدالرشید ارشد مؤلف " نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں " نے نماز جنازہ کے سلام کے بعد دعا کی ممانعت میں علما احناف کی جو عبارات پیش کی ہیں اور ایک چالاک مداری کی طرح اپنے تماش بینوں کی آنکھیں بند کر کے جھرلو چلا کر ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے وہ شرم ناک بھی ہے اور مقام حیرت بھی -
مذکورہ الصدر سولہ فقہا کی عبارات میں بھی چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان دعا سے منع کیا گیا ہے اور مندرجہ ذیل عبارات میں بھی چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا سے ہی منع کیا گیا ہے جس کی وجہ شرعی آپ پڑھ چکے ہیں - فرق صرف اتنا ہے کہ مذکورۃ الصدر عبارات میں ظاہر الروایۃ اور چوتھی تکبیر کے بعد کے الفاظ ہیں اور مندرجہ ذیل عبارات میں چوتھی تکبیر کے بعد کی بجائے بعد صلوٰۃ کے الفاظ ہیں اور ظاہر الروایۃ کے الفاظ ظاہر الروایۃ میں چوتھی تکبیر کے بعد ممنوع دعا کی ممانعت کی علت بیان کردی گئی ہے -
اب ہم وہ عبارات نمبروار نقل کرتے ہیں - عبارات دیوبندیوں کے رسالہ جات " خیر الصلوٰۃ " و " نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں " سے نقل ہوں گی - نمبروار ترتیب ہم دے رہے ہیں -

(1) لا یقوم بالدعا بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فیھا کذا فی المحیط - برجندی " رسالہ (نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں ص 71 طبع مکتبہ رشیدیہ لاہور)

(2) و بعد ازاں ایستادہ نماند برائے دعا (فتاوٰی برہنہ ص 36) (رسالہ مذکورہ صفحہ مذکورہ) ایستادہ نشود لا یقوم کا ہی ترجمہ ہے -

(3) لا یقوم بالدعا بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ دعا مرۃ - فتاوٰی بزازیہ ج ص 283 (رسالہ مذکورہ ص 73)

(4) اذا فرغ من الصلوٰۃ لا یقوم بالدعا (فتاوٰی سراجیہ ص 23) (رسالہ مذکورہ ص 73)

(5) لا یقوم الرجل بالدعا بعد صلوٰۃ الجنازۃ: قنیۃ (رسالہ مذکورہ ص 74)

(6) ولا یقوم بالدعاءُ بعد صلوٰۃ الجنازۃ" (بحوالہ طاہر احمد بخاری - کتاب کا نام نہیں - رسالہ مذکورہ ص 74)

(7) لا یقوم بالدعاءُ فی قراۃ القرآن لاجل المیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ و قبلھا (خلاصہ الفتاویٰ ص 56 تا 161) رسالہ مذکورہ ص74

(8) ولا یقوم داعیا لہ: جامع الرموز (رسالہ مذکورہ ص 73 و خیر الصلوٰۃ کفایت اللہ ص 18)

(9) ولا یدعو للمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ - مرقاۃ ملا علی قاری (رسالہ مذکورہ ص 72)

(10) خالی از کراہت نیست زیرا کہ اکثر فقہا بوجہ زیادہ بودن برامر مسنون منع مے کنند - فتاویٰ سعدیہ (رسالہ مذکورہ ص 72)

(11) بعد نماز جنازہ دعا مانگنا مکروہ ہے - نفع المفتی والسائل مولوی عبدالحی (رسالہ مذکورہ ص 71)

(12) جنازہ کے بعد کوئی دعا نہ مانگے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کے مشابہ ہے - مظاہر حق (رسالہ مذکورہ ص 71)

(13) ان الدعاءُ بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہ - محیط (رسالہ مذکورہ ص 74)

(14) لا یدعوا بعدہ فی ظاہر المنھب فتاویٰ عالمگیری (رسالہ مذکورہ ص 71)

رسالہ مذکورہ میں مولوی عبدالرشید کی تمام عبارات سوائے فتاویٰ مجموعہ خانی و بحر الرائق کے من و عن ہم نے نقل کر دی ہیں - مجموعہ خانی کی عبارت گزشتہ صفحہ میں ظاہر الروایۃ کی عبارات میں درج ہو چکی ہے اور بحر الرائق کی عبارت چونکہ ابن نجیم کے سہو ذہن یا سبق قلم کی وجہ سے غلط ہے - اس لئے اس کا جائزہ عنقریب ہی ہم علیحدہ لیں گے - اب مذکورہ عبارات میں دیوبندی فراڈ سے پردہ اٹھاتے ہیں - پہلے خط زدہ لا یقوم والی عبارات کے مطلب کی فقہی وضاحت اور پھر نمبر 9 سے تا 14 کا جائزہ و تحقیق محمل و مفہوم -

---

لا یقوم بالدعاءُ یا لا یقوم الرجل بالدعاءُ یا لا یقوم داعیاً لہ کا مطلب کیا ہے

نمبر 1 تا نمبر 8 عبارات میں اصل بنیادی لفظ لا یقوم استعمال ہوا ہے - اس کا معنی ہے کھڑا نہ ہو یا کھڑا نہ رہے یعنی دعا کے لئے کھڑا نہ رہے یعنی دیر نہ کرے - اب یہ کہ چوتھی تکبیر یا بعد نماز جنازہ کے دعا کے لئے دیر نہ کرے تو جلد از جلد کرے کیا؟ ان عبارات میں یہ بات مذکور نہیں جس کی وجہ سے دیوبندیوں کا داؤ لگ گیا - ہم کہتے ہیں کہ چوتھی تکبیر پر نماز جنازہ مکمل ہوگئی - فقہا کی ان عبارات میں لا یقوم کا مطلب یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد دعا کے لئے دیر نہ کرے

بلکہ فوراً ہاتھ کھول دے اور سلام پھیر دے - دیوبندی اس کا مطلب گھڑتے ہیں کہ سلام کے بعد دعا کے لئے دیر نہ کرے بلکہ جنازہ اٹھا کر چل پڑے - سمجھ گئے آپ اصل بات - اب ہم کہتے ہیں کہ خود فقہا سے اس کا فیصلہ کرا لو کہ ان عبارات میں لا یقوم دیر نہ کرے سے چوتھی تکبیر کے بعد بغیر دعا کے فوراً سلام پھیر دینا مراد ہے یا سلام کے بعد فوراً جنازہ اٹھا لینا یا پیچھے ہاتھ باندھ کر بھاگ جانا مراد ہے - کسی کتاب کے حوالہ میں بد دیانتی کرنے میں دیوبندی علما ضرب المثل ہیں - انہیں نمبر1 تا نمبر8 لایقوم کے لفظ والی عبارات میں سے عبارت نمبر8 جامع الرموز کی نقل میں مولوی کفایت اللہ دہلوی اور مولوی عبدالرشید نے دیدہ دانستہ خیانت کی ہے - جامع الرموز سے صرف جملہ ولا یقوم داعیاً لہ نقل کر کے ڈنڈی ماری اور باقی عبارت اس لئے چھوڑ دی کہ اس کے اظہار سے ان کے دروغ کی ساری عمارت یک دم دھڑام سے زمیں بوس ہوتی تھی - صاحب جامع الرموز علامہ قہستانی کی پوری عبارت یہ ہے:

ولا یقوم داعیا لہ وفیہ اشارۃ الی ان لبس بعد الرابعۃ ذکرٌ وقیل ھو ما فی الفعلۃ وقیل ربنا لا تزغ قلوبنا وقیل سبحان ربک رب العزت عما یصفون کما فی المحیط وفی الکلام رمز خفی الی ان الرکن ھو التکبیرات الاربعۃ فالاربعۃ الباقیۃ سنۃ کما فی الجلابی - الخ - (جامع الرموز ج1 ص 125 طبع نول کشور لکھنو) یعنی صاحب نقایہ کے جملہ ثم یکبر ویسلم چوتھی تکبیر کے اور سلام پھیر دے کا مطلب یہ ہے کہ ولا یقوم داعیا لہ چوتھی تکبیر کے بعد دعا کے لئے کھڑا نہ رہے - دیر نہ کرے - بلکہ فوراً سلام پھیر دے - اور اس میں اشارہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد کوئی ذکر دعا نہیں ہے - ہاں بعض فقہا نے کہا ہے کہ دوسرے فرضوں کے قعدہ آخری میں جو دعا پڑھی جاتی ہے وہ پڑھ کر یا ربنا لا تزغ قلوبنا الخ - یا سبحان ربک رب العزت عما یصفون پڑھ کر سلام پھیر - اور صاحب نقایہ کے کلام میں یہ بھی رمز ہے کہ فرض و رکن نماز جنازہ صرف چار تکبیریں ہی ہیں جن پر نماز مکمل ہو جاتی ہے - باقی چار چیزیں (1) ثنا (2) درود (3) دعا (4) سلام سنت ہیں جیسا کہ جلابی میں ہے

دیوبندیوں کی دعا بعد سلام نماز جنازہ کی ممانعت میں پیش کی گئی جامع الرموز کی نا مکمل عبارت کے ساتھ ہی اگلی تشریحی عبارت دیکھنے سے لا یقوم بالدعا کی اصطلاح سے مانعین دعا بعد نماز جنازہ کی مراد کھل کر سامنے آگئی کہ لایقوم دیر نہ کرے سے مراد چوتھی تکبیر کے بعد فوراً سلام پھیر دینا ہے - جیسا ظاہر الروایہ والی عبارات میں آپ پڑھ چکے اور دیوبندیوں کا پول کھل گیا کہ لا یقوم بالدعا وغیرہ سے مراد سلام کے بعد والی دعا نہیں -

نیز برجندی والی عبارت نمبر1 میں جملہ لانہ یشبہ الزیادۃ فیھا اور فتاویٰ بزازیہ کی عبارت لانہ

دَعامَرَّۃً سے مزید تائید ہو گئی کہ ان کی مراد چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا ہے کہ نہ مانگے جو کہ امام اعظم منع کرتے ہیں اور شافعی مانگتے ہیں - کیونکہ بعد تکبیر چہارم بوجہ نمازیوں کے صف بستہ بصورت نماز ہونے کے اگر سلام میں دیر کرے گا تو بوجہ قیام بصورت نماز دعا سے نماز میں زیادتی ہونے کا شبہ ہو گا اور چوتھی تکبیر کے بعد دعا سے اجماع صحابہ کہ نماز صرف چار تکبیر ہے کا خلاف ہو گا کیونکہ پانچویں تکبیر منسوخ ہو چکی - نماز میں تو صرف ایک دفعہ دعا تیسری تکبیر کے بعد مسنون رہ گئی - چوتھی تکبیر کے بعد دعا سے دوسری مرتبہ دعا ہو گی جو کہ نماز کے اندر دوبارہ نہیں ہو سکتی - باقی رہی سلام کے بعد والی دعا تو نمازی ادھر ادھر ہو چکے اور انہوں نے جوتے پہن لئے اور جب کہ وہ اب کسی بھی صورت نماز میں نہیں تو دعا سے نماز میں زیادتی کا کیا شبہ ہو سکتا ہے اور بفرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو چار چیزوں کی دعا کرو پھر جو چاہو دعا کرو (سنن بیہقی) حدیث مفصل گزر چکی ہے - کے خلاف ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ دعا پر مطلقاً پابندی لگانا فرمان نبوی سے تصادم ہے جو کہ صاحب فتاویٰ بزازیہ پر اتہام ہی ہو سکتا ہے جو کہ ان کی شان کے لائق نہیں -

عبارت نمبر 9 سے تا عبارت نمبر 14 کے مطلب کی وضاحت

عبارت نمبر 9 کہ بعد نماز جنازہ میت کے لئے دعا نہ مانگے کہ اس سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ ہوتا ہے (مرقاۃ) تا عبارت نمبر 14 سب میں لفظ بعدَ صلوٰۃِ الجنازۃِ میں لفظ "بعد" ہی باعث شبہ ہے اور دیوبندی اس سے بعد سلام نماز جنازہ ہی مراد لے کر سلام کے بعد والی دعا سے منع کرتے ہیں - حالانکہ یہ ان کی سراسر دھوکہ دہی ہے کیونکہ چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے کا وقت بھی بعد نماز ہے اور سلام کے بعد کا وقت بھی بعد نماز ہے -

چوتھی تکبیر پر نماز جنازہ سے فارغ ہو جانے اور اس کے اور سلام کے درمیان والے وقت کے بعد نماز ہونے کی فقہی وجہ

سلام کے بعد تو بعد نماز یا نماز سے فارغ ہونے کا مطلب واضح ہی ہے مگر فقہا کے نزدیک ارکان نماز مکمل ہو جانے اور سلام سے پہلے بھی من وجہ نمازی نماز سے فارغ ہو جاتا ہے - خصوصاً نماز جنازہ کے سلام سے پہلے کہ سلام نماز جنازہ نہ رکن نماز ہے نہ واجب بلکہ صرف سنت تحلّل ہے جیسا کہ جامع الرموز کی صریح عبارت میں آپ پڑھ چکے ہیں اور سنت نماز نماز نہیں ہوتی بلکہ سنۃ نماز ہی ہوتی ہے اصل نماز ارکان نماز ہی ہوتے ہیں اگر سلام نماز ہو تو سلام کے درمیان منہ پھیرنا منع ہو - حالانکہ لفظ سلام کے شروع کے ساتھ ہی منہ پھیر دیا جاتا ہے تو سلام سنت تحلّل خارج از نماز جنازہ ہے - نماز نہیں ہے - اسی لئے امام اعظم و امام محمد کا یہ قول

ہے کہ نماز جنازہ کی چوتھی تکبیر ہو جانے کے بعد اور سلام سے پہلے اگر کوئی شخص پہنچا تو وہ نماز جنازہ میں شامل نہیں ہو سکتا کیونکہ نماز چوتھی تکبیر پر ختم ہو گئی وہ بعد نماز آیا ہے۔ لہذا گو ابھی سلام نہیں پھیرا نماز ختم ہو چکی ہے۔ وہ نماز میں شامل نہیں ہو سکتا۔ اور گو کہ امام یوسف سے جواز شمول بہ نماز مذکور ہے مگر صحیح قول طرفین کا ہی ہے۔ ولو جا بعد ما کبر الامام الرابعة لم یدخل معه وقد فاتته الصلوٰة عند ابی حنیفة و محمد والصحیح قولهما چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے قبل شامل ہونے والے کی نماز نہیں ہوتی۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا یہی قول صحیح ہے۔ (بدائع الصنائع ج 1 ص 314) اور چوتھی تکبیر پر نماز مکمل ہو جانے کی یہ دلیل بھی واضح ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ کھول دینے کا حکم کتب فقہ میں صریح ہے۔

ولا یَعْقِدُ بعد التکبیرِ الرابعِ لانه لا یبقیٰ ذکرٌ مسنونٌ حتی یَعْقِدَ فالصحیح انه یَحُلّ الیدینِ ثم یُسَلِّم تسلیمتَیْنِ (خلاصہ الفتاویٰ ج 1 ص 225 طبع لکھنو)

اگر چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان نماز باقی ہوتی تو سلام سے پہلے ہاتھ چھوڑنے ممنوع ہوتے نیز کتب فقہ میں اس پر فقہا کی اور تصریحات بھی واضح دلیل ہیں کہ بمطابق حدیث نبوی: اذا قلت لو قضیتَ هذا فقد قضیتَ صلوٰتَکَ (ابو داود ج 1 ص 139 باب التشہد) جب تو نے تشہد پڑھ لیا یا قعود پورا کر لیا تو تو نے نماز مکمل کر لی۔

جب ارکان نماز پورے ہو جاتے ہیں تو نماز ختم ہو جاتی ہے اس لئے فقہا نے کہہ دیا ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر سلام پھیر دے یعنی فرائض پنجگانہ میں تشہد یا قعود بقدر تشہد اور نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر آخری رکن نماز ہیں۔ ان پر نماز ختم ہو گئی۔ ان کے بعد دعا مانگے گا یا سلام پھیرے گا تو وہ دعا یا سلام بعد نماز ہی ہو گا۔ دیکھئے امام ابن عابدین لکھتے ہیں:

قال فی التجنیس الامام اذا فرغ من صلوٰته فلما قال السلام جا رجل و اقتدی به قبل ان یقول علیکم لا یصیر داخلاً فی صلاته لان هذا سلام (رد المحتار ج 1 ص 328 طبع مصر) تجنیس (کتاب کا نام ہے) میں کہا ہے کہ امام نے جب نماز سے فارغ ہو کر سلام پھیرتے ہوئے لفظ السلام پڑھ لیا تو کوئی آدمی اس کی نماز میں اقتدا نہیں کر سکتا کیونکہ سلام نماز کے ختم ہونے کے بعد ہے۔

ملک العلما کاسانی پیشانی سے مٹی پونچھنے کے مسئلہ میں لکھتے ہیں۔

ولا بأس بانه یمسح جبهته من التراب بعد ما فرغ من الصلوٰة قبل ان یسلم بلا خلاف (بدائع الصنائع ج 1 ص 219) یعنی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اور سلام سے پہلے پیشانی سے مٹی پونچھ سکتا ہے۔

دیکھ لیا آپ نے سلام سے پہلے فرغ من الصلوٰۃ کا جملہ جو صریح شہادت دے رہا ہے کہ نماز کے آخری رکن پر نمازی نماز سے فارغ ہو جاتا ہے۔ نماز جنازہ میں آخری رکن چوتھی تکبیر ہے اس کے بعد اور سلام سے پہلے جو بھی ذکر یا دعا پڑھے گا بعد صلوٰۃ الجنازہ ہی ہو گی۔ اور دیکھئے نماز تسبیح کے بیان میں مرقاہ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری صاحب لکھتے ہیں:

وقد ذکر شیخ مشائخنا جلال الدین السیوطی فی الکلم الطیب عن الامام احمد انه یقول بعد صلوٰۃ التسبیح قبل السلام و لفظه اللهم انی اسئلک توفیق اهل الهدی الخ (مرقاۃ ج 3 ص 217 طبع ملتان) ہمارے مشائخ کے شیخ امام جلال الدین سیوطی نے الکلم الطیب میں بیان کیا ہے کہ امام احمد نماز تسبیح سے فارغ ہونے کے بعد اور سلام سے پہلے یہ دعا پڑھتے تھے اللهم انی اسئلک الخ۔

اب تو پکی تصدیق ہو گئی کہ ملک العلما کاسانی و ملا علی قاری و امام جلال الدین سیوطی و امام احمد بھی ائمہ اسلام کے فیصلہ سے نماز کے آخری رکن تشہد یا قعود بقدر تشہد اور حسب فیصلہ احناف نماز جنازہ کے آخری رکن چوتھی تکبیر پر نمازی نماز سے فارغ ہو گیا۔ اس کے بعد جو کچھ پڑھے گا یا کرے گا وہ بعد نماز جنازہ ہی ہو گا کیونکہ سنت نماز نہیں بلکہ تکمیل کنندہ نماز ہوتی ہے۔ خاتمۃ الفقہاء امام ابن عابدین ملا علی قاری، امام سیوطی، امام احمد اور امام کاسانی بھی آخری رکن نماز پر نماز سے فارغ ہو جانے اور اس کے بعد کوئی کام یا ذکر یا دعا یا سلام کو بعد نماز قرار دینے کی ان کی تصریحات سے یہ فقہی نکتہ جب اظہر من الشمس ہو گیا کہ چوتھی تکبیر آخری رکن نماز پر نمازی نماز سے فارغ ہو گیا تو اس بنا پر مذکورۃ الصدر فقہا نے عبارت نمبر 9 نمبر 14 میں اسی ظاہر الروایۃ والی عبارات میں چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی ممنوع ہے ہی لا یدعو بعد صلوٰۃ الجنازۃ نماز جنازہ (چوتھی تکبیر) کے بعد دعا نہ مانگے یا الدعا بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہ بعد نماز جنازہ دعا مانگنا مکروہ ہے وغیرہ قدرے مختلف الفاظ سے اسی چوتھی تکبیر کے بعد والی دعا سے ہی منع کیا ہے۔ سلام کے بعد والی دعا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عام فرمان فضیلت دعا بعد ہر نماز کی تعمیل اور آپ کی سنت مستحبہ کی تعمیل میں تمام اہل سنت اولیا و علما و عوام و خواص مانگتے چلے آ رہے ہیں قطعاً کسی کتاب میں ممنوع نہیں ہے۔ نیم خواندہ ملاں کتب فقہ میں مستعمل اصطلاحات فقہا سے جہالت کی وجہ پکی روٹی والے کی طرح پکی روٹی دھکنا جانتے ہیں۔ پکی روٹی میں نماز کے مستحبات میں لکھا ہے "کھنگار پونچھے" حالانکہ بدائع الصنائع میں ہے "ینبغی ان یاخذہ بطرف ثوبه" (بدائع ج 1 ص طبع مصر) اسی پکی روٹی میں نماز کے بھنڈروں میں ہے "وقت دیگر دے خفتان چا پڑھے" یعنی عصر کے وقت میں عشاء کی نماز پڑھنے سے نماز ٹوٹ جائے گی حالانکہ ایسا کرنے سے نماز منعقد

نہیں ہوتی - ٹوٹے تو تب کہ پہلے منعقد تو ہو - (لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم) اسی پکی روٹی سے ممانعت دعا بعد نماز جنازہ کا حوالہ بھی عبدالرشید دیوبندی نے دیا ہے - ماشاء اللہ!

شہرے چنیں شہریارے چنیں

اس قحط العلم زمانہ میں ملک نجدیت و خارجیت سے کئی ایسی علم مار پکی روٹیاں برآمد ہو رہی ہیں اور علم کے قحط زدہ عوام وخواص اسے جہالت کے روح مار شربت سے ھضم کیے جارہے ہیں۔

مولوی عبدالرشید ارشد صاحب کے رسالہ "نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں" میں دیے گئے حوالہ جات پر ایک اور ضرب

عبارت نمبر 9 مرقاۃ | ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں یہ عبارت ابن مالک کی شرح وقایہ کے حوالہ سے نقل کی ہے جس میں نماز جنازہ کے بعد نماز میں زیادتی کے شبہ کی وجہ سے دعا ممنوع لکھی ہے - خود ملا علی قاری نے شرح نقایہ میں ظاہر الروایۃ امام اعظم کے حوالہ سے چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا ممنوع لکھی ہے - لہٰذا ملا علی قاری کی ابن مالک کی عبارت چند وجوہ سے ناقابل عمل ہے:

(۱) ابن مالک کی عبارت میں مطلقاً دعا ممنوع لکھی ہے یہ وضاحت نہیں کہ کون سی دعا نہ مانگے۔ ظاہر الروایۃ امام ابو حنیفہ سے ممنوع چوتھی تکبیر کے بعد والی دعا نہ مانگے یا دیوبندیوں کی مراد سلام کے بعد والی دعا نہ مانگے - لہٰذا مرقاۃ والی عبارت مجمل ہے اور شرح نقایہ والی عبارت مفصل اور واضح ہے - لہٰذا شرح نقایہ والی عبارت جو ہم نے عبارات ظاہر الروایۃ میں نقل کر دی ہے - کے مقابلہ میں اس کی مرقاۃ والی عبارت ناقابل عمل ہے - کیونکہ خود ملا علی قاری کی شرح نقایہ کی عبارت ان کی ابن مالک سے منقولہ عبارت سے مراد کی تفسیر و وضاحت و تفصیل ہے -

(۲) عبداللطیف ابن مالک کی کتاب شرح وقایہ ناقابل اعتبار کتاب ہے کیونکہ اس کی نامکمل حالت میں ابن مالک کی وفات کے بعد اس کے بیٹے محمد نے اس میں اپنی طرف سے اضافہ جات کرکے اس کی تبییض کی تھی جس کی وجہ سے اس کتاب سے نقل مسئلہ کی صحت ناقابل یقین ہے - مولوی عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں کہ شرح وقایہ ابن مالک کے دیباچہ میں ابن مالک کے بیٹے نے خود لکھا ہے کہ:

کان ابی قد الف شرحاً للوقایۃ لکن لما ضاعت النسخۃ التی بیضھا (الی قولہ) کتبت من مسودتھا مع بعض الالحاقات شرحا آخر الخ (الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ ص 107 طبع نور محمد کراچی) میرے والد ابن مالک نے شرح وقایہ لکھی تھی

مگر وہ صاف شدہ کاپی ضائع ہو گئی پھر میں نے ان کے صاف کردہ نسخہ کے ضیاع کے بعد اس کے مسودہ سے اس میں اپنی طرف سے کچھ حصے لاحق کر کے دوسری کتاب شرح وقایہ تیار کی۔

لہٰذا مرقاۃ میں شرح وقایہ کی عبارت ناقابل اعتبار ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ اس سے مراد بھی چوتھی تکبیر کے بعد والی دعا ہے جو کہ ملا علی قاری کی شرح میں ظاہر الروایۃ کے حوالہ سے موجود ہے نہ کہ بعد سلام والی دعا جو کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۔ بعدَ کلِّ فریضۃٍ دعوۃٌ مُستجابۃٌ اور 2 ۔ اذا فرغ احدکم من صلوٰۃ فلیدع باربع الخ۔ سے متصادم ہے جو ہم مفصل درج کر چکے ہیں۔

(3) ویسے بھی اس عبارت کا ایسے موقعہ پر مرقاۃ میں اندراج محل نظر ہے کیونکہ جس حدیث کی شرح میں یہ عبارت درج ہے اس میں میت پر نماز جنازہ کی تین صفیں بنانے کی فضیلت بیان ہے دعا وغیرہ کا کوئی محل نہیں ہے۔ لہٰذا عبارت ملا علی قاری کی منقولہ ہے یا بعد میں بے عقل کاری گر کے بے محل الحاق کا کارنامہ ہے (واللہ اعلم) لہٰذا یہ عبارت کسی طرح مذکورہ احادیث نبویہ بابت عمومی فضیلت دعا کی مخصص حرمت دعا بعد سلام از نماز جنازہ ہرگز نہیں ہو سکتی۔ جو کہ حدیث نبوی اور خود دیوبندیوں کے فتوئی جواز دعا فرداً کے بھی صریح خلاف اور ناقابل حجت ہے۔ سوائے اس توجیہ مطابقت ظاہر الروایۃ کے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

(4) ملا علی قاری کی مرقاۃ والی عبارت خود دیوبندیوں کے فتوئی کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس عبارت میں مطلقاً بغیر امتیاز اجتماعی یا فرداً کے منع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اس کے الفاظ لا یدعو سے ظاہر ہے اور دیوبندیوں کا فتوئی ہے کہ صفیں توڑ کر فرداً دعا مانگنا جائز ہے اس سلسلہ میں مولوی کفایت اللہ دہلوی دیوبندی اور منڈی چشتیاں کے دیوبندیوں کا فتوئی ہم درج کر آئے ہیں۔

ابو بکر بن حامد کا قول و شرح نقایہ برجندی کی عبارت نمبر 1

دیوبندی مولوی عبدالرشید ارشد صاحب نے رسالہ "نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں" میں دیدہ دانستہ نقل عبارت میں بد دیانتی سے صرف اتنی ہی عبارت نقل کی ہے جتنی کہ آپ دیکھ چکے ہیں۔ پوری عبارت یہ ہے:

ولا یقوم بالدعاءُ بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فیھا کذا فی المحیط و عن ابی بکر بن حامد ان الدعاءُ بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہٌ و قال محمد بن الفضل انہ لا باس بہ کذا فی القنیۃ (برجندی ج 1 ص 180 طبع لکھنو) نماز جنازہ کے بعد دیر نہ کرے تاکہ نماز میں زیادتی کا شبہ نہ ہو۔ محیط میں ایسا ہی ہے اور ابو بکر بن حامد سے منقول ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے اور محمد بن فضل نے کہا ہے کہ بعد نماز جنازہ دعا مانگنا درست ہے۔

ارشد صاحب نے پوری عبارت اس لئے نقل نہیں کی کہ:

(۱) عبارت کا پہلا حصہ برجندی میں محیط سے مبہم الفاظ ولا یقوم بالدعا بعد صلوٰۃ الجنازۃ سے منقول ہے۔ مگر اسی محیط کے حوالے سے جامع الرموز میں ان واضح الفاظ سے منقول ہے:

ولا یقوم داعیا لہٗ و فیہ اشارۃ الی ان لیس بعد الرابعۃ ذکرٌ و قیل ھو ما فی الفعلۃ (الیٰ قولہ) کما فی المحیط (جامع الرموز ج 1 ص 125 طبع لکھنو) نماز جنازہ کے بعد دیر نہ کرے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد کوئی ذکر دعا نہیں۔ محیط میں ایسا ہی ہے۔(۱)

محیط کے برجندی میں منقول الفاظ میں کوئی وضاحت نہ تھی کہ دعا بعد نماز جنازہ سے کون سی دعا مراد ہے چوتھی تکبیر کے بعد والی جو ظاہر الروایۃ امام ابو حنیفہ سے ممنوع ہے یا سلام کے بعد والی جو وہابی و دیوبندی منع کرتے ہیں۔ مگر برجندی کے بعد امام قہستانی نے جامع الرموز میں برجندی کی مبہم عبارت منقولہ از محیط کی محیط کے ہی حوالہ سے وضاحت کر دی کہ محیط میں ممنوع دعا سے مراد چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا ہے۔ جس سے امام ابو حنیفہ منع کرتے ہیں اور امام شافعی و امام احمد و مالک مانگتے ہیں۔ سلام کے بعد والی دعا محیط کی عبارت سے مراد نہیں ہے۔ محیط 544 ھ برجندی 933 ھ اور جامع الرموز 941 ھ کی تصنیفات ہیں۔ محیط والے نے چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا کی ممانعت ظاہر الروایۃ میں ممنوع پا کر اسے اپنے الفاظ میں ممنوع لکھا۔ برجندی نے بھی اسے بغیر وضاحت کے نقل کر ڈالا مگر اس کے بعد امام قہستانی نے صاحب محیط کی غیر محتاط اور مبہم عبارت کی وضاحت کر دی کہ لا یقوم بالدعا بعد صلوٰۃ الجنازۃ سے صاحب محیط اور برجندی کی مراد چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی ممنوع دعا ہے۔ صاحب جامع الرموز صاحب محیط و صاحب برجندی سے متاخر ہیں۔ اس لئے اس کی ہی تشریح فیصلہ کن و قابل قبول ہو گی۔ دیوبندیوں کی خود ساختہ تشریح ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتی اور محیط و برجندی کی مبہم عبارت تو دیوبندیوں کے مذکور فتویٰ جواز دعا فرداً کے بھی خلاف ہے۔ مفتی کفایت اللہ اور منڈی چشتیاں کے دیوبندی علما کا فتویٰ گزر چکا ہے کہ فردا دعا مانگنا جائز ہے۔ دیکھئے۔

(۲) اس لئے کہ ابو بکر بن حامد کا قول بھی خود مولوی عبدالرشید نے محیط کے حوالہ سے نقل کیا ہے (دیکھو رسالہ مذکورہ ص 74) اور برجندی نے ابو بکر کا قول قنیہ کے حوالہ سے نقل کر کے خود قنیہ کے حوالے سے ہی محمد بن فضل سے اس کی تردید کر دی ہے کہ محمد بن فضل کہتے ہیں کہ بعد نماز جنازہ دعا مانگنا درست ہے۔ تعبیر مذہب میں محمد بن فضل عام فقہا سے زیادہ محقق

قنیہ ہیں - مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی لکھتے ہیں :

محمد بن الفضل ابو بکر الفضلی الکماری البخاری کان اماما کبیراً و شیخاً جلیلاً معتمداً فی الروایة مقلداً فی الدرایة رحل الیه ائمة البلاد ومشاهیر کتب الفتاوٰی مشحونة بفتاواه و روایاته (الٰی قوله) کان صالحاً عالماً عمر حتٰی حدث بالکثیر و کانت ولادته سنه ست و عشرین و اربع مائة و توفی ببخارا سنته ثمان و خمس مائة الخ (الدرر البہیہ ص 184 طبع کراچی)

محمد بن فضل بخاری امام کبیر و شیخ جلیل روایت میں معتمد اور درایت میں مقلد تھے - ائمہ فقہ کے مرجع تھے - ان کے فتووں سے کتب فتاوٰی مزین ہیں - صالح عالم تھے - بڑی عمر پائی اور کثرت سے حدیث بیان کی - 436 ھ میں پیدا ہوئے اور 508 ھ میں بخارا میں وفات پائی -

مولوی عبدالرشید دیوبندی نے سلام کے بعد والی بارشلو نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مستحب کی ممانعت ثابت کرنے کے خمار میں اپنی جہالت کا ثبوت دیتے ہوئے ابو بکر بن حامد کا قول کے حوالہ سے نقل تو کردیا مگر ڈنڈی یہ ماری کہ جامع الرموز میں اس کی تشریح شیر مادر سمجھ ہضم کر گئے - حالانکہ محیط و قنیہ دونوں میں غلط مسائل کی بھرتی بھی ہے - محیط کے متعلق ابن ہمام صاحب فتح القدیر شرح ہدایہ کی فتح القدیر کی کتاب "القضا" اور ابن امیرالحاج شار "منیۃ المصلی" کے حوالہ سے مولوی عبدالحی صاحب لکھتے ہیں :

لم یحل النقل منه ولا الافتا عنه محیط سے کوئی مسئلہ نقل کرنا اور اس پر فتوٰی دینا جائز نہیں ہے - (الدرر البہیہ ص 190 طبع کراچی)

اور قنیہ کے متعلق تو فیصلہ واضح ہے کہ :

کلام القِنْیَة لا یعمل به اذا عارضه غیرهٗ (رد المحتار ج 1 ص 611 مسئلہ قرات فاتحہ در جنازہ) قنیہ والے کا کوئی مسئلہ جب دوسرے کسی قنیہ کے مطابق نہ ہو تو اس پر عمل کیا جائے -

رضی الدین سرخسی کی کتاب محیط تو اس لئے غیر معتبر ہے کہ اس میں نوادر مسائل بھرے ہیں - جو غیر معتبر ہیں - دیکھو ردالمحتار ج 1 ص 49 اور محیط کا معتبر متفق علیہا نسخہ بھی موجود نہیں اور قنیہ جس سے ابو بکر کا قول برجندی میں بھی منقول ہے یہ بھی معتبر نہیں - کیونکہ مصنف معتزلہ فرقہ سے تعلق رکھتا ہے جو کہ بعض دیوبندی معتزلیوں کی طرح وفات کے بعد صدقہ دعا و ثواب میت کو پہنچنے کا قائل ہی نہیں ہے -

والی دعا الاحیاء للاموات و صدقتھم ای صدقۃ الاحیاء عنھم ای عن الاموات نفع لھم ای للاموات خلافاً للمعتزلۃ (متن شرح عقائد شرح نبراس ص 579) اہل سنت کے نزدیک صدقہ و دعا کا میت کو نفع ہوتا ہے۔ معتزلہ فرقہ اس کا قائل نہیں۔

اس لئے صاحب محیط و قنیہ کی عبارات غیر معتبر ہیں۔ ان دونوں نے ظاہر الروایۃ میں ممنوع دعا بعد تکبیر رابع و قبل سلام مندرج و منقول از مبسوط کو ہی اپنی طرف سے ولا یقوم للدعا یا الدعا بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہ کے اپنے ایجاد کردہ الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ جس کی صحیح تعبیر امام قہستانی نے جامع الرموز میں کردی ہے۔ لہذا دیوبندیوں کی یہ فراڈ بازی قطعاً بد دیانتی ہے کہ بعد صلوٰۃ الجنازۃ سے مراد سلام کے بعد والی دعا ہے اور فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ احدکم من صلوٰتہ فلیدع الخ۔ کے خلاف ایسی مبہم و غلط تعبیری عبارات قطعاً ناقابل توجہ و مردود ہیں۔

لہٰذا بعد صلوٰۃ الجنازۃ کی فقہی وجہ برائے اطلاق بر دعا بعد تکبیر رابع ہم بیان کر چکے ہیں۔ تو ابو بکر بن حامد اسی ظاہر الروایۃ امام اعظم میں چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی ممنوع دعا کو بوجہ مخالفت ظاہر الروایۃ مکروہ کہہ رہے ہیں اور امام محمد بن فضل بھی اسی چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا کو بوجہ قیاس بر باقی نمازہائے فرض و نفل و عمل صحابی عبداللہ بن ابی اوفی بردعا بعد تکبیر رابع و استحسان مشائخ احناف لاباس بہ یعنی جائز و درست کہہ رہے ہیں۔ یہ سب جھگڑا بوجہ مخالفت در ظاہرالروایۃ صرف چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا کے متعلق ہے اسی کو ابی بکر بن حامد مکروہ اور اسی کو محمد بن فضل بوجہ مذکور درست و جائز کہہ رہے ہیں۔ ورنہ دیوبندیوں کے مطابق سلام کے بعد دعا مانگنا جب بدعت سیئہ ہے تو ابو بکر اسے حرام کہتے صرف مکروہ نہ کہتے۔

مکروہ اپنے امام کے مذہب کا خلاف ہوتا ہے جو کہ چوتھی تکبیر کے بعد دعا مانگنے سے ہو سکتا ہے نہ کہ بدعت سیئہ کا ارتکاب جو کہ بقول دیوبندیہ بعد سلام دعا مانگنے سے ہوتا ہے۔ ورنہ بوجہ نسخ تکبیرات بعد تکبیر رابعہ ظاہرالروایۃ میں فوراً سلام اور منع دعا کے اس موقعہ کے علاوہ دیوبندی بتائیں کہ کیا کوئی بھی دعا کہیں کسی وقت بھی منع ہے؟ فاعتبروا یااولی الابصار۔

خلاصۃ الفتاویٰ کی محولہ عبارت نمبر 7 | اس عبارت میں بھی لا یقوم کا لفظ ہے۔ جس کی تردید خود فقہاء سے جامع الرموز سے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ صاحب خلاصۃ الفتاویٰ کا قول اس وجہ سے بھی قابل قبول نہیں کہ صاحب خلاصۃ الفتاویٰ نے میت کے لئے قرات قرآن مجید نماز جنازہ سے پہلے بھی اور بعد بھی منع کی ہے۔ حالانکہ اس کا یہ قول فقہائے محققین حنفیہ اور تمام تلامذہ امام اعظم ابو حنیفہ و جمہور احناف کے خلاف ہے۔ خاتمۃ المحققین امام

ابن عابدین کہتے ہیں:

فان لم یکن ھناک نجاسة ولا احد مکشوف العورة فلا کراہتہ مطلقا (رد المختار ج 1 ص 598) یعنی اگر قرآن پڑھنے کی جگہ پاک ہو اور میت کی شرم گاہ کپڑے سے ڈھکی ہوئی ہو تو غسل میت سے پہلے بھی اس کے لئے قرآن مجید پڑھنا قطعاً مکروہ نہیں ہے

طحاوی علی الدر میں ہے:

ویقرأ عندہ القرآن الخ (طحاوی بحوالہ قہستانی ج 1 ص 365 - ہکذا فی جامع الرموز ج 1 ص 123)

اور اس سے بڑھ کر خود امام اعظم کی وفات کے موقع پر اکابر فقہائے احناف و تلامذہ امام اعظم کا عمل دیکھئے:

و ان ابا حنیفة لما مات فختم علیه سبعون الفا قبل الدفن جب امام ابو حنیفہ فوت ہوئے تو ان پر دفن سے پہلے ستر ہزار قرآن مجید ختم ہوئے (جواز الدعا للموتی خواجہ محمد اکبر بصیر پوری بحوالہ جامع الروایات ص 3)

اور خود دیوبندی مفتی کفایت اللہ دہلوی کی "خیر الصلوٰۃ" کے صفحہ 19 اور "مفتاح الصلوٰۃ" کے صفحہ 112 اور حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی اشعۃ اللمعات ج 1 ص 686 سے متصل گزر چکا ہے کہ بعد نماز جنازہ فاتحہ جو کہ ام القرآن ہے کا پڑھنا اور دعا کرنا جائز ہے تو صاحب خلاصۃ الفتاویٰ کا یہ قول وہم ہے اور خود دیوبندیوں کے فتویٰ مذکور جواز دعا فوراً کے بھی خلاف ہے - اسی لئے علامہ عبدالقادر قرشی مصری متوفی 775ھ اپنی کتاب "الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ" میں صاحب ہدایہ و صاحب خلاصۃ الفتاویٰ کی بے شمار فقہی غلطیاں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد وقع فی کتاب الھدایة و الخلاصة اوھام کثیرة (الجواہر المضیۃ ج 2 ص 440 طبع حیدر آباد دکن) ہدایہ اور خلاصۃ الفتاویٰ میں بہت سے اوہام اور مشکوک مسائل بھی ہیں - اس لئے ظاہر الروایۃ صحیحہ امام اعظم کے فقہی قول کے علاوہ کسی بھی فقیہ کا ایسا قول جو کتاب اللہ و حدیث نبوی سے مشکوک ہو وہ مدار مذہب نہیں ہو سکتا - صاحب خلاصۃ الفتاویٰ کا یہ قول بہ توجیہہ دیوبندیہ ممانعت دعا بعد سلام نماز جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد فرغ احدکم من صلاتہ فلیدع کے خلاف ہے اور ناقابل قبول ہے - ورنہ دیوبندی بھی بعد نماز جنازہ فوراً دعا مانگنے کے جواز کا فتویٰ واپس لیں کہ دعا میں قرآن مجید پڑھ کر ہی ایصال ثواب ہوتا ہے اور صاحب خلاصہ مطلقاً بعد نماز جنازہ قرآن مجید پڑھنے سے روک رہے ہیں - اور ان کا یہ قول حدیث نبوی اور مذکورۃ الصدر فقہا و محدثین اور خود دیوبندیوں کے بھی خلاف ہونے کی وجہ سے بلا ریب وہم و محل نظر ہے - الا بصورۃ توجیہ ممانعت دعا بعد تکبیر رابع قبل سلام مطلقاً

(ل) صاحب جامع الرموز۔

فتاویٰ عالمگیریہ کی عبارت نمبر 14 مولوی عبدالرشید صاحب نے فتاویٰ عالمگیریہ سے ممانعت دعا بعد نماز جنازہ میں یہ عبارت نقل کی ہے:

لا یدعوا بعدہ فی ظاہر المذہب مولوی عبدالرشید صاحب کا یہ صریح دروغ ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں عبارت یوں ہے۔ ولیس بعد التکبیرۃ الرابعۃ قبل السلام دعاء ھکذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضیخان و ھو ظاہر المذہب ھکذا فی الکافی (فتاویٰ عالمگیریہ ج1 ص 59 طبع دہلی)

دیوبندی مولوی کی جعلی عبارت کا مطلب ہے کہ ظاہر المذہب میں اس کے بعد دعا نہ مانگے اور اس کے بعد " کے گول مول لفظ سے کچھ بھی مراد ہو سکتا ہے اور ارشد صاحب نے اس سے سلام نماز جنازہ کے بعد والی دعا کی ممانعت گھڑ کر امام اعظم کے ذمہ لگا کر اپنی جعل سازی فتاویٰ عالمگیری کے حوالے کردی۔ حالانکہ فتاویٰ عالمگیری کی اصل عبارت کا مطلب ہے کہ چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان ظاہر المذہب میں دعا ممنوع ہے۔

اس کارروائی میں اس نے جھوٹ بول کر دو ظلم کئے ہیں۔ پہلا ظلم تو امام اعظم پر کیا کہ ان پر سلام کے بعد والی دعا کو جو عموم احادیث نبویہ سے ہر نماز کے بعد مانگنا مستحب ہے کا ان سے ممنوع ہونا گھڑا اور دوسرا ظلم یہ کہ مرتبین فتاویٰ عالمگیری اعاظم فقہا احناف پر سلام کے بعد مستحب دعا کی ممانعت کا اتہام لگا کر قبروں میں ان کی روحوں کو تڑپایا اور ان سے لعنت اللہ علی الکاذبین کا تمغہ حاصل کیا۔ اور تعجب بھی کیا؟ دیوبندی فرقہ کے نزدیک جھوٹ بول لینا کوئی عیب نہیں کیونکہ ان کے نزدیک تو معاذ اللہ انبیائے کرام علیہم السلام بھی صریح جھوٹ سے معصوم نہیں ہوتے۔ یہ مولوی ارشد صاحب تو خیر سے نیم ملاں خطرہ ایمان ہی ہیں۔ اس گروہ کے سب سے بڑے عالم العلما جنہیں انہوں نے قاسم العلوم و جمیع نعم ربانیہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں قاسم العلوم نصب کیا ہوا ہے۔ مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند اپنے فکر مسلک دیوبند کے لئے یوں گوہر فشانی کرتے ہیں:

(1) دروغ صریح بھی کئی طرح پر ہوتا۔ جن میں سے ہر ایک کا حکم یکساں نہیں اور ہر قسم سے نبی کا معصوم ہونا ضروری نہیں (معاذ اللہ)

(2) بالجملہ علی العموم کذب کو منافی شان نبوت بایں معنی سمجھنا کہ یہ معصیت ہے اور انبیاء علیہم السلام معاصی سے معصوم ہوتے ہیں خالی غلطی سے نہیں (معاذ اللہ) (تصفیہ العقائد مولوی محمد قاسم بانی دیوبند ص 23 طبع دیوبند)

دروغ صریح کا مطلب ہے چٹا ننگا جھوٹ۔ دیوبندی فرقہ کے بانی صاحب کہہ رہے ہیں کہ

چپٹے ننگے جھوٹ کی ہر قسم سے نبی کا معصوم ہونا ہی ضروری نہیں یعنی چٹا ننگا جھوٹ بھی نبی بول لے تو اس کی شان کے خلاف نہیں اور دوسری عبارت میں تقسیم علم و خیرات یوں فرما رہے ہیں کہ جھوٹ گناہ ہی نہیں تو پھر نبیوں کو اس سے معصوم سمجھنا ہی غلط ہے (معاذ اللہ)

سمجھ گئے آپ دیوبندی علم و نظر کی جولانیاں ۔ اور جب چٹا ننگا جھوٹ بول لینا نبی کی شان کے خلاف نہیں تو ان کے نزدیک ان کے اپنے آقائے نعمت نجدی پیشواء کے مذہب و ملت کی آبیاری کے لئے تو جھوٹ بول لینا بڑا ہی کار ثواب ہوگا۔

دیوبندی مولویوں کے آخری سہارا "البحر الرائق" کی عبارت کا جائزہ

کنز الدقائق فقہ حنفی کی جامع اور مختصر کتاب ہے ۔ اس میں بوجہ اختصار و جامعیت کے مُغلق عبارات و اشارات سے کام لیا گیا ہے ۔ مختلف علما نے اس کی شروح لکھی ہیں ۔ زین الدین ابن نجیم کی شرح کا نام البحر الرائق ہے ۔

ابن نجیم کے مداحوں نے بمطابق "پیراں نمے پرند بلکہ مریداں مے پرانند" ابن نجیم کی غث و سمین سے بھرپور طویل و عریض شرح البحر الرائق دیکھ کر ابن نجیم کی بھی بڑی لمبی چوڑی تعریفیں کی ہیں ۔ یہاں تک کہ اسے محرر المذہب النعمانی و ابو حنیفہ الثانی بھی کہا گیا ہے ۔ حالانکہ ابن نجیم کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہ اتنے قد کاٹھ کا فقیہ نہیں تھا۔ اس کی البحر الرائق باقی شارحین کنز کی شروح سے لمبی ضرور ہے مگر ایسی غیر ضروری طوالت کی وجہ سے ابن نجیم نے اس میں رطب و یابس اور غلط مسائل سے بھی گریز نہیں کیا۔ خود دیوبندیوں کے سب سے بڑے محقق مولوی محمد انور شاہ کشمیری ابن نجیم کی "البحر الرائق" میں مثلاتی غلطی نکالتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال ابن نجیم صاحب البحر - ان اللعنة صغیرة - ولعله ذهب الیه لانه رائی هذا اللفظ یجری بین المسلمین فی باب اللعان فیکون صغیرة لا محالة ولیس بشئی فان الشرع انما وضعه بین المتلاعنین لکونه اقبح لفظ عند الشرع (الیٰ قوله) لا کما فهمه (فیض الباری شرح بخاری ج 4 ص 214 طبع ڈھابیل)

ابن نجیم صاحب بحر الرائق نے کہا ہے کہ لعنت صغیرہ گناہ ہے ۔ شاید اس نے یہ اس لئے کہہ دیا کہ لعان کنندگان کے درمیان ایک دوسرے پر لعنت میں یہ لفظ استعمال ہوتا رہتا ہے ۔ ابن نجیم کا اس لعنت جیسے کبیرہ گناہ کو صغیرہ قرار دینا اس کی غلطی ہے ۔ کیونکہ قذف کی صورت میں خاوند و بیوی کے درمیان لعان کرایا ہی اس لئے جاتا ہے کہ لفظ لعنت شرع میں سب سے زیادہ قبیح لفظ ہے تو یہ کس طرح صغیرہ گناہ ہو سکتا ہے ۔ تو ابن

بحر کی فہم غلط ہے۔
اب ہم آپ کو نماز جنازہ کے اندر والی دعا کے متعلق صاحب کنز الدقائق کی عبارت دکھاتے ہیں اور اس عبارت کی شرح میں ابن نجیم کی غلط فہمیاں بھی گنواتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ابن نجیم کی غلط عبارت میں پھر دیوبندی علما کی تبدیلیاں و فقہی بے اعتدالیاں بھی دکھاتے ہیں۔
سب سے پہلے نماز جنازہ میں دعا کا موقع بیان کرتے ہوئے صاحب کنزالدقائق کی عبارت دیکھئے۔ آپ لکھتے ہیں:
وھی اربع تکبیرات بثناءٍ بعد الاولی و صلوٰۃٍ علی النبی علیہ السلام بعد الثانیۃ و دعاءٍ بعد الثالثۃ و تسلیمتین بعد الرابعۃ ۔ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں۔ پہلی تکبیر کے بعد ثنا ہے دوسری تکبیر کے بعد درود ہے تیسری تکبیر کے بعد دعا ہے اور چوتھی تکبیر کے بعد دونوں طرف سلام پھیرنا ہے۔
صاحب کنز الدقائق کی اس عبارت کے فقرہ و دعاءٍ بعدالثالثۃ کی تشریح میں ابن نجیم کی البحر الرائق کی عبارت یہ ہے:
وقید بقولہ بعد الثالثۃ لانہ لا یدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصۃ وعن الفضلی لا باس بہ (البحر الرائق ج 2 ص 183 طبع مصر) کنز الدقائق والے نے دعا کے ساتھ بعد الثالثہ کی قید اس لئے لگائی ہے اور کہا ہے کہ تیسری تکبیر کے بعد دعا مانگے ۔ اس لئے کہ سلام کے بعد دعا نہ کرے۔
ابن نجیم کی سبق قلم یا غلطی یادداشت یا غلط فہمی سے لکھی ہوئی اس غلط عبارت میں لانہ لا یدعو بعد التسلیم صاحب کنزالدقائق کے فقرہ و دعا بعد الثالثۃ کی علت بیان کی گئی ہے یعنی تیسری تکبیر کے بعد دعا کرنے کی علت یہ ہے کہ سلام کے بعد دعا نہ کرے "تیسری تکبیر کے بعد دعا کرے" یہ جملہ معلولہ بھی جملہ انشائیہ ہے اور اس کی علت بیان کردہ ابن نجیم لانہ لا یدعو بعد التسلیم بھی جملہ انشائیہ ہے ۔ حالانکہ علت کا معلول سے پہلے فیصلہ شدہ ہونا ضروری ہے ورنہ بناءالمتیقن علی الموھوم لازم آئے گی ۔ اور جب کہ علت یعنی عدم جواز بعد سلام ہی کتاب اللہ یا حدیث نبوی یا امام اعظم کے قول سے محقق نہیں تو اس کی وجہ سے دعا کی تقیید بالثالثۃ کی نکتہ آفرینی ابن نجیم جیسے عالم سے صرف توہم یا اس کی اپنی غلط استدلالی کارروائی کے سوا کوئی معنی نہیں رکھتی۔
مشہور مقولہ ہے ثبتِ العرش ثم النقش ابن نجیم پہلے دعا بعد تسلیم کو قرآن مجید یا حدیث نبوی یا ظاہر الروایۃ یا اپنے سے پہلے کسی مستند محقق کے قول سے منع ثابت کرتے پھر صاحب کنز الدقائق کے ذمہ لگاتے کہ چونکہ سلام کے بعد دعا نہ مانگنا نص یا قول امام سے ثابت

ہے اس لئے دعا تیسری تکبیر کے بعد ہی مانگ لے' سلام کے بعد نہ مانگے - حاشاو کلا صاحب کنز الدقائق کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں - ان کی عبارت کا صاف مطلب یہی ہے کہ تیسری تکبیر کے بعد دعا مانگے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے یعنی ظاہر الروایۃ امام اعظم کے مطابق چوتھی تکبیر کے بعد صرف سلام ہی ہے دعا نہیں ہے -

اگر ابن نجیم کی اس عبارت کو من و عن صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ علامہ صاحب محرر مذہب نعمانی نہیں بلکہ محرف مذہب نعمانی قرار پاتے ہیں کہ صاحب مذہب تو چوتھی تکبیر کے بعد دعا سے منع کریں اور یہ ترجمان مذہب امام اپنی طرف سے سلام کے بعد دعا سے منع کر کے اپنے امام بلکہ حدیث نبوی اذا فرغ احدکم من صلاتہ فلیدع (جب کوئی اپنی کسی نماز سے فارغ ہو تو دعا مانگے) کا مقابلہ کرنے پر تل جائیں - بہر حال ابن نجیم کی عبارت لانہ لا یدعو بعد التسلیم بوجہ عدم صحت علیت حکم دعا بعد تکبیرہ ثالثہ سبق قلم یا عبارت صاحب کنز الدقائق سے غلط فہمی یا ذہنی یادداشت کی غلطی ہے جو کہ بڑے بڑے جلیل القدر مصنفین سے بتقاضائے الانسان مرکب من الخطاءِ والنسیانِ واقع ہوتی آئی ہے - اعاظم علمائے اسلام کی تصنیفات میں اس قسم کی سبق لسان یا سبق قلم کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ آدمی بولنا یا لکھنا کچھ اور چاہتا ہے مگر زبان یا قلم سے کچھ اور ہی نکل جاتا ہے -

راویان حدیث کی سبق لسان یا سبق قلم یا وہم | امام بخاری اپنی اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف کی کتاب الحِیَل میں حضرت ام المؤمنین صدیقہ سے ایک روایت لائے ہیں - جس میں ایک جملہ ہے فَدَخَل علی حَفصَۃَ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام المؤمنین حفصہ کے گھر تشریف لائے - دیوبندیوں کے پیشوا مولوی انور شاہ کشمیری کہتے ہیں کہ :

وھو وھم وانما ھی قصۃ فی بیتِ زینبَ (فیض الباری ج 4 ص 306 و ص 487 طبع ڈھابیل) یہ اس حدیث کے راویوں میں سے کسی راوی کا وہم ہے - یہ واقعہ حضرت حفصہ کے گھر نہیں ہوا بلکہ حضرت زینب کے گھر ہوا ہے -

امام بخاری نے یہ روایت کتاب النکاح باب دخول الرجل علی نسائہ (الخ) بخاری ج 2 ص 785 اور کتاب الحِیَل باب مایکرہ مِنْ اِحتیالِ المرأۃِ مع الزوج بخاری ج 2 ص 1031 میں درج کی ہے اور دونوں جگہ فدخل علی حفصۃ درج کر گئے ہیں - حالانکہ اتنے بڑے محدث کو بھی کسی راوی کے وہم یا سبق قلم یا سبق لسان پر اطلاع نہیں ہوئی - اسی لئے ایسی سبق و فروگذاشت در اندراج حدیث کے متعلق مولوی محمد انور شاہ مذکور بار بار واویلا کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

وما آفتہ الاَخبارِ الارُواتُھا (فیض الباری ج 4 ص 486) حدیث کے راوی ہی احادیث کے لئے آفت ثابت ہوئے ہیں -

اسی بخاری شریف میں راویوں کے ہم چنیں سبق قلم یا سبق لسان یا وہم کا ایک اور نمونہ دیکھئے۔

امام بخاری کتاب بدأ الخلق باب ماجاءفی صفۃ الجنۃ (الخ) بخاری ج 1 ص 460 پر سہل بن سعد سے روایت لائے ہیں جس کے الفاظ دیوبندی مولوی محمد انور شاہ نے فیض الباری میں یہ نقل کئے ہیں۔

لیدخل الجنۃ من امتی سبعون الفاً و سبع مائۃ الف میری امت سے ستر ہزار اور سات لاکھ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

دیوبندی پیشوا محمد انور شاہ مذکور لکھتے ہیں کہ اس روایت میں لفظ و سبع مائۃ الف صحیح نہیں معروف روایات میں لفظ ومع کل منھم سبعون الفاً ہے۔

فالظاھر انہ وھم من الراوی یہ راوی کا وہم ہے (فیض الباری ج 4 ص 10) یعنی صحیح لفظ ومع کل منھم سبعون الفا تھا جسے راوی کے وہم یا سبق قلم یا سبق لسانی نے و سبع مائۃ الف بنا دیا۔ جس کا معنی ہے ستر ہزار اور اس ستر ہزار میں سے ہر شخص کے ساتھ ستر ہزار داخل جنت ہوں گے۔

محمد انور شاہ نے و سبع مائۃ الف نقل کیا ہے۔ ہمارے پاس نسخہ بخاری میں او سبع مائۃ الف ہے۔ انور شاہ کی نقل کے مطابق وہم راوی ہو سکتا ہے۔ مگر ہمارے پاس والے نسخہ بخاری کے حرف "او" کے لحاظ سے وہم راوی نہیں بلکہ تردد راوی ہے۔ اس صورت میں وہم یا سبق قلم انور شاہ ہے۔

امام بخاری کا سبق قلم سبق قلم یعنی لکھنا کچھ اور تھا مگر لاشعوری طور پر قلم سے کچھ سرزد ہوا۔ یہ بڑے بڑے محدثین سے بھی واقع ہوا ہے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری ج 2 ص 593 میں محمد بن اسحاق سے غزوہ مریسیع 6 ھ میں لکھا پھر موسیٰ بن عقبہ سے اسے 5 ھ میں لکھتے ہوئے سبق قلم سے 4 ھ میں لکھ گئے۔ امام زرقانی شرح مواھب اللدنیہ میں کہتے ہیں:

کانہ سبق قلم من البخاری (زرقانی ج 2 ص 96) امام بخاری سے یہ سبق قلم ہوا ہے۔

کاتبوں کے سبق قلم اسی دعا بعد نماز جنازہ کے متعلق مجموعہ خانی کے ایک نسخہ میں ہے "دعا نخواند" چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے اور دعا نہ مانگے۔ دوسرے نسخہ میں ہے "دعا بخواند" اور دعا مانگے۔ یہ سبق قلم کاتب ہے کہ بخواند کو نخواند کردیا یا نخواند کو بخواند لکھ دیا۔ اس کی صحیح توجیہہ ہم حوالہ جات ظاہر الروایۃ بابت دعامتنازع فیہ در نماز جنازہ میں مفصل کر آئے ہیں۔

دیوبندیوں کے پیشوا مولوی محمد انور شاہ کشمیری کی فیض الباری میں سہو قلم

مولوی بدر عالم میرٹھی کہتے ہیں کہ فیض الباری باب الاذان یوم الجمعہ ج 2 ص 335 میں تین اذانوں کا اندراج لعله سهوٌ من قلمي یعنی مولوی محمد انور شاہ سے فیض الباری املا کرتے وقت " شاید مجھ سے جمعہ کی دو اذانوں کو غلطی سے تین اذانیں لکھا گیا ہے۔ اذانیں تو دو ہی ہیں تکبیر کو تیسری اذان لکھنے میں مجھ سے غلطی ہوگئی تھی " محرر سطور کہتا ہے کہ مولوی بدر عالم نے اپنا حاشیہ " البدر الساری " لکھتے وقت یہ لفظ صحیح کیوں نہیں کر دیا۔ اپنے سہو قلم کو باقی رکھنا اور شریعت کا حلیہ بگاڑنا ہی کیا ضروری تھا۔ بہر حال مولوی انور شاہ کے سہو کو اپنے اوپر لے کر استاد کے سہو کو چھپایا تو جاسکتا ہے مگر سہو ذہن یا سبق قلم ضرور ہے۔ دیکھو" البدر الساری" حاشیہ فیض الباری (فیض الباری ج 2 ص 335)

سبق لسان کا ایک واقعہ حدیث میں ہے کہ کسی شخص کی سواری معہ سامان خورد و نوش کسی جنگل میں گم ہوگئی تو وہ مایوس ہو کر سو گیا۔ اچانک سواری خود اس کے پاس آگئی تو شدت فرحت میں اس کی زبان سے نکل گیا " اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں "۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ شدت فرحت سے اس کی زبان سے ایسا کلمہ نکل گیا۔ مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبۃ ص 203) ملا علی قاری صاحب اس کی شرح میں کہتے ہیں کہ یہ غلطی اس سے سبق لسان کی وجہ سے ہوگئی کہ کہنا چاہتا تھا " اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں تو میرا رب ہے " مگر سبق لسانی سے ایسا کہہ بیٹھا۔

ابن نجیم کی البحر الرائق میں فہمی غلطی ہم "فیض الباری " مولوی محمد انور شاہ دیوبندی کے حوالہ سے لکھ آئے ہیں کہ ابن نجیم نے مسائل سمجھنے میں غلطی کی ہے کہ لعنت کو جو کبیرہ گناہ ہے اس نے صغیرہ بنا دیا ہے۔ اسی طرح نماز جنازہ کے سلام کے بعد والی دعا کے متعلق اس کا لانه لا یدعو بعد التسلیم یا تو صاحب خلاصہ کے قول کے فہم میں غلطی ہوئی ہے یا خلاصۃ الفتاویٰ سے مسئلہ دیکھا اور ذہن سے اتر گیا پھر یادداشت کی غلطی سے ایسا لکھ دیا اور یا مذکورہ بالا علما کے قلم یا زبان کے سہو کی طرح ایسی غلط عبارت لکھ بیٹھے۔

ابن نجیم کی دعا بعد سلام نماز جنازہ کی ممانعت والی عبارت کے غلط ہونے پر صریح شواہد

نمبر1۔ صاحب کنز الدقائق نے اس مسئلہ میں چار فقرے ایک طریقہ سے لکھے ہیں۔

(1) بثناءٍ بعد الاولی (2) وصلاۃٍ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد الثانیۃ (3) ودعاءٍ بعد الثالثۃ (4) وتسلیمتین بعد الرابعۃ ابن نجیم نے صرف بعد الثالثۃ کو دعا کے لئے قید احترازی قرار دے کر اس سے دعا بعد سلام کو خارج کیا ہے۔ بعد الاولی و بعد الثانیۃ

وبعد الرابعۃ کو قید کیوں نہیں بنایا - اگر بعد الاولیٰ و بعد الثانیۃ و بعد الرابعۃ بیان موقعہ اذکار نماز جنازہ میں قیودات نہیں تو بعد الثالثۃ بھی قید نہیں - یہ محض ابن نجیم کی خود ساختہ موشگافی ہے - صاحب کنز الدقائق کی مراد نہیں -

نمبر 2 - اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ ثناء و درود و تسلیمتین متنازع فیہا نہیں تھے اس لئے ان سے پہلے کی جانے والی تکبیروں کو ان سے مقید کرنے کی ضرورت نہ تھی اور جنازہ میں ایک دعا متنازع فیہ تھی اس لئے دعا کو صرف بعد الثالثۃ سے مقید کر دیا گیا تاکہ کوئی دوسری متنازع فیہ دعا نہ مانگے - تو ہم پوچھتے ہیں کہ ائمہ مذاہب اربعہ کے درمیان کس موقعہ پر دعا مانگنا متنازع فیہ ہے؟ سلام کے بعد والی دعا ائمہ اربعہ کے نزدیک ہرگز ہرگز متنازع فیہ نہیں ورنہ دنیا کا کوئی عالم یا جاہل کسی امام کے قول کی صراحت سے یا ظاہر الروایۃ و ظاہر المذہب کے حوالہ سے سلام کے بعد دعا مانگنے کی ممانعت دکھائے - باقی کسی مقلد فقیہ کی ذاتی رائے مدار فیصلہ مذہب نہیں ہو سکتی اور بعد صلوٰۃ الجنازہ سے صرف سلام کے بعد ہی مراد نہیں بلکہ نماز جنازہ کی چوتھی تکبیر کے بعد کو بھی بعد صلوٰۃ الجنازہ کہا جاتا ہے - جس کی مفصل بحث ہم کر آئے ہیں - تو ائمہ مذاہب کے نزدیک سلام کے بعد والی دعا متنازع فیہ نہیں وہ تو عمومی فضیلت دعا بعد نماز سے مستحب ہے بلکہ متنازع فیہ دعا چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا ہے جو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ممنوع اور امام شافعی و امام احمد و امام مالک کے نزدیک جائز ہے - تو اگر دعا کے بعد بعد الثالثۃ کی قید سے ابن نجیم نے متنازع فیہ دعا سے منع کرنا تھا تو ان کی عبارت یوں ہونی چاہئے تھی - وقید بالثالثۃ لانہ لا یُدعیٰ بعد الرابعۃ تیسری تکبیر کے بعد دعا مانگے اس لئے کہ چوتھی تکبیر کے بعد دعا نہیں مانگی جاتی بلکہ ہاتھ کھول کر فوراً سلام پھیر دے - جیسا کہ ظاہر الروایۃ کے حوالہ سے مفصل گزر چکا ہے اور ابن نجیم کو اپنے امام اعظم کے مذہب کے بیان میں یہی کہنا تھا مگر سبق قلم سے بجائے بعد الرابعۃ کے بعد التسلیم لکھ گئے -

نمبر 3 - ابن نجیم نے لانہ لا یدعو بعد التسلیم لکھ کر اس سلام کے بعد ممانعت دعا کا خلاصۃ الفتاویٰ سے حوالہ دیا ہے اور کہا ہے کذا فی الخلاصۃ یعنی خلاصۃ الفتاویٰ میں یونہی لکھا ہے کہ سلام کے بعد دعا نہ مانگے -

حالانکہ یہ بالکل غلط ہے - خلاصۃ الفتاویٰ میں چوتھی تکبیر کا نام لے کر اس کے بعد ذکر مسنون یعنی دعا کی نفی کی گئی ہے - سلام یا تسلیمتین کے لفظ سے اس کے بعد خلاصۃ الفتاویٰ میں ہرگز ہرگز نفی نہیں -

اگر کوئی صاحب بعد السلام یا بعد التسلیمتین کے لفظ کے بعد خلاصۃ الفتاویٰ میں ممانعت دعا دکھا دیں تو 10000 روپے انعام حاصل کریں -

بلکہ خلاصۃ الفتاویٰ میں چوتھی تکبیر کے بعد دعا کی ممانعت بایں الفاظ مذکور ہے:

ولا یَعْقِدُ بعد تکبیر الرابع لانہ لا یبقی ذکر مسنون حتی یَعْقِدَ فالصحیح انّہ یَحُلّ الیدین ثم یسلم تسلیمتین (خلاصۃ الفتاویٰ طبع لکھنؤ ص 225) اور چوتھی تکبیر کے بعد چونکہ کوئی ذکر دعا وغیرہ نہیں ہے اس لئے چوتھی تکبیر کے بعد فوراً ہاتھ کھول دے اور ہاتھ کھول کر پھر دونوں طرف سلام پھیر دے۔

دیکھ لیا آپ نے البحر الرائق میں ابن نجیم کا سبق قلم کہ خلاصہ الفتاویٰ میں چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا جو کہ ظاہر الروایۃ امام اعظم میں منع ہے سے روکا جارہا ہے اور ابن نجیم اس کے حوالہ سے سلام کے بعد والی دعا منع لکھ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ابن نجیم نے خلاصۃ الفتاویٰ میں مسئلہ دیکھا ضرور ہوگا مگر اس سے مسئلہ نقل کرتے وقت کتاب سامنے نہ تھی اور یادداشت غلط ہوگئی اور لاشعوری طور پر مسئلہ غلط نقل کیا یا سبق قلم سے بجائے بعد الرابعۃ کے بعد التسلیم لکھ گئے جو کہ عقلاً نقلاً و فقہاً و حوالتاً غلط ہے۔

باقی رہا صاحب خلاصۃ الفتاویٰ کا آگے چل کر یہ لکھنا کہ ولا یقوم بالدعا فی قراۃ القرآن لاجل المیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ وقبلھا تو یہ خود فقہا کے نزدیک متردد ہے کہ اکثر فقہا بعد نماز جنازہ و قبل نماز جنازہ میت کے لئے قرات قرآن مجید کو جائز قرار دے رہے ہیں۔ اس کی بحث ہم مفصل حوالوں سے پہلے کرچکے ہیں۔ ملاحظہ کر لئے جائیں۔

اسی لئے امام عبدالقادر قرشی متوفی 775ھ نے خلاصۃ الفتاویٰ کو غیر معتبر کتاب قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

وقد وقع فی کتاب الھدایۃ والخلاصۃ اوھام کثیرۃ (الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ ج 2 ص 440) ہدایہ اور خلاصۃ الفتاویٰ میں بہت ہی وہم اور غیر یقینی مسائل درج ہیں۔

نمبر4۔ ابن نجیم نے بعد الثالثہ کو قید احترازی قرار دے کر اس سے بعد سلام نماز جنازہ دعا کو خارج کیا ہے۔ حالانکہ قیود سے بوجہ مشابہت ہم جنس و متشابہات کو خارج کیا جاتا ہے۔ تکبیرۃ الثالثہ کی ہم جنس و شبہ تکبیرۃ الرابعۃ ہے۔ سلام نہیں۔ تکبیرۃ الرابعۃ جس کے بعد احناف کے نزدیک دعا ممنوع ہے کو چھوڑ کر سلام کے بعد والی دعا کو خارج کرنا بعید از علم و دانش ہے اس لئے اسے سبق قلم پر محمول کئے بغیر ابن نجیم کی فقاہت و دانش و علم کا بھی تختہ نکلتا ہے۔

نمبر5۔ ابن نجیم کی یہ عبارت خود دیوبندیوں کے فتویٰ کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس نے مطلقاً اجتماعاً و فرداً ہر طرح کی دعا سے لانہ لا یدعو بعد التسلیم کہہ کر منع کیا ہے اور خود مفتی کفایت اللہ اور منڈی چشتیاں کے علما نے فرداً دعا مانگنا جائز تسلیم کیا ہے۔ لہٰذا دیوبندی علما یا البحر الرائق کی عبارت کی کوئی تاویل کریں یا سبق قلم یادداشتی غلطی تسلیم کریں یا اپنا فتویٰ غلط قرار دیں۔ فتویٰ کی نقل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ اصل فتویٰ ہمارے پاس محفوظ ہے۔

نمبر6۔ ہم لکھ آئے ہیں کہ البحر الرائق کا فقرہ لانہ لا یدعو بعد التسلیم دعاً بعد الثالثۃ کی علت بنایا گیا ہے حالانکہ فنی طور پر سلام کے بعد دعا نہ مانگنا تیسری تکبیر کے بعد دعا کی مسنونیت کی علت نہیں ہو سکتا کیونکہ تیسری تکبیر کے بعد دعا مانگنا سنت ہے۔ معلول بعدم دعا بعد سلام صلوٰۃ الجنازہ نہیں۔ لہٰذا یہ عبارت درست نہیں اور یقیناً سبق قلم ہے۔ اسے ممانعت دعا بعد نماز جنازہ میں پیش کرنا محض تحکم و جہالت ہے۔

نمبر7۔ ابن نجیم نے تیسری تکبیر کے بعد دعا مانگ کر سلام کے بعد ممانعت کا ذکر تو کیا درمیان میں چوتھی تکبیر کے بعد کیا کرنا ہے اس کا ذکر کیوں چھوڑا؟ حالانکہ ایسے موقع پر دعا محل نزاع تھی لہٰذا یقیناً یہ سبق قلم ہے۔

دیوبندیوں کی عبارت البحر الرائق میں بددیانتی

میرے پاس دیوبندی مولوی عبدالرشید ارشد کا رسالہ "نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں" اور اس کے راتب خور بہاول نگر کے ایک نیم ملاں خطرہ ایمان کی رسالی "نماز جنازہ کے بعد دعا کی حقیقت" بھی ہے۔ دونوں نے ابن نجیم کی البحر الرائق کی عبارت یوں نقل کی ہے:

ولا یدعوا بعد التسلیم (رسالہ اولیٰ ص 73۔ رسالہ ثانیہ ص 3) اور سلام کے بعد دعا نہ مانگے۔

حالانکہ البحر الرائق میں ہے لانہ لا یدعو بعد التسلیم (البحر الرائق ج 2 ص 183 طبع مصر) اس کا ترجمہ ہے اس لئے کہ بعد سلام دعا نہ مانگے۔

دیوبندیوں کی منقولہ عبارت میں لا یدعوا الف کے ساتھ ہے اور اصل عبارت میں لا یدعو بغیر الف ہے۔ لا یدعو واحد ہے اور لا یدعوا کا الف جہالت ناقل ہے۔ اگر صرف بہاول نگری کی رسالی میں ہی ہوتا تو ہم اسے اس کی ناخواندگی پر محمول کر کے چھوڑ دیتے۔ ہم تو عبدالرشید ارشد کے کرتب پر حیران ہیں کہ اس نے لانہ لا یدعو کو ولا یدعوا کیوں بنایا۔ اس کے راتب خور جاہل نے تو ایسا کرنا ہی تھا۔ ارشد صاحب نے یہ پاپڑ کیوں بیلا؟ اس لئے کہ اسے معلوم تھا کہ لانہ لا یدعو نہ بیان مسئلہ ہے نہ اظہار حکم شریعت اور نہ ہی دعویٰ ہے بلکہ و دعاً بعد الثالثۃ کی علت گھڑی گئی ہے جو مفید قطعیت مسئلہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ "و دعا بعد الثالثۃ" کی علت کوئی اور بھی ہو سکتی ہے لہٰذا حسب عادت علمائے دیوبند البحر الرائق کی عبارت کو لانہ لا یدعو علت کی صورت سے دعویٰ کی صورت میں ولا یدعوا بنا دیا کہ "گوہ کھائے تو

ہاتھی کا تو کھائے"۔ تاکہ معلوم ہو کہ صاحب البحر الرائق صاحب کنزالدقائق کے کسی دعویٰ کا سبب بیان نہیں کر رہے بلکہ خود کہہ رہے ہیں کہ سلام کے بعد دعا نہ مانگے۔
ماشاء اللہ! اسے کہتے ہیں اٹھائی گیری۔ جس میں یہ حضرات ماہر انجنیئر ہوتے ہیں۔

ایک اور بد دیانتی ان دونوں مذکورہ رسالوں میں ابن نجیم کی عبارت بدلنے کے علاوہ اس کے حوالے سے ایک خود ساختہ فقرہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ڈنڈی یہ ماری ہے کہ اس کی پوری عبارت درج نہیں کی کیونکہ اس سے اگلی عبارت میں دعا کو جائز و مستحب لکھا گیا ہے۔
البحر الرائق کی پوری عبارت یہ ہے:
وقید بقوله بعد الثالثة لانه لا یدعو بعدالتسلیم کما فی الخلاصة و عن الفضلی لا بأس به فقرہ و عن الفضلی لا بأس به کا معنیٰ ہے کہ امام فضلی سے منقول ہے کہ سلام کے بعد دعا مانگنا جائز ہے۔
گزشتہ صفحات میں بھی ابو بکر بن حامد کے قول کہ بعد نماز جنازہ دعا مانگنا مکروہ ہے کو برجندی کا اس امام فضلی کے قول لا بأس به سے رد کر دینا برجندی کی عبارت کی تشریح میں ہم مفصل لکھ آئے ہیں کہ ابو بکر بن حامد کا قول کراہت دعا بھی ظاہر الروایہ کے مطابق چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا کے متعلق ہے اور امام فضلی کا قول بھی جواز و استحباب دعا مطابق واختار بعض مشائخنا مذکور در عبارات ظاہر الروایۃ مندرجہ رسالہ ہذا اسی چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا کے متعلق ہے۔ سلام کے بعد والی دعا قطعاً متنازع فیہ نہیں کیونکہ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان اذا فرغ احدکم من صلاتہ فلیدع الخ۔ جسے ہم گزشتہ اوراق میں مفصلاً درج کر آئے ہیں اور عمومی فضیلت دعا بعد نماز کے تحت مستحب ہے۔

ایک مناظرہ میں البحر الرائق کی اسی عبارت سے دیوبندیوں کی یادگار شکست

منڈی صادق گنج ضلع بہاول نگر کے علاقہ میں پاک بھارت بارڈر کے قریب واقع گاؤں "جل موسیٰ" میں بریلوی و دیوبندی مسلک کی حقانیت کی موضوع پر مورخہ 7 ربیع الاول 1409ھ مطابق 30 اکتوبر 1988ء بروز جمعرات ایک مناظرہ منعقد ہوا تھا۔ اہل سنت بریلوی مسلک کی طرف سے خطیب اہل سنت مولانا سید محمد زمان شاہ صاحب بہاول نگری اور دیوبندیوں کی طرف سے مولوی قطب الدین صاحب محمد پوری اس مناظرہ کے بانی تھے۔ اہل سنت کی طرف سے محرر سطور مناظر مدعو تھا اور دیوبندی گوجرانوالہ سے مولوی محمود الحسن صاحب کو مناظرہ کے لئے لائے تھے۔ محرر سطور اپنے مربی و محسن حضرت پیر سید عبدالستار شاہ صاحب و حضرت پیر سید احمد شاہ صاحب بناں والے کے ہمراہ 10 بجے مقام مناظرہ پر پہنچ گئے تھے جب کہ دیوبندی مولوی 12 بجے آئے۔

علمائے اہل سنت کے جم غفیر و مجمع عام میں علاقہ کے با اثر زمیندار میاں رشید احمد صاحب ساڑو ونو کی زیر صدارت و ثالثی مناظرہ کی کارروائی شروع ہوئی - موضوع مناظرہ پر بات چلی تو دیوبندی مناظر نے کہا کہ یہاں دعا بعد نماز جنازہ کا جھگڑا ہے لہذا ہم اس موضوع پر مناظرہ کرنے کے لئے آئے ہیں - محرر سطور نے کہا کہ ہمیں منظور ہے مگر آپ کے اکابر کی گستاخی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں کفریہ عبارات کا بھی یہاں اور ہر جگہ سب سے بڑا جھگڑا ہے - ہماری طرف سے یہ موضوع مناظرہ اور تمہاری طرف سے دعا بعد نماز جنازہ - دونوں پر بحث کے لئے ہمیں بلایا گیا ہے - پہلے آپ کے اکابر کی گستاخی والی عبارات پر مناظرہ کر لیں اور پھر دعا بعد نماز جنازہ پر مناظرہ ہو گا -

دیکھئے ! میرے پاس تمہارے مولوی اشرفعلی تھانوی کا رسالہ نام نہاد "حفظ الایمان" ہے اس کے صفحہ 8 پر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم غیب کہنے کا رد کرتے ہوئے آپ کی شان علم غیب میں یہ گستاخی کی ہے کہ :

اگر اس سے بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے - پھر چاہئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے - (حفظ الایمان طبع دیوبند ص 8)

اس ناپاک عبارت میں لفظ "ایسا" تشبیہ کے لئے ہے اور اس لفظ "ایسا" سے پہلے بعض علوم غیبیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مذکور ہیں جو مُشَبَّہ ہیں اور اس لفظ "ایسا" کے بعد زید و عمر یعنی ایرا غیرا نتھو خیرا اور بچوں و پاگلوں و حیوانوں کے علوم غیبیہ مذکور ہیں جو مُشَبَّہ بِہٖ ہیں اور تھانوی نے حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم غیبیہ کو پاگلوں اور حیوانوں وغیرہ کے علم سے تشبیہ دی ہے جو صریح گستاخی اور توہین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کفر ہے -

اور دیکھئے ! میرے پاس یہ کتاب "براہین قاطعہ" ہے یہ آپ کے پیشوا مولوی خلیل احمد انبیٹھوی مدرس مدرسہ دیوبندیہ سہارن پور کی مصنفہ اور آپ کے قطب عالم مولوی رشید احمد گنگوہی کی تصدیق شدہ ہے - اس میں آپ کے ان دونوں مُسلّم پیشواؤں نے شیطان لعین کا علم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وسیع و زیادہ مانا ہے - عبارت یہ ہے :

شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے (براہین قاطعہ طبع دیوبند ص 51)

اس ناپاک عبارت میں یہ کہا جا رہا ہے کہ جو شخص ساری روئے زمین کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مانتا ہے وہ شرک کرتا ہے کیونکہ ساری روئے زمین کا علم شیطان و ملک الموت کے

لئے تو قرآن شریف و احادیث سے ثابت ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ علم ثابت نہیں۔

اور ائمہ نے صاف لکھا ہے کہ جو شخص کسی بھی مخلوق کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ عالم مانے وہ گستاخ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کرتا ہے اور کافر ہے۔ امام شہاب الدین خفاجی لکھتے ہیں:

من قال ان فلاناً اَعْلم منه صلي الله عليه وسلم فَقَدْ عَابَهٗ وَ نَقَصَهٗ (الیٰ قوله) والحكمُ فيه حُكْمُ السَّاب (نسیم الریاض شرح "الشفا" قاضی عیاض ج 4 ص 335 طبع مصر) جو شخص یہ کہے کہ فلاں (شیطان یا ملک الموت یا کوئی بھی شے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عالم و وسیع العلم ہے تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عیب لگایا ہے اور آپ کی تنقیص و توہین کی ہے۔ اس کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کا ہے کہ وہ مرتد ہوگیا۔

اور دیکھئے! میرے پاس آپ کے قاسم العلوم بانی مدرسہ دیوبند مولوی محمد قاسم نانوتوی کی یہ کتاب "تحذیر الناس" ہے۔ اس میں آپ کے اس پیشوا نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قرآن مجید میں ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین فرمایا گیا ہے تو آپ کی خاتمیت کو یہ سمجھنا کہ آپ کے زمانہ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا۔ خاتمیت کا یہ مطلب عوام یعنی بے علم لوگوں کا خیال ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر الزمان نبی سمجھنے میں آپ کی اصلاً کوئی فضیلت بھی نہیں بنتی بلکہ خاتمیت کا معنی ہے کہ آپ اپنی ذات سے نبی ہیں اور باقی نبی آپ کے وسیلہ سے اور بالعرض نبی ہیں اور خاتمیت کے اس فضیلت والے معنی کی رو سے اگر بالفرض آپ کے بعد بھی کوئی نیا نبی آجائے تو آپ کی شان ختم نبوت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی ایسے ہی چکر چلا کر آپ کے بعد نئے نبی آجانے کو جائز بنایا اور خود نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ مولوی محمد قاسم قاطع عقیدۂ ختم نبوت زمانی کی عبارات یہ ہیں:

(1) سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہو گا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے (تحذیر الناس طبع دیوبند ص 2)

(2) سو اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کو تصور فرمایئے یعنی آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض

اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں - آپ پر سلسلہ نبوت مختتم ہو جاتا ہے - (تحذیر الناس ص 4)

(3) بلکہ بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا (تحذیر الناس ص 24)

مولوی محمد قاسم کی یہ اور اس قسم کی اس کی تمام عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ذاتی نبی ہیں باقی نبی بالعرض نبی ہیں خواہ آپ کے زمانہ سے پہلے ہو چکے یا آپ کے بعد تقدیر الٰہی میں آنے والے ہوں - آپ کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو جائے تب بھی آپ کی شان ختم نبوت بحال ہی رہے گی کہ آپ کے فیض سے ہی وہ آئے گا - خاتم النبیین کے یہ معنی کرنا اجماع امت کا انکار اور کفر ہے - کیونکہ آیت میں وارد خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہونے میں اجماعاً محصور ہے کوئی اور معنی کرنا کفر ہے - اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے ہماری کتاب "دیوبندی مذہب" - اسی وجہ سے علمائے عرب و عجم نے فتاویٰ "حسام الحرمین" میں ان چاروں مولویوں کی ان عبارات کو کفریہ قرار دے کر حکم لگایا کہ جو ان کو ان کی عبارات دیکھ سن کر کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے -

لہذا تم ہمیں بتاؤ کہ یہ عبارات کفریہ ہیں یا تم ان کے لکھنے والوں کو بزرگ و پیشوا مانتے ہو؟ بصورت اول دیوبندیت سے توبہ کرو ورنہ تم اہل سنت وجماعت و مسلمان نہیں ہو - اس کا جواب دو اور پھر دعا بعد نماز جنازہ اور ہر مسئلہ پر جتنے دن چاہو مناظرہ کر لو -

دیوبندی مناظر نے جب یہ سنا تو منہ میں رکھا ہوا بیڑا تمباکو اگل دیا اور نیا ایندھن بھر کر کھڑے ہو گئے - کہنے لگے کہ ہم اس موضوع پر ہرگز ہرگز گفتگو نہیں کرسکتے کیونکہ ہمارے پاس اس قسم کی کتابیں نہ ہیں - ہم تو صرف دعا بعد نماز جنازہ پر مناظرہ کریں گے - محرر سطور نے ان کی کتابیں ان کو دینے کا اعلان کر دیا کہ کتابیں مجھ سے لے لو مگر ان گستاخی رسول اور انکار اجماع والی عبارتوں کا تصفیہ کرو - مگر دیوبندی مناظر بالکل انکار کرنے لگا تو صدر مجلس مناظرہ میاں رشید احمد صاحب کھڑے ہو گئے اور دیوبندی مناظر سے کہا کہ تمہارے اکابر پر یہ ایک پرانا اعتراض ہے - آپ کیوں صفائی پیش نہیں کرتے؟ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے - دیوبندی مناظر محمود الحسن کو پسینہ پر پسینہ آرہا تھا - کہنے لگا کہ اس سے ہمارے بزرگوں کی توہین ہوتی ہے - محرر سطور نے کہا کہ تمہارے بزرگوں نے حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تو تم نے کتابیں چھاپ کر ملک میں پھیلا دیں - اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کا کچھ فکر نہ ہوا اور اب ہم اگر توہین رسول والی وہی عبارات ظاہر کر کے آپ سے جواب مانگتے ہیں تو تم کہتے ہو "ہمارے علما کی توہین ہوتی ہے" - کیا تمہارے ان گستاخ رسول مولویوں کی عزت حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی عزت سے زیادہ ہے ؟

میرا یہ کہنا تھا کہ دیوبندی مولوی کتابیں سمیٹنے لگ گئے کہ ہم جاتے ہیں - مناظرہ کرتے ہی نہیں - میاں رشید احمد نے جب دیکھا کہ یہ لوگ تو بھاگ رہے ہیں تو مطابق مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ دیوبندیوں سے کہا کہ کیا ان کفریہ عبارات پر تیاری کر کے پھر مناظرہ کرو گے ؟ دیوبندی مولوی نے کہا کہ پھر کسی اور تاریخ پر ہم مناظرہ کریں گے - تاریخ مقرر ہو گئی (اور اس تاریخ پر پھر ہم وہاں پہنچے مگر دیوبندیوں نے نہ آنا تھا نہ آئے) میاں رشید احمد نے کہا کہ چلو ہمیں بات معلوم ہو گئی - اب آپ دعا بعد نماز جنازہ پر ہی بات شروع کرو - محرر سطور نے نماز جنازہ کے بعد دعا کے مستحب ہونے کے دلائل شروع کئے -

دلائل اہل سنت محرر سطور نے آیات قرآنیہ واذا سئلک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعانِ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی دعا مانگے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتا ہے یعنی اذا دعانِ جب کوئی دعا مانگے ہر وقت کو عام ہے اور اذا جس کا معنی ہے جس وقت " کا عموم بتا رہا ہے کہ ہر وقت دعا مانگنے کے لئے مستحب ہے تو نماز جنازہ سے پہلے ہو یا بعد یہ بھی ایک وقت ہے - جب تک کسی خاص قطعی دلیل سے اس وقت کو استحباب سے خارج نہ کیا جائے اذا کا نصی عموم کسی عالم کی رائے سے خاص ہو کر کسی مستحب دعا کا مانع نہیں ہو سکتا ہے - لہذا بعد نماز جنازہ دعا مانگنا عموم نص سے مستحب ہے اور ساتھ ہی میں نے آیت کریمہ فاذا فرغت فانصب پڑھی اور فانصب کا مفہوم تفاسیر قرآن سے بتایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی کسی نماز سے فارغ ہو تو دعا مانگو- نماز جنازہ بھی ایک نماز ہے - فاذا فرغت میں اذا عام ہے کہ کسی بھی نماز سے فارغ ہو تو دعا مانگو لہذا بعد نماز جنازہ دعا مانگنا اس آیت کریمہ کے عموم سے بھی مستحب ہے - کیونکہ شریعت میں بہت سے احکام عموم سے ثابت ہیں - پھر ساتھ ہی میں نے قرآن مجید کی آٹھ آیات کے عموم سے بعد نماز جنازہ دعا کا مستحب ہونا ثابت کیا اور دیوبندی مولوی سے مطالبہ کیا کہ آپ قرآن کی کسی ایک آیت سے ہی عموماً یا خصوصاً دعا منع دکھائیں ورنہ ہمارا دعویٰ ثابت ہے -

دیوبندی مولوی صاحب کھڑے ہوئے تو دعا کی ممانعت میں تو کوئی آیت پیش نہ کر سکے جس کے عموم سے دعا بعد نماز جنازہ منع دکھاتے - البتہ میری پیش کردہ آیات سے اجیب دعوۃ الداع اذا دعانِ کے حرف اذا کے متعلق کہنے لگے کہ اذا یہاں عموم وقت کے لئے ہے ہی نہیں تاکہ یہ ثابت ہو کہ جس وقت دعا مانگے جائز ہے اور قبول ہوتی ہے اور مجھے مخاطب کر کے کہنے لگے کہ مولوی صاحب ! آپ کا دعویٰ تب صحیح ہو سکتا ہے کہ آپ اذا کا عموم وقت کے لئے ہونا ثابت کریں اور آیت فاذا فرغت فانصب کے متعلق کہنے لگے کہ فانصب کا مطلب ہے

مطابق فرض نماز کے بعد دعا کرنا چاہئے - نماز جنازہ فرض پنجگانہ نہیں - لہذا آپ کی دلیل درست نہیں - باقی آیات جن میں عموما دعا کا ذکر ہے نماز جنازہ کا اس سے تعلق نہیں- آپ خاص نماز جنازہ کے بعد دعا کا ثبوت دیں کہ نماز جنازہ کا نام ہو اور پھر دعا کا ذکر ہو ورنہ عموم سے کام نہیں چل سکتا- کیا ٹی خانہ میں بھی دعا جائز ہے وغیرہ -

غلام مہر علی

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا — جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

میں نے سنا تھا کہ آپ گوجرانوالہ کے کسی مدرسہ میں مدرس ہیں مگر آپ کی گفتگو سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کو اصول فقہ کی مستند کتاب نورالانوار میں حرف اذا کی بحث کا بھی پتہ نہیں - نورالانوار میں صاف مذکور ہے کہ "اذا" کی صرف دو قسمیں ہیں یا شرط کے لئے آتا ہے یا وقت کے لئے- اگر شرط و جزا پر داخل نہ ہو تو وہاں وقت کیلئے متعین ہوتا ہے اس آیت میں شرط و جزا نہیں لہذا اذا دعائی میں وقت کیلئے متعین ہے - دیکھو نورالانوار ص 139 میں ہے -

واذا عند نحاة الکوفة تصلح للوقت والشرط علی السوا (الخ) و عند نحاة البصرة ھی للوقة حقیقةً (الخ) اور یہ دیکھئے نورالانوار ص 140 کا حاشیہ نمبر 2 مولانا عبدالحلیم محشی نورالانوار صاف لکھ رہے ہیں کہ شرط و جزا پر داخل نہ ہونے کی صورت میں فَعُلِمَ اَنَّ اذا لعموم وقتٍ معلوم ہو گیا کہ یہاں "اذا" عموم وقت کے لئے ہے اور آپ کا مطالبہ پورا ہو گیا کہ اگر میں اذا دعائی میں "اذا" کو عموم وقت کیلئے ثابت کروں تو بعد نماز جنازہ دعا کا جائز ہونا ثابت ہو جائے گا - لہذا دعا کا جائز ہونا ثابت ہو گیا - دوسری آیت میں "فانصب" کے متعلق آپ کا کہنا ہے کہ " فانصب " سے مراد صرف پنجگانہ فرضوں کے بعد دعا ہے - یہ بالکل تحکم اور غلط ہے - دیکھئے آپ کے نزدیک بھی مستند تفسیر مظہری میں ہے :

قال ابن عباس و مقاتل وضحاک والکلبی اذا فرغت من الصلوٰة المکتوبة او مطلق الصلوٰة فانصب الی ربک فی الدعا وارغب الیه فی المسئلة

حضرت عبداللہ بن عباس نماز فرض یا مطلق ہر نماز سنت یا نفل کا عام ارشاد فرما رہے ہیں کہ نماز جنازہ بھی فرض ہے - اور مطلق نماز میں شامل نماز ہے - بحکم قرآن مجید اس سے فارغ ہونے کے بعد بھی دعا مستحب ہے - آیات کے تمام احتمالات درست ہوتے ہیں - متضاد نہیں ہوتے اور حدیث نبوی اذا فَرَغَ اَحَدُکُم من صلاته فَلْیَدْعُ بِاَرْبَعٍ - بیہقی ج 2 ص 154 میں بھی عام نماز کا ذکر ہے کہ کسی بھی نماز سے فارغ ہو تو دعا مانگے سے بھی " فانصب " کا یہی مضمون مؤید ہے -

مزید دیکھئے کہ میرے پاس یہ مایہ ناز تفسیر روح المعانی ہے - جسے آپ کے پیشوا محمد انور شاہ کشمیری کی " مشکلات القرآن " کے مقدمہ یتیمة البیان میں تفاسیر میں سے حرف آخر تفسیر لکھا گیا ہے -

اس میں ج 30 ص 171 طبع مصر میں ہے:

اذا فرغت من الصلاۃ فانصب فی الدعا اور اس کے 5 سطر بعد ہے لان الصلاۃ ام العبادات البدنیۃ والدعا مخ العبادۃ فھما ھما جس کا مطلب ہے کہ نماز سے فارغ ہو تو دعا مانگ کیونکہ نماز ام العبادات ہے اور دعا عبادت کا مغز ہے۔

یہاں نماز فرض پنجگانہ کی کوئی قید نہیں بلکہ مطلقاً ہر نماز کے بعد دعا مانگنا مستحب فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا اس آیت سے بھی ہر نماز کی طرح نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا مستحب ثابت ہے۔ آپ نے میری پیش کردہ دلیلوں پر جو خود ساختہ اعتراض کئے تھے وہ ہباءً منثورا ہو گئے ہیں۔ باقی رہا آپ کا یہ کہنا کہ ٹٹی خانہ میں دعا؟ وقت کی خرابی کی وجہ سے نہیں بلکہ جگہ کے نامناسب ہونے کی وجہ سے نہیں مانگی جاتی۔ کیا آپ لوگ ٹٹی خانوں میں نماز جنازہ پڑھاتے ہیں؟ (قہقہہ) ہم تو باوضو ہو کر پاک جگہ پر نماز جنازہ پڑھاتے ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں کہ اطلاقات واحکام شرعیہ میں ایسے مواقع ازخود عرفاً مستثنیٰ ہوتے ہیں۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا   آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

دیوبندی مولوی صاحب | ٹٹی خانہ کی مثال تو دے بیٹھے مگر جواب میں اپنے کہے پر وہ اس قدر پشیمان ہوئے کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور جلدی سے منہ سے بیڑا (تمباکو) اگل کر نیز ایدھن بھرنے میں ادھر ادھر ہاتھ مارنے لگ گئے اور بیڑے سے ٹینگی فل کر کے اٹھے اور کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کل محدث بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں مانگی۔ کسی حدیث میں بعد نماز جنازہ دعا ثابت نہیں۔ لہٰذا یہ بدعت ہے اور گمراہی ہے نجاست ہے وغیرہ وغیرہ۔

غلام مہر علی | میری پیش کردہ آیات قرآن کے عموم فضیلت دعا مشتمل ہر وقت فضیلت دعا کا آپ نے کوئی جواب نہیں دیا اور اب حدیث شریف کی طرف پناہ لینے کے لئے ہاتھ مارنے شروع کر دیئے۔ مگر یہاں بھی آپ کو پناہ نہیں مل سکتی کیونکہ قرآن مجید کی بیان کردہ عمومی فضیلت دعا کی حدیث میں ممانعت نہیں مل سکتی۔ آیات سے دلائل کا قرض آپ پر قائم ہے اور اب میں آپ کی پیش کردہ حدیث کل بدعۃ ضلالۃ سے آپ کے غلط استدلال کا جواب دیتا ہوں اور ثابت کرتا ہوں کہ ہر وہ کام جو سنت ثابت نہ ہو وہ صرف بدعت ہی نہیں ہوتا بلکہ مستحب بھی ہوتا ہے۔ آپ نے جو حدیث فان کل محدث بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ پڑھی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر ہر بدعت کو گمراہی اور برا کام فرمایا ہے یہ حدیث مشکوٰۃ کے صفحہ 30 پر موجود ہے۔ تم نے حدیث نبوی کے بیان میں بد دیانتی کی ہے کہ اسی بدعت کے

مشکوٰۃ میں اسی صفحہ 30 پر اس مذکور حدیث کے صرف 5 سطر بعد دوسری حدیث جس کے الفاظ یہ ہیں ومن ابتدع بدعۃً ضلالۃً (الی) کان علیہ من الاثم الخ - دیدہ دانستہ چھوڑ دی ہے - کیونکہ آپ پہلی حدیث کے لفظ کل بدعۃٍ ضلالۃٌ کے حرف "کل" کے عموم سے ہر بدعت کو براکام ثابت کرنا چاہتے ہیں - حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے کل بدعۃ ضلالۃ کے عموم کو دوسرے ارشاد و من ابتدع بدعۃً ضلالۃً میں بدعت کے ساتھ ضلالۃ کی قید لگا کر منسوخ فرما دیا ہے اور اشارہ فرما دیا ہے کہ صرف بدعت سیۂ ہی گمراہی ہے نیک بدعت یعنی بدعت حسنہ کار ثواب ہوتی ہے - آپ نے بار بار مشکوٰۃ پڑھی پڑھائی ہوگی - دیکھئے اس مشکوۃ میں حدیث کل بدعۃٍ ضلالۃٌ کے لفظ "ضلالۃ" کے تحت "مرقاہ شرح مشکوٰۃ" ملا علی قاری کے حوالہ سے لکھا ہے اِلّا ما خُصَّ یعنی ہر بدعت ضلالت نہیں بلکہ اس سے بدعت حسنہ خاص ہو چکی ہے کہ وہ بری نہیں ہوتی اور دوسری حدیث نبوی ومن ابتدع بدعۃ ضلالۃ جس نے کل بدعۃ ضلالۃ کے عموم کو منسوخ کیا ہے کے لفظ "ضلالۃ" کے نیچے بین السطور اسی مرقاہ کے حوالہ سے لکھا ہے قَیَّدَ بِہٖ لِاِخراجِ البدعۃِ الحسنۃِ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بدعت کی صفت ضلالت فرما کر خود اپنے ارشاد کل بدعۃ ضلالۃ کو خاص فرما دیا ہے یعنی کل بدعۃ ضلالۃ کا عموم باقی نہیں رہا کیونکہ صفت موصوف کے لئے مخص اور قید ہوتی ہے اور اصول میں یہ بات بھی واضح ہے کہ کسی عام کو اگر خصوص علیحدہ کلام میں لاحق ہو تو اسے نسخ کہتے ہیں - چنانچہ نورالانوار کے صفحہ 71 پر یہ پڑھئے :

وکذا ان لم یکن موصولاً بل متراخیاً لا یسمی تخصیصاً بل نسخاً الخ -
(نور الانوار ص 71)

اس لحاظ سے دوسری حدیث ومن ابتدع بدعۃ ضلالۃ پہلی حدیث کل بدعۃ ضلالۃ کے عموم کی ناسخ ہوگی - بہر حال خصوص ہو یا نسخ ہر بدعت کو برا کہنے کا آپ کا استدلال باطل ہوگیا - کسی مسئلہ میں صرف ایک حدیث پڑھ دینا اور دوسری حدیث نظر انداز کر دینا حدیث نبوی سے بد دیانتی ہے - آپ مشکوٰۃ شریف سے دوسری حدیث کو چھپا کر ڈنڈی مار رہے ہیں - خوف خدا کیجئے اہل سنت شوافع کے شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری میں اور غیر مقلدوں کے پیشوا شوکانی نے نیل الاوطار میں اور اہل سنت احناف کے امام الفقہ حصکفی نے الدر المختار میں اور علامہ شامی نے رد المحتار میں اور خود آپ کے پیشوا تھانوی نے بوادر النوادر ص 777 میں حدیث کل بدعۃ ضلالۃ کا دوسری حدیث "بدعۃً ضلالۃً" سے عموم منسوخ تسلیم کر کے ہی الا ما ہر بدعت کو برا تسلیم نہیں کیا بلکہ بدعت کی پانچ قسمیں مان کر بدعت واجبہ و بدعت مندوبہ مستحبہ و بدعت مباحہ بھی تسلیم کی ہے - (پھر میں نے اس سلسلہ میں ہر کتاب سے عبارات

دکھائیں جو اس رسالہ میں مفصلاً پہلے گزر چکی ہیں) اور تمہارا یہ کہنا بھی سرے سے غلط ہے کہ دعا بعد نماز جنازہ ثابت نہیں - لہٰذا بدعت سیئہ ہے -

اولاً اس لئے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے۔ دیکھئے (کنزالعمال ج 8 ص 114 طبع حیدر آباد دکن) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ کی نماز جنازہ پڑھا کر پھر فرمایا (دعا مانگی):

اللھم اَعِذْہُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ اے اللہ اس کو قبر کے عذاب سے پناہ دے -

اور شہدائے جنگ موتہ کے جنازے اٹھوا کر اور سامنے رکھوا کر ان پر نماز جنازہ پڑھی ودعاء لہ اور اس کے لئے دعا فرمائی اور صحابہ سے بھی فرمایا کہ اِسْتَغْفِرُوْا لَہٗ اس کے لئے بخشش کی دعا کرو - اور یہ دعا نماز کے اندر والی نہیں ہو سکتی اس لئے کہ صحابہ کے لئے دعا کا ارشاد نماز کے اندر نہیں ہو سکتا کیونکہ نماز میں بولنا منع ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو فرمایا کہ جب میت پر نماز جنازہ پڑھ لو تو فاخلصوا لہ الدعاء بعدہ اس کے لئے خالص دعا مانگو جنگ موتہ میں شہدا پر نماز کے بعد دعا مانگنا "فتح القدیر شرح ہدایہ" وغیرہ میں ہے اور بعد نماز خالص دعا مانگنے کی حدیث مشکوٰۃ میں موجود ہے - اس پر میں نے حدیث سے کافی حوالے پیش کر کے دیوبندی مناظر سے مطالبہ کیا کہ تم ایک حدیث ہی دکھا دو جس میں نماز جنازہ کے بعد دعا سے منع کیا گیا ہو - تمہارے مولوی محمد انور شاہ صاحب کشمیری نے فیض الباری ج 2 ص 167 پر تصریح کی ہے کہ امور خیر جو ثابت نہ بھی ہوں تو انہیں بدعت سیئہ ممنوعہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ جیسے کہ نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعاً دعاؤں کی موجودہ صورت کہ ثابت نہیں مگر بدعت و منع بھی نہیں لا یُحْکَمُ عَلَیْہِ بِالْبِدْعَۃِ (فیض الباری ج 2 ص 67) اور یہ دعا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام سے ثابت بھی ہے۔(حوالہ جات ہمارے اس رسالہ میں پیش کئے جاچکے ہیں) میں نے مطالبہ کیا کہ ہم نے احادیث سے دعا ثابت کر دی ہے تم ایک حدیث ہی ممانعت کی دکھادو ؟

دیوبندی مولوی صاحب نے نہ تو قرآن مجید کی آیات کے عموم یعنی ہر وقت دعا کے استحباب اور نماز جنازہ کے بعد والی دعا کے عمومی فضیلت دعا میں شمولیت سے اخراج و ممانعت کی کوئی آیت پیش کی اور نہ ہی میرے دلائل حدیث کے مقابلہ میں ممانعت دعا کی کوئی حدیث پیش کی - کتاب اللہ و حدیث نبوی سے مایوس ہو کر کھڑے ہوئے اور فقہ کی کتابوں کی طرف بھاگے اور کہنے لگے کہ دیکھو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے:

ولا یدعو للمیت بعد صلاۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فیھا نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا نہ مانگے کیونکہ اس طرح نماز کے اندر زیادتی کا شبہ پڑتا ہے۔

اور فتاویٰ بزازیہ میں لکھا ہے:

لا یقوم بالدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ لانہ دعا مرۃ چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے اور دعا کے لئے دیر نہ کرے کیونکہ وہ ایک دفعہ دعا مانگ چکا ہے۔

اور فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

اذا فرغ من الصلاۃ لا یقوم بالدعاء

اور محیط میں ابو بکر بن حامد کا قول ہے:

ان الدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ مکروہ

اور برجندی میں بھی ایسا ہی لکھا ہے اور جامع الرموز میں ہے:

ولا یقوم داعیا لہٗ اس کے لئے دعا کے لئے دیر نہ کرے وغیرہ وغیرہ۔

غلام مہر علی آپ نے مرقاۃ کا حوالہ پیش کیا ہے یہ برجندی شرح نقایہ کی عبارت ہے اور برجندی نے اسے محیط کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور محیط غیر معتبر کتاب ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

لم یحل النقل منہ ولا الافتاء عنہ (دررہیہ ص 190) محیط سے مسئلہ نقل کرنا جائز نہیں اور نہ ہی محیط کے کسی قول پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔

اور ابو بکر بن حامد کا قول خود صاحب برجندی نے محمد بن فضل کے قول سے رد کردیا ہے کہ دعا مانگنا جائز ہے۔ آپ فقہا کی ان عبارات سے دھوکہ دے رہے ہیں کیونکہ نماز جنازہ کے متعلق دو دعاؤں کا جھگڑا ہے۔ چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان دعا کا جھگڑا امام اعظم اور امام شافعی وغیرہ کے درمیان ہے۔ امام اعظم صاحب اس سے منع کرتے ہیں اور امام شافعی وغیرہ مانگتے ہیں۔ مبسوط سرخسی میں اسے ظاہر الروایۃ میں منع لکھا گیا ہے اور سبھی فقہا بعض بحوالہ ظاہر الروایۃ اور بعض بغیر ذکر ظاہر الروایۃ یا ظاہر المذہب اسی اپنے امام کی طرف سے ممنوعہ دعا سے ہی منع کررہے ہیں۔ سلام کے بعد والی دعا جسے آپ نے بلا وجہ متنازع فیہ بنا رکھا ہے قطعاً کسی فقہ کی کتاب میں ممنوع نہیں ہے ورنہ آپ ظاہر الروایۃ کے حوالہ سے کسی فقہ کی کتاب میں بعد سلام دعا منع دکھائیں۔

باقی رہا آپ کا مغالطہ کہ ان عبارات میں بعد صلوٰۃ الجنازہ کا لفظ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ چوتھی تکبیر پر نماز جنازہ مکمل ہو جاتی ہے اسی لئے کتب فقہ میں ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ کھول دے اگر چوتھی تکبیر سے آخر سلام کے درمیان آدمی نماز میں رہتا تو آخر سلام تک اسے ہاتھ کھولنا ممنوع ہوتے۔ فقہا کے نزدیک ارکان نماز کی تکمیل پر نمازی نماز سے فارغ ہوگیا اور امام اعظم کے نزدیک چوتھی تکبیر کے بعد کوئی آدمی نماز میں شامل نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لئے

فقہا نے چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا کو بعد صلوٰۃ الجنازہ کہہ دیا ہے - اس کے متعلق میں نے وہ سب حوالے پیش کئے جو گذشتہ صفحات میں مفصل گزر چکے ہیں-دیوبندی مولوی ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے کہ "یہ کیا ہوگیا؟ہمارا آخری سہارا بھی تنکے کی طرح بہہ گیا" میں نے کہا کہ ان عبارات میں لانہ یشبہ الزیادۃ فیھا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ فقہا چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا سے منع کر رہے ہیں- سلام کے بعدوالی دعا سے منع نہیں کر رہے کیونکہ اس عبارت کا مطلب ہے کہ دعا سے نماز کے اندر زیادتی کا شبہ ہوتا ہے- یہ شبہ بعد تکمیل ارکان نماز چونکہ صورت نمازباقی ہے- لہٰذا چوتھی تکبیر کے بعد بغیر دعامانگے سلام پھیر دے تاکہ نماز میں زیادتی کا شبہ نہ ہو- سلام کے بعد صفیں ٹوٹ گئیں' نمازیوں نے جوتے پہن لئے-اب نماز میں زیادتی کے شبہ کاسوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور خود صاحب جامع الرموز نے تشریح کر دی ہے کہ لا یقوم داعیاً له یعنی دعا کے لئے دیر نہ کرے کا مطلب ہی یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد دعا نہ مانگے -جامع الرموز کی عبارت اس رسالہ میں گزر چکی ہے- اس نے منکرین کی اس دھوکہ منڈی کا دیوالیہ نکال کر رکھ دیا ہے کہ فقہا کے نزدیک چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے دعا منع ہے اور یہی ظاہر الروایۃ مندرجہ مبسوط سرخسی اور فتاویٰ عالمگیری کے مطابق ہے- سلام کے بعد والی دعا کا ان عبارتوں سے کوئی تعلق نہیں- آپ بعض فقہا کے مبہم الفاظ سے غلط فائدہ اٹھا کر دھوکہ دے رہے ہیں-ہوش کے ناخن لیجئے ڈنڈی مت ماریئے-

دیوبندی مولوی | کہاں لکھا ہے کہ لا یقوم بالدعاء،یا لا یقوم داعیاً له سے مراد چوتھی تکبیر کے بعد دعا نہ مانگنا مراد ہے اور ابو بکر بن حامد کے قول کے بعد محمد بن فضل کا قول کہ دعا جائز ہے کس کتاب میں ہے؟ ہم نے تو یہی پڑھا ہے کہ سب فقہا کے نزدیک سلام کے بعد دعا مانگنا بدعت ہے-

غلام مہر علی | یہ میرے پاس برجندی شرح نقایہ ہے- اس کی ج 1 ص 180 میں یہ لکھا ہے:

وعن ابی بکر بن حامد ان الدعا بعد صلاۃ الجنازہ مکروہ و قال محمد بن الفضل انه لا باءس به کذا فی القنیة - ابو بکر بن حامد سے منقول ہے کہ دعا بعد نماز جنازہ (یعنی چوتھی تکبیر کے بعد) دعا مانگنا مکروہ ہے (کیونکہ ظاہر الروایۃ امام اعظم میں چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان دعا مانگنا درست نہیں) اور محمد بن فضل نے کہا ہے کہ دعا بعد نماز جنازہ یعنی چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان دعا مانگنا جائز ہے (کیونکہ اسے احناف کے بعض مشائخ نے مستحسن جانا ہے)

ر یہ میرے پاس جامع الرموز شرح نقایہ بھی موجود ہے اس کی جلد 1 ص 125 میں یہ عبارت وجود ہے جو آپ کے سب بہانوں کا صفایا کر رہی ہے:

ولا یقوم داعیا له و فیہ اشارۃ الی ان لیس بعد الرابعۃ ذکرٌ و قیل هو ما فی القعدۃ الخ - نماز کے بعد یعنی چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے اور دعا کے لئے کھڑا نہ رہے فورا ہاتھ کھول کر سلام پھیر دے اور لا یقوم داعیا له سے مراد یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد ذکر (دعا) نہیں ہے اور بعض مشائخ احناف نے کہا ہے کہ قعدہ والی دعا مانگ بھی سکتا ہے -

دیکھئے دعا کی فضیلت کو مد نظر رکھتے ہوئے چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان ظاہر الروایۃ میں دعا منع ہونے کے باوجود بعض مشائخ احناف اس دعا کو جائز قرار دے رہے ہیں مگر آپ ہیں کہ سلام کے بعد والی دعا جو قطعاً امام اعظم سے ظاہر الروایۃ میں ممنوع نہیں اپنے خود ساختہ قانون بدعت بازی سے منع کر رہے ہیں - (فیا عجباه علی ہذا العقل و العلم) دعا مخ العبادۃ اور غیر موقتہ عبادت ہے اس کے لئے کوئی وقت بھی ممنوع نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت اور جس جگہ دعا مانگی وہیں مانگی جائے اور دوسری جگہ نہ مانگی جائے - دیکھئے میرے پاس آپ کے حکیم الامت تھانوی صاحب کے کتاب بوادر النوادر ہے اس کے صفحہ 623 پر یہ صاحب لکھتے ہیں:

کیا معترض صاحب ہر دعا کے لئے نقل کو شرط کہیں گے؟ (بوادر النوادر ص 623 طبع دیوبند)

نقل کا مطلب ہے ثبوت یعنی دعا مخ العبادت ہے اس کی فضیلت عمومی کتاب و سنت میں موجود ہے اور یہ غیر موقتہ عبادت ہے اب کسی وقت یا کسی موقع پر دعا مانگنے کے لئے کسی آیت یا حدیث و فقہ سے ثبوت و نقل کی ضرورت ہی نہیں جس کا جس وقت دل چاہے جو چاہے دعا مانگ سکتا ہے

کسی بھی دعا کے لئے کسی بھی وقت کسی ثبوت کی ضرورت ہی نہیں تھانوی صاحب نے حضرات صوفیائے کرام کی ریس میں عمر کے آخری پیٹے میں پیری مریدی کا جعلی دھندا بھی شروع کیا تھا اور صوفیائے کرام کے اوراد و وظائف کی طرح اپنے مریدوں کو حدیث سے غیر ثابت مناجات مقبول وغیرہ بھی پڑھاتے تھے اور پھر اس مجبوری میں صوفیائے کرام کے غیر ثابت اوراد و وظائف دلائل الخیرات، درود تاج، چلے مراقبوں کو جائز بھی گردانتے تھے تو تھانوی صاحب کے ایک مرید نے ان پر اعتراض کر دیا کہ:

بجائے اس امر کے کہ جناب (تھانوی صاحب) قرآن و سنت کی حمایت پر زور دیتے گمراہ صوفیوں کے اقوال و افعال کی تائید کر رہے ہیں (بوادر النوادر ص 622 طبع دیوبند)

اس باغی دیوبندی مرید کو تھانوی صاحب جواب دیتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام بھی تلبیہ حج لبیک اللهم لبیک والے ذکر و دعا میں اپنی طرف سے غیر ثابت و غیر منقول لفظ ذا المعارج

کااضافہ کر لیا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زبان سے یہ اضافہ سن کر خاموشی اختیار فرمائی معلوم ہوا کہ دعا و ذکر کے لئے ثبوت و نقل واجازت کی ضرورت ہی نہیں ورنہ صحابہ کرام اس اضافہ کی آپ سے اجازت لے لیتے تو معلوم ہوا کہ ہر دعا کے لئے علیحدہ ثبوت کی ضرورت ہی نہیں بلکہ اس کے لئے صرف یہ قاعدہ کلیہ کافی ہے کہ صحابہ کرام نے اس اضافہ ذاالمعارج کا جواز قواعد کلیہ شرعیہ سے سمجھا کہ ذکر اور دعا خود مطلوب ہے اور زیادت کسی حکم شرع سے متصادم نہیں اس لئے جائز ہے (بوادر النوادر ص 623)

لہٰذا ہم بھی کہتے ہیں کہ دعا خود مطلوب ہے اور نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا کسی حکم شرع سے متصادم نہیں اس لئے جائز ہے۔ آپ کے تھانوی صاحب کے ذکر و دعا کے لئے قواعد کلیہ شرعیہ کے الفاظ نے آپ کی تمام بدعت بازی کا ستیا ناس کر دیا ہے۔ دین کو سمجھئے اسے کھلونا نہ بنائیے۔

میں نے دیوبندی مولوی صاحب کے فقہ کی کتب میں ممنوع دعا کے مغالطے کی جب گرہ کھول دی اور مناظرہ میں صرف 10 منٹ باقی رہ گئے اور اب دیوبندی مناظر کی صرف آخری تقریر ہونی تھی تو وہ کھڑا ہوا اور اس نے آخری دلیل میں کتاب البحر الرائق کی عبارت پیش کی۔

البحر الرائق کی عبارت اور دیوبندیوں کی حیرت انگیز شکست کا لاجواب منظر

دیوبندی مولوی | دیکھو البحر الرائق شرح کنز الدقائق ابن نجیم نے صاف لکھا ہے کہ:

وقید بقوله بعد الثالثة لانه لا یدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصة۔ (البحر الرائق ج 2 ص 183) صاحب کنز الدقائق نے دعا کو تیسری تکبیر کے بعد اس لئے مقید کیا ہے کہ وہ سلام کے بعد دعا نہ مانگے۔

غلام مہر علی | ابن نجیم کی یہ عبارت چند وجوہ سے غلط ہے۔ یہ یا تو سبق قلم ہے یا اس کی یادداشت کی غلطی ہے۔ اس عبارت کے کسی وجہ سے بھی غلط ہونے کی وجوہ یہ ہیں۔

(1) خلاصۃ الفتاویٰ میں سب مسئلے صحیح نہیں۔ الجواہر المضیئۃ سے حوالہ گزر چکا ہے۔

(2) ابن نجیم نے یہ عبارت اور یہ مسئلہ کتاب خلاصۃ الفتاویٰ سے نقل کیا ہے جیسا کہ ان کے الفاظ کما فی الخلاصة سے ظاہر ہے اور یہ خلاصۃ الفتاویٰ ہمارے پاس موجود ہے۔ اس میں دیکھ لیجئے۔ یہ خلاصۃ الفتاویٰ ج 1 ص 225 طبع لکھنؤ ہے۔ اس میں یہ مسئلہ اس عبارت سے اور اس طرح درج ہی نہیں بلکہ اس میں مسئلہ یوں ہے۔

نمبر1۔ لا یقوم بالدعاء بعد صلاة الجنازة

نمبر2۔ ولا یقوم بالدعاء فی قراءة القرآن لاجل المیت بعد صلاة الجنازة والله اعلم (ردالمحتار میں اس کے خلاف لکھا ہوا ہے)

ان دونوں عبارتوں میں بعد التسلیم کا مسئلہ ہی نہیں بلکہ لا یقوم بالدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ کے الفاظ ہیں اور بعد التسلیم اور لا یقوم بالدعا بعد صلاۃ الجنازۃ کے مطلب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ امام قہستانی نے جامع الرموز شرح نقایہ ج 1 ص 125 طبع نول کشور لکھنو میں ولا یقوم داعیاً لہ کا مطلب فقہا کے نزدیک یہ لکھا ہے کہ:

وفیہ اشارۃ الی ان لیس بعد الرابعۃ ذکرٌ یعنی چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان کوئی دعا نہ پڑھے بغیر دعا سلام پھیر دے۔

اور فقہا ارکان نماز کے پورے ہو جانے پر نماز سے فراغت قرار دے کر اس کے بعد اگر کچھ پڑھا جائے تو اس کو بعد نماز بھی کہہ دیتے ہیں۔ چنانچہ پنجگانہ فرض نمازوں میں آخری قعدہ میں تشہد یا قعود بقدر تشہد پر ارکان نماز مکمل ہو گئے تو فقہا کہہ رہے ہیں فرغ من الصلاۃ نماز سے فارغ ہو گیا۔ دیکھئے رد المحتار میں ہے:

لما فرغ من صلاتہ فلما قال السلام الخ (رد المحتار ج 1 ص 328 - پوری عبارت صفحات گذشتہ میں دیکھ لیں) نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب اس نے لفظ السلام کہہ دیا۔ الخ

اور بدائع الصنائع میں ہے کہ:

بعد ما فرغ من الصلاۃ قبل ان یسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد اور سلام سے پہلے پیشانی سے مٹی پونچھ سکتا ہے (بدائع الصنائع ج1 ص 219)

ان دونوں عبارتوں میں سلام سے پہلے نماز سے فراغت اور سلام بعد از نماز قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں امام احمد بحوالہ امام سیوطی صاحب لکھتے ہیں کہ نماز تسبیح میں یقول بعد صلاۃ التسبیح قبل السلام الخ۔ یعنی نماز کے بعد اور سلام سے پہلے اللھم انی اسئلک الخ۔ دعا مانگ کر سلام پھیرے۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ نماز پنجگانہ میں رکن نماز آخری تشہد پر نماز مکمل ہو گئی اور نماز جنازہ میں بھی آخری رکن نماز چوتھی تکبیر پر نماز جنازہ مکمل ہو گئی۔ اب اس کے بعد نماز پنجگانہ یا نماز جنازہ میں کچھ بھی پڑھے گا دعا ہو یا سلام وہ بعد الصلوٰۃ اور بعد صلوٰۃ الجنازۃ ہی کہلائے گا۔ اس وجہ سے بعض فقہا نے چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی جو ظاہر الروایۃ امام اعظم میں ممنوع ہے کو ہی ولا یدعو بعد صلاۃ الجنازہ کہا ہے کہ نماز کے بعد یعنی چوتھی تکبیر کے بعد دعا نہ مانگے اور سلام پھیر دے۔ اسی لئے حضرت امام اعظم کے نزدیک چوتھی تکبیر کے بعد کوئی آدمی نماز جنازہ میں شامل شمار نہیں ہوسکتا کہ چوتھی تکبیر پر نماز ختم ہو گئی۔ حوالہ جات متعلقہ پیش کئے گئے جو گزشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں تو چونکہ ظاہر الروایۃ امام

صاحب میں چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا ممنوع ہے صاحب خلاصۃ الفتاویٰ اور سب فقہا اسی دعا کے بارے میں لا یقوم بالدعا یا لا یدعو بعد صلاۃ الجنازہ کہہ رہے ہیں سلام کے بعد والی دعا کا قطعاً اس سے تعلق نہیں ہے۔ یا تو البحر الرائق میں مسئلہ لکھتے وقت ابن نجیم نے بعد صلاۃ الجنازۃ سے استنباطی غلطی سے بعد التسلیم لکھ دیا ہے یا خلاصۃ الفتاویٰ میں مسئلہ دیکھا اور ذہن میں بعد صلاۃ الجنازۃ کی بجائے بعد التسلیم رہ گیا۔ تو ذہنی یادداشت کی غلطی سے بعد التسلیم لکھ گئے اور زیادہ تر موجہ یہ ہے کہ سبق قلم سے بجائے بعد الرابعۃ کے بعد التسلیم درج کر گئے کیونکہ سلام کے بعد دعا کی ممانعت کہیں بھی امام سے ظاہر الروایۃ یا ظاہر المذہب کے حوالہ سے ممنوع نہیں۔ البتہ کتب اصول میں ظاہر الروایۃ امام صاحب کے حوالہ سے چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا ممنوع ہے۔ تو ابن نجیم کا فرض تھا کہ وہ امام کے مقلد ہونے کی وجہ سے اسی دعا کی ممانعت لکھتے اور عبارت یوں ہوتی۔ وقید بقولہ بعد الثالثۃ لانہ لا یُدعیٰ بعد الرابعۃ یعنی صاحب کنز نے تیسری تکبیر کے بعد دعا مانگنے کا اس لئے ذکر کیا ہے کہ احناف کے نزدیک چوتھی تکبیر کے بعد دعا نہیں۔ تو ظاہر الروایۃ میں ممنوع دعا کے مطابق ابن نجیم کی تشریح صحیح ہوتی ورنہ ظاہر الروایۃ میں ممنوع دعا کا ذکر چھوڑ کر اور تیسری تکبیر کے بعد دعا کا ذکر کر کے چوتھی تکبیر کے بعد کیا کرنا ہے یا کیا نہیں کرنا کا ذکر ہی نظر انداز کر کے سلام کے بعد دعا مانگ سکتا ہے یا نہیں کا مسئلہ چھیڑنا اور امام اعظم سے سلام کے بعد والی غیر ممنوع دعا کو اپنی طرف سے منع کرنا یہ ابن نجیم کو قطعاً حق حاصل نہیں۔ اس لئے یہ سبق قلم ہے یا یادداشت کی غلطی ورنہ یہ عبارت درایۃً و روایۃً قطعاً غلط ہے۔

(3) اور تیسری وجہ اس عبارت کے غلط اور سبق قلم کی یہ بھی ہے کہ سلام کے بعد دعا اصول فقہ کی کتاب ظاہر الروایۃ میں امام اعظم صاحب یا ان کے تلامذہ سے قطعاً ممنوع نہیں ہے اور ابن نجیم نے لانہ لا یدعو بعد التسلیم سے از روئے افتائیہ مسئلہ نہیں لکھا بلکہ تیسری تکبیر کے بعد دعا مانگنے کی علت بیان کی ہے اور علت مسلمہ اور مصرحہ امام اعظم سے ہونا ضروری ہے۔ ایسے اہم مسئلہ جس کی عمومی فضیلت کتاب و سنت میں مصرحہ ہے کو اپنی رائے سے علت قرار دے کر اس سے منع کرنا کسی فقیہ کو زیبا نہیں دیتا اور ایسے انفرادی آراکی مسائل میں فقہا نے بہت سے فقہا کی آرا کو غلط بھی قرار دیا ہے۔ کتب فقہ میں بے شمار مسائل میں یجوز اور لا یجوز اور یکرہ اور لا یکرہ موجود ہے۔ اس کی کئی مثالیں کتب فقہ میں سے میں نے پڑھ کر سنائیں جو اسی رسالہ کے گزشتہ صفحات میں درج ہو چکی ہیں اور خود انہیں ابن نجیم صاحب کی اسی البحر الرائق میں اپنی رائے سے غلط مسئلے بھی ابن نجیم صاحب کے موجود ہیں۔ چنانچہ کسی آدمی کا دوسرے مسلمان پر لعنت کرنا گناہ کبیرہ ہے مگر ابن نجیم نے اسے معصیت صغیرہ لکھ دیا

آپ کے معتبر محدث و عالم مولوی محمد انور شاہ صاحب کشمیری ابن نجیم کی اس غلطی کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال ابن نجیم صاحب البحر ان اللعنة صغیرة (الیٰ قوله) ولیس بشئ (فیض الباری شرح بخاری کتاب التفسیر ج 4 ص 214 طبع ڈھابیل) یعنی ابن نجیم نے البحر الرائق میں لعنت کو صغیرہ گناہ قرار دیا ہے ولیس بشئ یہ اس نے غلط لکھا ہے۔

امام اعظم کی ممنوع دعا چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان کے خلاف بعد التسلیم دعا کو منع قرار دینا بھی ابن نجیم کی غلطی ولیس بشئ یا سبق قلم یا سہو ہے اور بڑے بڑے مصنفین سے ایسا سبق قلم واقع ہوا ہے۔ جس کی مثالیں میں نے جلسہ میں پیش کیں۔ جو اس رسالہ کے گذشتہ صفحات میں درج ہو چکیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ پھر میں نے چشتیاں کے دیوبندیوں کا فتویٰ دکھایا کہ انہوں نے اور مفتی کفایت اللہ دہلوی کی کتاب "خیر الصلوٰۃ فی حکم الدعاء للاموات" کے ص 19 طبع دہلی سے بھی پڑھ کر سنایا کہ نماز جنازہ کے بعد فرداً فرداً دعا مانگنا جائز مانا ہے؟ صفحات گذشتہ میں بدستخط و مہر مدرسہ درج ہو چکا ہے اور مناظرہ گاہ میں محرر سطور نے اس کی فوٹو کاپیاں بھی تقسیم کیں اور کہا کہ ابن نجیم نے مطلقاً لایدعو بعد التسلیم کہا ہے کہ کسی طرح بھی سلام کے بعد دعا نہ مانگے۔ حالانکہ مفتی کفایت اللہ اور چشتیاں کے دیوبندی مولوی صاحبان کے فتویٰ سے فرداً فرداً دعا مانگنا جائز ہے تو ابن نجیم کی یہ عبارت خود آپ کے فتویٰ کے بھی خلاف ہے۔ کہ وہ مطلقاً اجتماعاً ہو یا فرداً منع کر رہا ہے اور آپ فرداً جائز کر رہے ہیں۔ لہذا یہ عبارت غلط و سبق قلم ہے جسے آپ پیش نہیں کر سکتے۔ پھر میں نے کہا کہ آپ نے "البحر الرائق" کی عبارت پڑھنے میں بھی ڈنڈی ماری ہے۔ اس عبارت سے آگے دعا بعد نماز جنازہ کو جائز لکھا گیا ہے۔ عالم دین کہلا کر آپ سے اس قسم کی خیانت؟ کہ میٹھا میٹھا ہضم اور کڑوا کڑوا تھو۔ اسی البحر الرائق کی اگلی عبارت پوری پڑھئے آپ کا پول ابھی ظاہر ہوتا ہے۔

دیوبندی مولوی | میں پوری عبارت پڑھ رہا ہوں کہ لانہ لا یدعو بعد التسلیم سلام کے بعد دعا نہ مانگے

غلام مہر علی | آپ غلط کہہ رہے ہیں اس سے آگے دعا مانگنا جائز لکھا ہوا ہے۔

دیوبندی مولوی | بالکل نہیں لکھا ہوا آپ غلط کہہ رہے ہیں۔

اب یہ معاملہ عوام الناس کے سامنے ایک فیصلہ کن صورت اختیار کر گیا اور پورا مجمع حق و باطل کی اس کشمکش میں آخری فتح و شکست کا بڑی بے چینی سے منتظر نظر آ رہا تھا کہ دیکھتے ہیں کہ مناظر سچا ہے وہ ہی کامیاب ہے اور جو جھوٹ بول رہا ہے وہ جھوٹا ہے۔

میں نے دیوبندی مولوی صاحب سے مطالبہ کیا کہ آپ اپنی کتاب البحر الرائق مجھے دیں۔ میں اس میں دکھاتا ہوں کہ اس سے آگے دعا مانگنا جائز لکھا ہوا ہے۔ جسے آپ چھپا رہے ہیں۔ اب دیوبندی مولوی کی حالت زار وقت نزع سے بھی نازک ہو رہی تھی۔ کہنے لگے "میں کتاب نہیں دیتا"۔

البحر الرائق خود میرے پاس بھی موجود تھی مگر میں اس کا پول اسی کی کتاب کے نسخہ سے ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ میں بار بار مطالبہ کرتا تھا کہ "کتاب دو میں اسی سے پڑھتا ہوں کہ آگے لکھا ہوا ہے دعا مانگنا "لا بأس به" جائز ہے"۔ وہ انکار کر رہا تھا۔ اب مجمع سمجھ گیا کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے اور سارے مناظرہ کا لب لباب "البحر الرائق" میں اس عبارت سے آگے دعا کے جائز ہونے کی عبارت پر متعین ہو گیا۔ اسی کشمکش میں کوئی 10 منٹ گزر گئے تو میں نے صدر مناظرہ میاں رشید احمد صاحب وٹو سے کہا کہ آپ مولوی محمود الحسن کو کہیں کہ وہ کتاب دے دے تاکہ میں اس کا جھوٹ فاش کروں۔ میاں رشید احمد صاحب نے دیوبندی مناظر سے کہا کہ کوئی بات نہیں آپ کتاب دے دیں۔ مگر دیوبندی نے صدر صاحب کو بھی انکار کر دیا اور

آگئی جان شکنجے د-لوچہ جیوں وچہ کلماڑی گناں

میاں رشید صاحب نے مجھے کہا کہ یہی کتاب آپ کے پاس بھی ہے یا نہیں۔ میں نے کہا "کتاب موجود ہے" اس نے کہا کہ پھر کیا فرق پڑتا ہے کتاب تو ایک ہی ہے۔ ابھی ہم دیکھ لیتے ہیں کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ میں نے کتاب البحر الرائق اٹھا کر اس کی جلد دوم صفحہ 183 سے عبارت پڑھی:

لانہ لا یدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصۃ و عن الفضلی لَا بَأْسَ بہ اس لئے کہ وہ سلام کے بعد دعا نہ مانگے جیسا کہ خلاصۃ الفتاوٰی میں ہے اور امام محمد بن فضل فضلی سے منقول ہے کہ دعا مانگنا جائز ہے۔

دیکھو یہی عبارت و عن الفضلی لَا بَأْسَ بہ دیوبندی مولوی صاحب چھپا رہے تھے اور لا باس بہ کا معنی خود اس دیوبندی مسلک کے پیشوا مولوی خلیل احمد سہارن پوری نے "جائز ہے" قرار دیا ہے۔ دیکھئے میرے پاس مولوی کفایت اللہ کا رسالہ "خیر الصلوٰۃ" ہے اس کے ص 63 پر یہ سہارن پوری صاحب لکھتے ہیں:

"دوسری عبارت جو بطور روایت فضلی سے نقل کی ہے۔ جس میں لا باس بہ مذکور ہے وہ مشیر بجواز ہے"

ثابت ہو گیا کہ ابن نجیم نے اپنی رائے لا یدعو بعد التسلیم کے بعد امام محمد بن فضل فضلی کا لَا بَأْسَ بہ ذکر کر کے اپنی رائے کو رد کر کے آخری فیصلہ امام فضلی کے قول کو قرار دے دیا

کہ دعا مانگنا جائز ہے۔ لَا بَأْسَ بِهٖ کا مطلب "مشیر بجواز" لکھ کر خود دیوبندی مان رہے ہیں کہ نماز جنازہ دعا مانگنا جائز ہے۔

پس میرا اس عبارت کا پڑھنا تھا اور دیوبندی مولوی کی عبارت میں ڈنڈی مارنا ظاہر ہونا تھا کہ مجمع اٹھ کھڑا ہوا اور نعرہ تکبیر و نعرہ رسالت سے فضا گونج اٹھی - بریلوی مسلک زندہ باد' دیوبندی مولوی جھوٹا' مولانا غلام مہر علی زندہ باد اور بیڑا تمباکو مولوی مردہ باد کے شور سے حشر برپا تھا اور میں نے دیکھا کہ دیوبندی مولوی کتابیں اکٹھی کر کے تجل رو ہو کر یکے بعد دیگرے کھسک رہے تھے کہ صدر مناظرہ میاں رشید احمد صاحب نے اعلان کیا کہ:

"صاحبو شور نہ کرو! مناظرہ ختم ہوا اور میں اعلان کرتا ہوں کہ ہم نے فریقین کی دلیلیں سنی ہیں۔ ثابت ہو گیا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا جائز ہے۔

کیا تھا - بانی مناظرہ مولوی قطب الدین سکنہ منشی المعروف بہ قطب الدین محمد پوری آگے آگے شکست پڑھتے جا رہے تھے اور باقی علمائے دیوبند ان کے پیچھے "جل توں جلال توں آئی بلا ٹال" کا ورد کرتے جا رہے تھے اور اس طرح اس علاقہ سے دیوبندیت کا خاتمہ بالمناظرہ ہوا۔

دیوبندیوں کی طرف سے دعا بعد نماز جنازہ کی مخالفت کی اصل وجہ آپ نے گزشتہ صفحات میں اپنی آنکھوں سے پڑھ لیا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد فوراً فوراً دعا مانگنا خود علمائے دیوبند کے نزدیک بھی جائز ہے مگر اس کے باوجود انہوں نے عمر بھر میں کبھی بھی فوراً بھی دعا نہیں مانگی بلکہ ہر جگہ اس کے خلاف پروپیگنڈا بلکہ قتال و جدال تک کرنے سے بھی یہ لوگ گریز نہیں کرتے تو اس کی وجہ مطلقاً اس دعا کا ناجائز ہونا نہیں بلکہ اسلامی معاشرہ میں ان کا وہابیت سے بدنام ہونا ہے۔

ان کے پیشوا مولوی کفایت اللہ صاحب دیوبندیوں کی طرف سے دعا بعد نماز جنازہ کی مخالفت کا راز یوں ظاہر کرتے ہیں:

اور نہ کرنے والے کو برا بھلا کہنا یہ مکروہ و بدعت ہے (رسالہ خیر الصلوٰۃ ص 15)

سمجھ گئے آپ کہ دعا نہ مانگنے والوں کو برا بھلا کہنا مکروہ و بدعت ہے۔ یعنی ممانعت دعا بعد نماز جنازہ کی اصل وجہ سنیوں کا دیوبندیوں وہابیوں کو برا بھلا کہنا ہی ممانعت دعا کی ایک وجہ وجیہہ ہے۔ مفتی صاحب کے اندر جو ممانعت دعا کی اصل تکلیف تھی وہ بالآخر اگل دی کہ چونکہ دیوبندی دعا نہیں مانگتے اور سنی ان کو برا بھلا کہتے ہیں اس لئے یہ دعا نہیں مانگنی چاہئے - میرے خیال میں مفتی صاحب اس گڑبڑ کا جو حل پیش کر رہے ہیں وہ کامیاب نہیں - بلکہ مفتی صاحب اور کل ملا دیوبند میری تجویز پر عمل کریں تو ان کو برا بھلا کہنا بھی بند ہو جائے گا اور فوت شدگان کو بھی فائدہ ہو جائے گا کہ دیوبندی صاحبان فوراً فوراً ہی نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا شروع کردیں۔

جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے
(بیان القرآن تھانوی ترجمہ ج ۱ ص 44)

تھانوی صاحب اس آیت کا یہ ترجمہ کرکے اس کی تفسیر میں "مسائل السلوک" کے عنوان تحت لکھتے ہیں:

عن عبادتی اے عن دعائی یعنی عبادت سے سرتابی سے مراد دعا سے سرتابی کرنا ہے۔ کہ جو لوگ دعا سے نفرت و سرتابی کرتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

تو وہابی و دیوبندی علما و جہلا نماز جنازہ کے بعد فرداً فرداً دعا کو جائز ماننے و لکھنے کے باوجود (جیسا اس رسالہ میں ان کے فتوے گزر چکے ہیں) پھر اس سے نفرت کرتے ہیں۔ بلکہ بھاگ جاتے تھانوی سے معلوم کرلیں کہ وہ کہاں جائیں گے۔

باوجود بدعت ہونے کے نیک کاموں سے نہ روکا جائے | ذی الحج کے پہلے 10 دنوں بلند آواز سے بازاروں میں تکبیریں پڑھنے کے بارے میں صاحب خلاصۃ الفتاویٰ لکھتے ہیں:

وقال الفقیہ ابو جعفر سمعت عن مشائخنا یرون ذلک بدعۃ والذی عندی لا ینبغی ان یمنع العامۃ لقلۃ رغبتھم فی الخیرات (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص 213)

فقیہ ابو جعفر کہتے ہیں کہ ہم نے مشائخ فقہا سے سنا ہے کہ یہ تکبیریں پڑھنا بدعت ہے اور میرا (ابو جعفر کا) فتویٰ یہ ہے کہ باوجود بدعت ہونے کے عوام کو اس سے نہ روکا جائے کیونکہ باوجود بدعت ہونے کے کام تو نیک ہی ہے اور لوگوں کی نیک امور کی طرف پہلے ہی رغبت کم ہے تو نیک کام سے نہ روکا جائے۔

دیوبندی صاحبان بتائیں کہ دعا تو مخ العبادۃ ہے اور عموم فضیلت دعا شامل ہر وقت استحباب اور پھر خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ثابت امر خیر سے منع کرنے کا ٹھیکہ ان حضرات نے کس محکمہ سے لیا ہوا ہے؟ جس میں خسارہ کے خوف سے شب و روز دعا بعد نماز جنازہ کے خلاف اعلان جنگ ہو رہا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مسئلہ صلوٰۃ و سلام و دعا بعد نماز جنازہ پر ایک غیر مقلد وہابی عالم سے گفتگو | آج سے کوئی 30 سال قبل سفر کے دوران ریل گاڑی میں ایک غیر مقلد عالم سے (جواب مر کر مٹی میں مل چکے ہیں) دعا بعد نماز جنازہ کے متعلق محرر سطور کی یہ گفتگو ہوئی۔

انہوں نے کہا: دعا بعد نماز جنازہ بدعت ہے کیونکہ یہ حدیث سے ثابت نہیں۔

میں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ کے بعد جنگ موتہ کے شہدا کے لیے دعا فرمائی تھی ایسے ہی کئی اور جنازوں پر آپ کا اور صحابہ کرام کا دعا مانگنا ثابت ہے۔

انہوں نے کہا: میں ایسی روایتیں نہیں مانتا۔

میں نے کہا : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے - اذا فرغ احدکم من صلاتہ فلیدع الخ - تم میں سے جب بھی کوئی نماز سے فارغ ہو تو دعا مانگے - (سنن کبری امام بیہقی ج 2 ص 184) نماز جنازہ بھی نماز ہے تو اس کے بعد بھی دعا مانگنا مستحب ہوا -

انہوں نے کہا : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایک عام ارشاد ہے اور گو یہ نماز جنازہ کو بھی بوجہ عموم لفظ "صلوٰۃ" سے شامل تو ہے مگر آپ کا نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کا دعویٰ خاص ہے اور دعویٰ خاص کے لئے دلیل بھی خاص ہونی چاہئے جس میں دعا بعد نماز جنازہ کے الفاظ ہوں تب مانوں گا ورنہ نہیں -

میں نے کہا : یہ قانون آپ کا خود ساختہ اور غلط ہے - عموم الفاظ سے احکام ثابت ہوتے رہتے ہیں ورنہ آپ نماز جنازہ کے بعد دعا کا بدعت ہونا ثابت کریں -

انہوں نے کہا : حدیث میں ہے کل محدثۃ بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ الخ - ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے -

میں نے کہا : آپ ابھی اپنے خود ساختہ قانون سے مکر گئے - کل محدثۃ بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ بھی لفظ کل کی وجہ سے عام ہے - نماز جنازہ کے بعد دعا کے بدعت ہونے کا آپ کا دعویٰ خاص ہے تو اس کے لئے دلیل بھی خاص ہونی چاہئے کہ جس میں نماز جنازہ کے بعد دعا کے بدعت ہونے کے الفاظ ہوں - اذا فرغ احدکم کے اذا عام شامل ہر وقت استحباب دعا کے عموم سے تو آپ دعا بعد نماز جنازہ ثابت نہیں مانتے مگر کل بدعۃ کے عموم کل سے دعا بعد نماز جنازہ کا بدعت ہونا ثابت کر رہے ہیں - عقل را چہ شد؟

انہوں نے کہا : پھر تو میری دلیل عموم اور آپ کی دلیل عموم دونوں ناکام ہو گئیں -

میں نے کہا : یہ بھی غلط ہے آپ کی پیش کردہ دلیل کل محدثۃ بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ کا عموم دوسری حدیث ومن ابتدع بدعۃً ضلالۃً میں بدعت کے ساتھ قید ضلالۃ سے کہ صرف بری بدعت ہی گمراہی ہے نیک بدعت گمراہی نہیں سے خاص یا منسوخ ہو چکا ہے - مشہور شارح مشکوٰۃ ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھ رہے ہیں قَیَّدَ بہ لاخراج البدعۃ الحسنۃ اور ہر مشکوٰۃ کے بین السطور یہ شرح درج ہے - اس لئے آپ کا اس کے حدیث کے عموم سے دعا بعد نماز جنازہ کو بدعت کہنا بھی غلط ہے - مگر اس کے برعکس میری پیش کردہ حدیث فضیلت دعا بعد ہر نماز کا عموم اپنی جگہ قائم ہے اور اس سے دعا بعد نماز جنازہ ہر صورت مستحب ثابت ہے - ورنہ کسی حدیث میں دکھائیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں بھی نماز جنازہ کے بعد دعا سے منع فرما کر اپنے ارشاد اذا فرغ احدکم من صلاتہ فلیدع کو خاص فرما دیا ہو -

بیچارے ان آخری الفاظ پر بے قرار ہو کر سیٹ سے اٹھے اور جلدی سے لیٹرین میں گھس گئے -

اور جب تک نیا سٹیشن نہ آیا اندر ہی تشریف فرما رہے۔ جب گاڑی رکی تو ڈبہ بدل کر دوسرے ڈبہ میں گھس گئے۔

مستحب کاموں سے روکنے کے دیوبندی وہابی مکاید پر آخری ضرب

مسلمانوں کو بدعتی بنانے کا ایک نرالا فارمولا دیوبندی علما مسلمانوں کو بدعتی بنانے کے شوق میں آئے دن نیا سے نیا جھرلو گھڑتے رہتے ہیں چنانچہ مولوی رشید احمد ارشد نے اپنے رسالہ "نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں" میں ایک نیا خود ساختہ بدعت گر نسخہ تیار کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

جس فعل کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود ہو اور کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو اس کے باوجود اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو تو ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے دین کو بدلنا ہے کیونکہ اس کام میں اگر کوئی مصلحت ہوتی تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس کام کو ضرور کرتے یا ترغیب فرماتے اور جب آپ نے نہ خود کیا نہ کسی کو ترغیب دی تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی بھلائی نہیں بلکہ وہ بدعت قبیحہ سیئہ ہے۔ (رسالہ مذکورہ ص 153 بحوالہ نفائس الاظہار ترجمہ مجالس الابرار)

ان کے اس قانون سے کون کون دین کے بدلنے والے بنتے ہیں؟

نماز پڑھتے وقت دل میں ارادہ و نیت نماز شرط ہے۔ مگر منہ سے بھی نیت کے الفاظ بول لینا یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں۔ منہ سے الفاظ نیت بولنے کا سبب بقول صاحب رد المحتار عزیمت قلب (رد المحتار ج 1 ص 291) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و صحابہ و تابعین کے زمانہ میں بھی موجود تھا اور کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی اس کے باوجود اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ کیا نہ ترغیب فرمائی اس کے متعلق دیوبندی فرقہ کے سب سے بڑے بدعت باز مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی کہتے ہیں:

لَمْ یُنْقَلْ عن المصطفیٰ ولا الصحابتہ ولا التابعین یہ منہ سے نیت کے الفاظ بولنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین سے ثابت نہیں۔

مگر اس کے باوجود فقہائے اسلام کے نزدیک یہ فعل سنت علما و مستحب ہے۔ خود تھانوی صاحب اس کے سنت علما و مستحب ہونے کی تائید کرتے ہوئے علمائے اسلام و فقہائے احناف کے اقوال یوں ذکر کرتے ہیں:

فی الدرالمختار بحث النیۃ الخ۔ درمختار میں نیت کی بحث میں ہے کہ نیت کے الفاظ منہ سے کہنا مستحب ہے اور یہی مختار قول ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ سنت ہے یعنی اس کو علما سلف نے محبوب جانا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ بدعت ہے۔ رد المختار

میں ہے کہ سنت ہے - صاحب تحفہ اور صاحب اختیار نے امام محمد کا یہی قول بتایا ہے - اس کے مستحب و سنت ہونے کا ایک ہی مطلب ہے کہ یہ فعل علما کے محبوب ہونے کی وجہ سے مستحب ہے اور اچھا طریقہ ہونے کی وجہ سے سنت کہلاتا ہے - ایسا ہی البحر الرائق میں ہے - اور یوں کہنا بھی مناسب ہے کہ یہ اچھی بدعت (بدعت حسنہ) ہے - صاحب حلیہ نے کہا ہے کہ دل میں نیت کو منہ کے الفاظ سے پکا کر لینا نیک کام ہے - ایسا ہی مبسوط اور ہدایہ اور کافی میں ہے اور اسے مکروہ کہنا درست نہیں - اور ہر بدعت بری نہیں ہوتی بدعت واجبہ بھی ہوتی ہے اور بدعت محرمہ بھی بدعت مندوبہ مستحبہ بھی ہوتی ہے اور بدعت مکروہہ و مباحہ بھی (ملخصاً از بوادر النوادر تھانوی ص 777 طبع دیوبند)

اب دیوبندی علما سے ہمارا مطالبہ ہے | کہ پوری دنیا کے دیوبندی علما مع مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی و مولوی عبدالرشید صاحب ارشد اور قاضی محمد ابراہیم صاحب مصنف مجالس الابرار اور اگر ہو سکے بلکہ ضروری طور پر بدعت گری کے اکھاڑے کے رستم پہلوان مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی کو بھی قبر سے کھینچ کر ساتھ کھڑا کر لیں اور بتائیں کہ تَلَفُّظ بِہ نِیَّۃ نماز کو باوجود سنت نبوی نہ ہونے کے سنت و مستحب و بدعت حسنہ کہنے والے ان مذکورہ بالا ائمہ فقہ و علما سلف صاحب درمختار و ردالمحتار و حلیہ و اختیار و امام محمد و ابن نجیم صاحب البحر الرائق و صاحب مبسوط و ہدایہ و کافی حتیٰ کہ خود تھانوی صاحب نے بہ قانون مفتی کفایت اللہ اور مولوی عبدالرشید' اللہ تعالیٰ کے دین کو بدلا اور بدعت سیئہ کا ارتکاب کیا یا نہیں؟ بصورت اولیٰ یہ سب معاذ اللہ دوزخی ہوگئے اور بصورت ثانیہ مفتی کفایت اللہ و مولوی عبدالرشید مع اپنے پیر و پیشوا مولوی محمد سرفراز صاحب لعنت اللہ علی الکاذبین کے مصداق ہوئے یا نہیں؟ ابھی تو ہم نے صرف ایک مستحب کا نمونہ پیش کر کے جواب کا مطالبہ کیا ہے - ایسے بیسیوں افعال مثلاً نمازوں کے بعد خود دیوبندی معمول اجتماعی دعائیں - خطبہ عید کے بعد دعا وغیرہ کے جوابات دیوبندیوں کے ذمہ ہمارا قرض باقی ہے -

آخری دھوکہ | ہر نیک کام کو بدعت سیئہ بنانے کے لئے دیوبندی اور غیر مقلد علما آئے دن نت نئے گر تیار کرتے رہتے ہیں - ان کا ایک یہ بھی گر ہے کہ انہوں نے تین چار لفظ رٹ رکھے ہیں - اہتمام - اجتماع - التزام مالا یلزم - اور کہتے ہیں کہ مستحب کام اہتمام اور اجتماعی طور اور ہمیشہ کرنے سے بدعت سیئہ بن جاتے ہیں - ان کے اس جھرلو کے بانی مفتی کفایت اللہ صاحب نے اسے اپنے رسالہ "دلیل الخیرات" و "خیر الصلوٰۃ" میں گھڑا اور پھر اس کے راتب اور اس کے اخلاف نے خوب پیٹ بھر کر کھایا - مفتی مذکور صاحب اسے یوں جنم دیتے ہیں:
اور اجتماع و اہتمام کا قصد نہ کریں: اجتماع و اہتمام کرنا اور پھر اسے ضروری سمجھنا: اجتماع

و اہتمام بدعت مکروہ ہے: اجتماع و اہتمام سے دعا کرنا اور اسے لازم سمجھنا بدعت و مکروہ ہے
(رسالہ خیر الصلوٰۃ ص ۱۷ وغیرہ)

اس سلسلہ میں علمائے دیوبند نے کچھ روایات اور فقہا کی بعض عبارات کا سہارا بھی لیا ہے۔ ضروری ہے کہ ہم ان کے مزعومہ مخترعہ دلائل کا جائزہ لے لیں کہ ان روایات کی استدلالی حیثیت کیا ہے اور انہوں نے ان کے نقل کرنے میں کس طرح ہاتھ کی صفائی سے ڈنڈی ماری ہے۔

پہلی روایت مفتی صاحب اپنے رسالہ "دلیل الخیرات فی ترک المنکرات" میں اپنے ذہنی چچیرے بھائی محمد ابراہیم کی مجالس الابرار سے حضرت عبداللہ بن مسعود کا ایک قول یوں درج کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود کو خبر دی گئی کہ ایک جماعت بعد مغرب بیٹھتی ہے اور ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ اتنی مرتبہ اللہ اکبر کہو اور اتنی مرتبہ سبحان اللہ کہو اور اتنی مرتبہ الحمد للہ کہو۔ اور سب لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اس جماعت میں گئے اور جب ان کی یہ باتیں سنیں تو کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں عبداللہ بن مسعود ہوں اور اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم لوگوں نے نہایت تاریک بدعت اختیار کی ہے یا تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے علم میں بڑھ گئے ہو۔ (دلیل الخیرات فی ترک المنکرات ص 3)

مجالس الابرار سے یہ عبارت نقل کرنے کے بعد مفتی صاحب لکھتے ہیں:

اس پر بدعت کا حکم لگانے کی وجہ کیا تھی۔ صرف یہی کہ ذکر اللہ اگرچہ ہر وقت مطلوب اور محبوب ہے مگر اس کے لئے یہ اہتمام و اجتماع کرنا حدود شریعت سے تجاوز کرنا تھا۔
(رسالہ مذکورہ ص 3)

حضرت ابن مسعود کی طرف منسوب نماز کے بعد ایک صحابی کا دوسرے صحابہ کرام کو نماز کے بعد 33 مرتبہ سبحان اللہ 33 مرتبہ الحمد للہ اور 34 مرتبہ اللہ اکبر کی تعلیم دینے کو جو صحیح مسلم شریف باب الذکر بعد الصلوٰۃ ج 1 ص 219 میں حضرت کعب بن عجرہ کی صحیح روایت سے ثابت ہے کو "بدعت ظلما" تاریک بدعت کہنا مفتی مذکور نے مجالس الابرار سے نقل کیا ہے۔ یہ نہ تو حدیث کی کوئی مستند کتاب ہے نہ فقہ کی۔ اس کے مصنف قاضی ابراہیم بھی اسی قسم کے نمبر دو حنفی ہیں جس طرح کے دیوبندی حنفی کہلاتے ہیں۔ ایسے غیر معروف کئی مصنفین کی کتابوں میں بے شمار صدری نسخے اور بے سند باتیں درج ہیں۔ محققین احناف کے نزدیک نماز کے التحیات میں السلام علیک ایہا النبی بوجہ حقیقت محمدیہ حاضر ناظر ہونے کے ہر نمازی خود اپنے دل اور

قعدہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام دے:
ولا بُدَّ من ان یُقصِدُ بالفاظ التشهد معانیها التی وُضِعَتْ لها مِن عِنْدِہٖ الخ۔ (فتاویٰ عالمگیری - درمختار و ردالمختار ج 1 ص 358) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دل کے ارادہ سے ندا کرے اور پکار کر سلام دے۔

مگر بعض علما نے یہ روایت گھڑ رکھی ہے کہ معراج کی شب اللہ تعالیٰ نے آپ کو السلام علیک سے سلام دیا تھا۔ لہٰذا نماز میں اس سلام کی محض نقل کا حکم ہے۔ دل سے سلام دینے کا حکم نہیں۔ اس بے اصل روایت کے متعلق خود دیوبندی پیشوا ترمذی شریف کے حاشیہ "العرف الشذی" میں کہتے ہیں ولکننی لم اجد لہ سَنَدًا (العرف الشذی ص 139 طبع رائے پور) یعنی مجھے اس حکایت و نقل کی روایت کی کوئی سند نہیں مل سکی۔ اسی طرح قاضی ابراہیم کی مقولہ روایت بدعۃ ظلماء بھی بے سند اور بے اصل ہے۔ دعا جیسی مخ العبادۃ نیکی جس کی ہر وقت عمومی فضیلت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے مجالس الابرار کی ایسی بے سند روایت سے فضیلت دعا کے عموم شامل ہر وقت سے بعد نماز جنازہ کے وقت کو ممانعت دعا سے مخصوص کرنا محض ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس روایت اور اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے اس ذکر کرنے والی جماعت کو بدعت سیۂ کا مرتکب قرار دینے کے ان کی طرف منسوب الفاظ بدعۃ ظلماء کی صحت بچند وجوہ محل نظر ہے۔

نمبر1۔ حضرت عثمان غنی 35ھ میں شہید ہوئے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود 32ھ یا 33ھ میں وفات پا گئے تھے (دیکھو تاریخ الخلفا و تقریب التہذیب ج 6 ص 28 طبع حیدر آباد) اور یہ سب جلیل القدر صحابہ کرام کا دور ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ روایت مذکورہ میں نماز مغرب کے بعد فرمودہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسبیحات پڑھانے والے (شخص) اور پڑھنے والی (جماعت) بھی کوئی تیرہویں یا چودھویں صدی کے زید و عمرو مسلمان نہیں تھے۔ بلکہ یہ سب جلیل القدر صحابہ کرام ہی تھے اور ان کے نزدیک کسی بھی مستحب امر کو فرداً فرداً یا اجتماعاً و اجتماعاً دونوں طرح ہی ادا کر لینا جائز تھا۔ اس لئے حضرت ابن مسعود کا ان کے اس فعل کو تاریک بدعت کہنا شمع شبستان نبوت سے منور اور جگمگاتے نجوم ہدایت کو بدعتی قرار دینا بصورت فرض صحت روایت بھی حضرت ابن مسعود کی ذاتی رائے تو ہو سکتی ہے مگر ان جمہور صحابہ کے اس محبوب فعل کے بارے میں صاحب مجالس الابرار کی اس بے سروپا روایت میں لفظ بدعۃ ظلماء کو دیکھ کر اور نشہ بدعت سے مدہوش ہو کر اس روایت سے جماعت صحابہ کے بدعتی ہونے کا تصور جما کر اس روایت سے مفتی کفایت اللہ کا یہ استدلال اور خوشی کی چھلانگیں اس کی کم عقلی بھی ہے اور شان صحابہ میں گستاخی بھی۔

کسی ایک صحابی کے اکثریت صحابہ سے اختلاف رائے اور اکثریت کے فعل سے استدلال کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ نماز میں رکوع کے وقت رفع یدین اکثر صحابہ کرام نہیں کرتے تھے۔ مگر حضرت عبداللہ بن عمر رفع یدین نہ کرنے والوں کو پتھر کی کنکریاں مارتے تھے کہ رفع یدین کیوں نہیں کرتے ہو۔ کتب احناف میں باوجود عبداللہ بن عمر اکثریت صحابہ سے اس مسئلہ میں اختلاف کے احناف نے استدلال کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کے اس پتھر مارنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کی اکثریت رفع یدین نہیں کرتی تھی اس لئے رفع یدین نہ کرنا ہی درست ہے۔ اسی طرح اگر بفرض صحت روایت اور باوجود حضرت عبداللہ بن مسعود کے اس مستحب فعل کے اہتمام و اجتماع سے کرنے کو بدعت کہنے کے چونکہ اکثریت صحابہ اسے جائز سمجھتی تھی اور کرتی تھی ہم بھی کہتے ہیں کہ اکثریت صحابہ کے نزدیک کسی مستحب کو اہتمام و اجتماع سے کرنا قطعاً حدود شریعت سے تجاوز نہیں بلکہ جائز و درست ہے۔ جس روایت سے نشہ بدعت میں مدہوش ہو کر مفتی صاحب مذکور نے مستحب امور کو اہتماماً و اجتماعاً بدعت قرار دینے میں کئی صفحے سیاہ کر ڈالے وہی روایت الٹا مفتی صاحب کے گلے پڑ گئی اور اسی سے اس کا جواز و استحباب ثابت ہو گیا۔

نمبر 2 - از روئے درایت و سیاق عبارت اس روایت کے حضرت عبداللہ بن مسعود کی طرف غلط منسوب ہونے کی ایک یہ وجہ بھی ظاہر ہے کہ خود اصحاب رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یہ کہنا کہ تم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے علم میں بڑھ گئے ہو ایک صحابی دوسرے صحابہ کو نہیں کہتا اور اگر کہہ بھی دے تو مفتی صاحب جیسے چودھویں صدی کے ملاں کو اس پر بغلیں بجانا اسے اچھالنا قطعاً نازیبا بات ہے۔

نمبر 3 - پوری دنیا کے علما نماز مغرب ہو صبح ہو یا عشا نماز کے بعد نمازیوں کی جماعت کو دین کی تعلیم دیتے ہیں - درس دیئے جاتے ہیں - اور ایک آدمی کھڑا ہو کر جماعت کو مسائل نماز یا سنتوں کی تعلیم دیتا ہے تو کیا یہ سب لوگ "بدعت ظلما" کے مرتکب ہوتے ہیں اور خصوصا تبلیغی جماعت والے کیا اصحاب مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھے ہوئے ہیں؟

نمبر 4 - دیوبندی مدارس کے جلسوں یا سیرت کانفرنسوں کے لئے اشتہارات کے ذریعہ تداعی و اجتماع و اہتمام کسی سے مخفی نہیں - صحابہ کرام کے لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمائی ہوئی تسبیحات کا اجتماع بدعت ہو مدرسوں کے لئے اجتماع درست ہو یہ کس شریعت کا قانون ہے

نمبر 5 - دعا مانگنا ہر وقت جائز ہے مگر دیوبندی تبلیغی" تبلیغی نصاب "کے ایک نوٹیفکیشن کے ذریعہ پابند ہیں کہ "سب مل کر حق تعالی سے دعا مانگیں" (تبلیغی نصاب ص 835 حوالہ مفصل گزر بھی چکا ہے) تو یہ تداعی و اہتمام والتزام کیوں بدعت ظلما نہیں؟

نمبر 6 - دیوبندیوں کے مولوی عبدالرشید ارشد نے دعا بعد نماز جنازہ کے ثبوت کے لئے کسی

اہل کے لئے یہ شرائط لگائی ہیں:

وہ دلیل محدثین اہل سنت کی کسی معتمد اور مشہور کتاب میں موجود ہو۔ الخ

اور وہ دلیل فقہ حنفی کی کسی معتمد اور مشہور کتاب میں مفتی بہ قول کی صورت میں موجود ہو۔ الخ (رسالہ نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں ص 69 طبع لاہور)

و مفتی کفایت اللہ مذکور کا مجالس الابرار جیسی غیر معتمد و غیر مشہور و غیر مفتی بہ کتاب سے اصحاب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بے سند منسوب بدعت ظلما کا فتویٰ نقل کر دینا قطعاً باطل استدلال ہے۔

دیوبندیوں کا دوسرا فراڈ کسی نفل یا مستحب کام کو اجتماعاً و اہتماماً کرنے سے اس کے بدعت و مکروہ ہونے کے سلسلہ میں مفتی کفایت اللہ صاحب نے ردالمحتار کی ایک جگہ سے عبارت نقل کر کے اور دوسری جگہ سے عبارت چھوڑ کر پھر ایک کامیاب ڈنڈی ماری ہے۔ لکھتے ہیں:

عیدین کی راتیں اور شعبان کی پندرہویں رات (الیٰ قولہ) ان راتوں میں نماز پڑھنا اور ذکر الٰہی میں مشغول رہنا بہت ثواب کا کام ہے مگر فقہا نے یہ قید لگا دی ہے کہ نماز تنہا تنہا پڑھی جائے۔ الخ (خیر الصلوٰۃ ص 15)

اس کے بعد مفتی صاحب نے ردالمحتار ج 1 ص 481 سے الامداد کے حوالہ سے ویکرہ الاجتماع علی احیاء لیلۃ من ھذہ اللیالی کی عبارت نقل کر کے اسی علامہ شامی کی ردالمحتار سے یہ عبارت دیدہ دانستہ شیر مادر کی طرح ہضم کر لی کہ اسی ردالمحتار میں صرف 16 صفحے بعد ج 1 ص 497 پر خود علامہ شامی لکھتے ہیں:

لکن فی الخلاصۃ عن القدوری انہ لا یکرہ خلاصہ میں قدوری سے ہے کہ کسی نفل کا باجماعت ادا کرلینا مکروہ نہیں۔

اور مفتی صاحب طوطا چشمی سے اسی ردالمحتار سے بدائع الصنائع میں یہ تصریح بھی چھوڑ گئے کہ:

فان نفی السنۃ لا یستلزم الکراھۃ کہ اگرچہ کسی نفل و مستحب کا اجتماعاً پڑھنا سنت نہیں مگر اس سے اس کا مکروہ ہونا بھی لازم نہیں آتا (ردالمحتار ج 1 ص 497)

ناظرین کرام نے دیوبندیوں کے اجتماع و اہتمام کے بہانے اور اس پر ان کے جعلی استدلال کا فقہ سے حشر دیکھ لیا اب کتب حدیث سے ان کی دھوکہ دہی بھی ملاحظہ کر لیں۔

کسی مستحب کے اجتماعاً و اہتماماً بدعت ہو جانے کے متعلق حدیث سے دیوبندی استدلال اور نقل روایت میں ان کی طوطا چشمی

اس سلسلہ میں مولوی کفایت اللہ صاحب نے ایک یہ روایت نقل کی ہے:

عن مجاہد قال دخلت انا و عروۃ بن الزبیر المسجد فاذا عبداللہ بن عمر

جالس الی حجرة عائشة و اذا ناس یصلون فی المسجد صلاۃ الضحٰی قال فسئلناہ عن صلاتھم فقال بدعة - الحدیث (بخاری ج 1 ص 238) مجاہد فرماتے ہیں کہ میں اور عروہ بن زبیر مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عائشہ کے حجرے کی طرف بیٹھے ہوئے ہیں اور لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے ہیں تو ہم نے حضرت عبداللہ بن عمر سے اس نماز کا حکم دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ بدعت ہے (رسالہ خیر الصلوٰۃ ص 16)

مفتی صاحب کے نقل کردہ الفاظ حدیث فقال بدعة کے بعد لفظ الحدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس سے آگے حدیث کے الفاظ اور بھی ہیں - مفتی صاحب نے کسی حکمت کے تحت پوری حدیث نقل نہیں کی - آگے حدیث کے الفاظ یہ ہیں :

ثم قال لہ کم اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اربع إحدٰیھن فی رجب فکرھنا ان نرد علیہ قال و سمعنا استنان عائشة ام المؤمنین فی الحجرة قال عروة یا اماہ یا ام المومنین الا تسمعین ما یقول ابو عبدالرحمٰن قالت مایقول قال یقول ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتمر اربع عمرات إحدٰیھن فی رجب قالت یرحم اللہ ابا عبدالرحمان ما اعتمر عمرة الا و ھو شاھد وما اعتمر فی رجب قط (بخاری ج 1 ص 238) پھر عروہ نے عبداللہ بن عمر سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے عمرے فرمائے تھے تو عبداللہ بن عمر نے کہا کہ چار - ان میں سے ایک عمرہ ماہ رجب میں فرمایا تھا - تو ہم نے مناسب نہ سمجھا کہ عبداللہ کے اس قول کا رد کریں اور ہم نے آواز سنی کہ حضرت عائشہ حجرہ میں مسواک کر رہی ہیں تو عروہ نے آواز دی کہ اے ام المؤمنین کیا آپ نے عبداللہ کی بات نہیں سنی - تو مائی صاحبہ نے کہا کہ عبداللہ کیا کہتے ہیں - عروہ نے کہا کہ وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے ادا فرمائے تھے - ان میں سے ایک عمرہ رجب میں فرمایا تھا - مائی صاحبہ نے فرمایا کہ عبداللہ پر اللہ رحم کرے یعنی وہ بھول گئے ہیں - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے ہی تو چار عمرے فرمائے تھے - رجب میں تو آپ نے کوئی عمرہ ہی نہیں فرمایا -

مفتی صاحب نے حضرت عبداللہ کے رجب میں عمرہ کے قول پر ام المؤمنین کے افسوس کرنے کی وجہ سے پوری حدیث نقل نہیں کی - امام محمود بن احمد عینی شرح بخاری میں ام المؤمنین کے عبداللہ بن عمر کے متعلق یرحم اللہ ابا عبداللہ - الخ - کہنے کے بارے میں کہتے ہیں :

قالت ذلک مبالغة فی نسبتہ الی النیسان - ام المؤمنین نے یہ الفاظ عبداللہ بن عمر

کے بھول جانے کے لئے مبالغتاً کہے ہیں (عمدۃ القاری ج 5 ص 7)
اور پھر خود مفتی صاحب کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر نے بخاری کی اس مجمل روایۃ میں بلا تفصیل اجتماعاً یا انفراداً کے مطلق نماز چاشت کو بدعت کہا ہے جو کہ ظاہر پر محمول نہیں بلکہ خود قابل تاویل ہے کیونکہ:

تاہم اتنی بات تو یقینی ہے کہ وہ ایک نماز تھی اور نماز افضل الاعمال اور خیر موضوع ہے اور وقت بھی کوئی مکروہ وقت نہ تھا پھر انہوں نے اسے بدعت کیوں کہا۔ (دلیل الخیرات ص 16)

پھر مفتی صاحب اس کی تاویل بحوالہ فتح الباری یوں نقل کرتے ہیں:

وانما انکر ابن عمر ملازمنها و اظهارها فی المساجد (فتح الباری ج 3 ص 53 طبع لاہور) یعنی اس کی تاویل یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر نے نماز چاشت کو بدعت نہیں کہا بلکہ اسے ہمیشہ لازمی طور اور ظاہر کر کے پڑھنے کو بدعت کہا ہے۔

یہاں قاضی عیاض مالکی سے یہ تاویل نقل کرنے میں مفتی صاحب نے پھر ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے کہ اسی تاویل کی عبارت ہے و صلاتها جماعة کا فقرہ شیر مادر سمجھ کر اس لئے ہضم کر گئے کہ نماز چاشت باجماعت اجتماعی طور پر اور التزامی طریقہ سے پڑھنے والی جماعت کوئی چودھویں صدی کے عام مؤمنین نہ تھے بلکہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت تھی کیونکہ بخاری کی روایت میں و واذا ناس یصلون کا لفظ ناس واقع ہے صحابہ کرام کے دور میں اس سے صحابہ ہی مراد ہوتے ہیں خود دیوبندی پیشوا تھانوی صاحب نے بموقع حج تلبیہ حج کے الفاظ ماثورہ نبویہ میں والناس یزیدون ذالمعارج کے متعلق الناس سے صحابہ کرام مراد لیتے ہوئے لکھا ہے

صحابہ نے اس (تلبیہ حج میں ذا المعارج کے اضافہ) کا جواز قاعدہ کلیہ شرعیہ سے سمجھا کہ ذکر اور دعا خود مطلوب ہے (بوادر النوادر ص 622)

اور باوجود عبداللہ بن عمر کے نماز چاشت کو باجماعت و التزاماً ادا کرنے کو بدعت کہنے کے خود صحابہ کرام کے اس مستحب کو باجماعت اظہاراً و جماعتاً ادا کر لینے سے اکثریت صحابہ سے اس کا جواز و استحباب ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی نماز کے خیر موضوع اور افضل الاعمال ہونے اور کسی بھی نص میں کسی مستحب کو جماعتاً ادا کر لینے کی ممانعت نہ ہونے کے قاعد کلیہ شرعیہ سے اس کا جواز سمجھا ہوگا تو صلوٰۃ و سلام قبل اذان و دعا بعد نماز جنازہ کا التزاماً واجتماعاً پڑھنا بھی اسی قاعدہ کلیہ سے کہ یہ بھی ذکر اور دعا ہے اور خود مطلوب ہے خود ثابت ہو گیا۔

اب ہم چاشت کے متعلق بخاری کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر کے الفاظ فقال بدعة کے متعلق بھی کچھ وضاحت کر دیتے ہیں۔

بخاری کی یہ روایت مجمل ہے اسی لئے خود مفتی صاحب نے فتح الباری و عمدۃ القاری سے اس کی تاویل کی ہے کہ یہ حدیث ظاہر پر محمول نہیں بلکہ مؤوّل ہے اور ایک مؤول لفظ پر کسی مسئلہ کی اساس رکھنا مفتی صاحب جیسے مفتی کو ہی زیبا ہے۔ کوئی صاحب عقل آدمی ایسی روایت کو کسی مستحب کے اجتماعاً و اظہاراً بدعت ہونے کی بنیاد قرار نہیں دے سکتا۔

مفتی صاحب کی سب سے زیادہ ستم ظریفی یہ ہے کہ مفتی صاحب نے بخاری کی اس روایت کی تاویل "فتح الباری" سے نقل کی اور جہاں سے یہ تاویل نقل کی اسی صفحہ پر اسی واقعہ کے متعلق حضرت اعرج سے حضرت عبداللہ بن عمر سے مفصل روایت موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

فقال بدعة و نعمت البدعة هذه یہ اچھی بدعت ہے (فتح الباری ج 3 ص 53)

مفتی صاحب نے طوطا چشمی سے بخاری کے الفاظ فقال بدعة تو بڑے دھڑلے سے نقل کردیئے مگر فتح الباری سے ہی و نعمة البدعة هذه کے الفاظ دیدہ دانستہ نقل نہیں کئے۔ کیونکہ بخاری کے مجمل الفاظ فقال بدعة سے وہ اسے بدعت سیئہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے مفصل روایت کو ہاتھ تک نہیں لگایا کہ اس سے ان کی بدعت بازی کی ساری عمارت زمیں بوس ہوتی تھی اور ساتھ ہی حضرت سالم کی روایت بھی ہضم کر گئے کہ اس واقعہ کے متعلق حضرت عبداللہ نے کہا تھا کہ:

ما احدث الناس شيئا احب الی منها (فتح الباری ج 3 ص 52) یعنی مستحب سنت چاشت کو اجتماعاً و اظہاراً پڑھنا میرے نزدیک امور محدثہ سے سب سے زیادہ محبوب امر ہے۔
دیکھئے حضرت عبداللہ بن عمر کے ان الفاظ نے مفتی صاحب کے سارے پروگرام کا دیوالیہ کر دیا کہ ایک امر محدث صحابہ کے نزدیک محبوب بھی ہے۔

پھر مفتی صاحب کی ایک اور دیانت داری دیکھئے کہ انہوں نے بخاری کی اسی روایت فقال بدعة کی عمدۃ القاری شرح بخاری سے بھی تاویل کرنے میں کامیاب ڈنڈی ماری کہ عمدۃ القاری سے اپنے مطلب کی یہ تاویل تو نقل کرتے ہیں:

وقيل اراد اظهارها فی المسجد والاجتماع لها هو البدعة لا ان نفس الصلاة بدعة و هو الاوجه

مگر عادت ثانیہ بلکہ عادت اولیٰ کے مطابق "عمدۃ القاری" سے یہ تصریح کھا گئے:

وقيل اراد انها من البدع المستحسنة كما قال عمر رضی الله تعالی عنه فی صلاة التراويح نعمة البدعة هذه (عمدۃ القاری ج 5 ص 7) یعنی نماز چاشت کو اجتماعاً و اظہاراً پڑھنا عبداللہ بن عمر کے نزدیک بدعت حسنہ (نیک بدعت) ہے جیسا کہ ان کے

والد حضرت عمر نے تراویح کے متعلق کہا ہے کہ یہ اچھی بدعت ہے۔
باقی رہا مفتی صاحب کا ابن ابی شیبہ کی روایت میں عبداللہ بن مسعود کا یہ قول نقل کرنا کہ
ان کان لا بد ففی بیوتکم (دلیل الخیرات ص 17) یعنی نماز چاشت گھر میں پڑھنی
چاہئے۔
مفتی صاحب مر کر مٹی میں مل چکے ورنہ ہم ان سے ضرور پوچھ لیتے کہ جو لوگ مسجد میں نماز چاشت پڑھ رہے تھے۔ کیا وہ صحابہ کرام نہ تھے؟ عبداللہ بن مسعود کی رائے سر آنکھوں پر۔ مگر صحابہ کرام کی آرا کے اختلاف کی صورت میں عمل اکثریت کی رائے و عمل پر ہوتا ہے نہ کہ ایک دو کی رائے پر۔ اس کی یہ واضح مثال ہمارے سامنے موجود ہے کہ صحابہ کرام کی اکثریت رکوع میں جاتے وقت تکبیر کے ساتھ رفع یدین نہیں کرتی تھی مگر عبداللہ بن عمر رفع یدین نہ کرنے والوں کو پتھر کی کنکریاں مارا کرتے تھے کہ رفع یدین کیوں نہیں کرتے ہو۔ دیکھو (جزالقراۃ بخاری ص 8)

ائمہ احناف نے حضرت عبداللہ بن عمر کے اکثر صحابہ کرام کی رفع یدین نہ کرنے والی جماعت کو کنکریاں مارنے سے استدلال کیا ہے کہ اس سے اکثریت صحابہ کا رفع یدین نہ کرنا ثابت ہے کہ رفع یدین نہ کرنا معمول صحابہ تھا اور یہ عمل رفع یدین منسوخ و متروک ہو چکا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کے قول کے مقابلہ میں نماز چاشت کو اجتماعاً و اظہاراً مسجد میں ادا کرنا بھی جماعت صحابہ کا عمل ثابت کرتا ہے کہ کسی بھی مستحب کام کو اجتماعاً و اظہاراً کرنا بھی معمول صحابہ تھا اور اسے بدعت سیۂ قرار دینا شان صحابہ میں گستاخی بھی ہے اور جماعت صحابہ کے معمول کا انکار بھی۔ کسی مستحب امر کے اجتماعاً ادا کرلینے کے بدعت سیۂ ہونے کے متعلق مفتی کفایت اللہ صاحب کے مطلب کی عبارات نقل کردینے اور باقی روایات و عبارات سے صرف نظر کے اس مختصر بیان کے بعد اب ہم ان کے موضوع لفظ "التزاماً" کا بھی جائزہ لے لیتے ہیں کہ کسی مستحب امر کا التزام جسے مفتی صاحب التزام مالا یلزم کہہ کر بدعت قرار دیتے ہیں۔ عمل صحابہ سے یہ ثابت ہے یا بدعت سیۂ ہے۔

حضرت بلال التزام مالا یلزم کے عامل تھے

وضو کے نفل لازم نہیں صرف سنت مستحب ہیں۔ مگر حضرت بلال نے انہیں لازم کیا ہوا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز فجر کے وقت بلال سے فرمایا "اے بلال۔ میں نے بہشت میں تیری جوتوں کی آہٹ سنی تھی تو تمہارا بہشت میں پہنچنے کا کون سا سب سے بڑا عمل ہے۔ بلال نے عرض کی کہ حضور میں جب بھی غسل و وضو کرتا ہوں میں نے اپنی طرف سے اپنے اوپر دو نفل واجب و لازم کرلئے ہوئے ہیں۔ اَنْ اُصَلِّیَ کہ ہمیشہ پڑھوں (مشکوٰۃ باب التطوع ص 176 طبع نور محمد

کراچی)

اس حدیث کی شرح میں شیخ المحدثین شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

واجب گردانیدہ شد بر من بواجب گردانیدن من آنرا بر نفس خود بمواظبت والتزام بر خود کہ بگذارم آنرا (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج 1 ص 555 طبع لکھنو) یعنی وضو و غسل کے بعد کے نفلوں کو جو سنت مستحب ہے میں نے ان کو اپنی طرف سے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ انھیں ہمیشہ پڑھتا ہوں۔

اس سے عیاں ہے کہ بمطابق ارشاد نبوی احب الاعمال الی اللہ تعالیٰ ادومھا یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی نیک کام کو ہمیشہ التزاماً کرتے رہنا محبوب ہے۔ حضرت بلال نے التزام ما لا یلزم کیا ہوا تھا۔ لہٰذا کسی بھی فقیہ یا مفتی کا صلوٰۃ و سلام قبل اذان یا دعا بعد نماز جنازہ کو مل کر ہمیشہ ادا کرنے کو بدعت سیئہ قرار دینا شریعت و عمل صحابہ کے قطعاً مخالف و بے اصل ہے۔

خود علمائے دیوبند امر مستحب کو تداعی و التزام ما لا یلزم سے ادا کرنے کے عامل ہیں تبلیغی جماعت اس فرقہ کی بڑی شرعی جماعت کہلاتی ہے۔ رائے ونڈ میں سالانہ اجتماع کے آخر میں مولوی لوگ بڑی لمبی چوڑی دعا مانگتے ہیں یہ دعا کیا ہے؟ فرض، واجب یا سنۃ تو نہیں مستحب ہی ہو سکتی ہے۔ دیوبندی فرقہ کے لوگ اس دعا میں شمولیت کی دوسرے لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ یہ دعوت تداعی و اہتمام اگر محافل میلاد و صلوٰۃ و سلام و دعا کے لئے درست نہیں تو رائے ونڈ والی دعا کے لئے کیسے جائز ہے؟ نیز اس جماعت کے لوگ جب تبلیغ کے لئے نکلتے ہیں تو انہیں باقاعدہ طور ہدایت کی گئی ہے کہ وہ:

"جب اس جگہ پہنچیں جہاں تبلیغ کرنی ہو تو پھر مل کر حق تعالیٰ سے دعا کریں" (تبلیغی نصاب رسالہ پستی کا علاج ص 835 طبع ملتان)

ایسے موقع پر یہ دعا جو مل کر منگائی جا رہی ہے نہ فرض ہے نہ سنت یہ مباح یا مستحب ہی ہو سکتی ہے تو اس "ما لا یلزم" یعنی غیر ضروری اور صرف مستحب فعل کا التزام اور اس کا باقاعدہ کتابی نوٹیفکیشن کیوں بدعت سیئہ نہیں؟ دعا بعد نماز جنازہ تو فرداً فرداً مانگنے کے فتوے یعنی مل کر دعا نہ کریں کہ بدعت سیئہ نہ بن جائے مگر یار لوگوں کی یہ دعا مستحب مل کر کرنے سے جنت کا ٹکٹ تیار ہو آخر یہ کیا تماشا ہے؟ کسی بھی ذی شعور ذہن میں یہ سوال ابھرے بغیر نہیں رہ سکتا کہ رائے ونڈ کے اجتماع باقاعدہ تداعی بلکہ شدرحال اور اجتماعی دعا کی صورت اور تبلیغ کی گردش کے وقت بھی اجتماعاً اور مل کر ہمیشہ لازماً طریق تبلیغ کی ہدایت و دائمی عمل تو شرعاً جائز و معمول۔ مگر صلوٰۃ و سلام قبل اذان کا دائمی عمل اور دعا بعد نماز جنازہ مل کر اور ہمیشہ کرتے رہنا بدعت سیئہ۔ آخر دین اسلام کے نمبرداروں کو اس طرح کی ڈھال باچھ خود تیار کرلینے کا اختیار کس نے

ا ہے؟

مداخلت فی الدین کے مجرم | تمام اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ عبادات دو قسم کی ہیں۔ (1) موقوتہ (2) غیر موقوتہ۔ موقوتہ عبادات وہ ہیں کہ شارع علیہ السلام نے جن کی ادائیگی کا امراً یا نہیاً وقت مقرر کیا ہوا ہے۔ امراً سے مراد یہ ہے کہ اس کے ادا کرنے کا وقت مقرر کر دیا گیا ہو جیسے کہ نماز فرض پنجگانہ کہ شارع علیہ السلام نے ہر نماز کا وقت مقرر فرما دیا ہے کہ اس وقت سے اس وقت تک فلاں نماز ہو سکتی ہے اور نہیاً سے مراد یہ ہے کہ اس عبادت کو ایسے وقت میں ادا کرنے سے منع فرما دیا گیا ہو جیسے کہ سجدہ یا سجدہ والی کوئی بھی نماز طلوع و غروب و دوپہر کے وقت پڑھنی ممنوع قرار دی گئی ہے (الا ماخص) اور عبادات غیر موقوتہ وہ ہیں جن کے نہ ادا کرنے کا وقت مقرر کیا گیا اور نہ ہی کسی امکانی وقت میں ان کے ادا کرنے سے منع کیا گیا ہو بلکہ بغیر کسی تقرر وقت کے ہر وقت ان کے ادا کرنے کی ترغیب فرما دی گئی ہے جیسے کہ درود شریف' تلاوت قرآن مجید' زیارت حرمین شریفین' دعا و استغفار وغیرہ۔ کہ یہ سب عبادات ہیں اور غیر موقوتہ ہیں کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے کرنے یا نہ کرنے کا کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا۔ کسی بھی عبادت کو موقوتہ یا غیر موقوتہ قرار دینے کا حق صرف اور صرف شارع علیہ السلام کو ہے۔ کسی امام یا عالم یا فقیہ کو ہرگز ہرگز حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی موقوتہ عبادت کو غیر موقوتہ کر دے بلکہ ایسا کرنا مداخلت فی الدین اور شرعی جرم کا ارتکاب ہے۔

صلوٰۃ و سلام اور دعا دونوں غیر موقوتہ عبادات ہیں۔ ان کے متعلق یہ کہنا کہ صرف فلاں وقت ہی ادا ہو سکتی ہیں یا یہ کہنا کہ فلاں وقت جیسا کہ اذان سے اول صلوٰۃ و سلام یا نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں مانگی جا سکتی اور یہ کہ یہ اوقات ان کے ادا کرنے کے لئے ممنوعہ ہیں۔ ایسا کہنا بھی مداخلۃ فی الدین اور کوئی نئی شریعت ایجاد کرنا ہے۔ باقی رہا یہ عذر لنگ کہ فلاں وقت فلاں عبادات سنت سے ثابت نہیں اس لئے بدعت ہے تو اس کا دیانتدارانہ جواب بالکل آسان ہے کہ کسی بھی مستحب کا ادا جب سنت ہونا ہی ضروری نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اس کی صرف ترغیب ہی کافی ہوتی ہے جیسا کہ مستحب کی اصح تعریف امام ابن ہمام کی بحوالہ التحریر ابن ہمام رد المحتار سے ہم نقل کر آئے ہیں کہ مستحب کے لئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کرنا ضروری ہوتا ہی نہیں۔ (وَاِنْ لَمْ یَفْعَلْہُ) اور جب نفس فعل مستحب کے استحباب کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کرنا ہی ضروری نہیں تو اس کی ادائیگی کے لئے اس کی ادائیگی کے وقت کا سنت ہونا کس طرح ضروری ہو سکتا ہے۔ مستحب کی تعریف جانتے ہوئے ان امور مستحبہ کی ادائیگی کے لئے وقت کا مسنون ہونا ضروری سمجھنے اور دوسری صورت میں اسے بدعت سیئہ قرار دینے والے مفتی صاحبان سے اگر انصاف کی توقع کی جا سکتی ہے تو مسئلہ بالکل بے

غبار ہے کہ فرض ' واجب اور سنت کے لئے تو یہ دیکھنے کی ضرورت ہوسکتی ہے کہ ان کا ادا کرنا کس وقت سنت ہے اور کس وقت بدعت ہے مگر مستحب یا مباح افعال جن کی تعریف ان اوراق کی ابتدا میں علمائے اصول و فقہ علامہ ابن رشد بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد اور امام حصکفی کی در مختار و خاتمۃ المحققین امام الفقہا امام سید ابن عابدین کی رد المحتار وغیرہ کے متعدد حوالوں سے ہم مفصل ذکر کر چکے ہیں ۔ ایسے امور مستحب یا مباحہ کے کسی موقع پر ادا کرنے میں اس بات کے دیکھنے کی از روئے شریعت قطعاً ضرورت نہیں ہوتی کہ ایسے کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ کرام علیہم الرضوان نے ایسے وقت میں کئے تھے یا نہ ۔ بلکہ کوئی بھی امتی ایسے امور مستحب کو جس وقت چاہے ادا کرکے ثواب حاصل کرسکتا ہے اور یہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ مستحب نبوی بھی ہوتے ہیں اور مستحب علما بھی ۔ کسی کام کا کسی وقت میں ادا کرنا مخصوص سنت کاموں میں تو ملحوظ ہوتا ہے ۔ عموی مستحب کاموں میں نہیں ۔ گستاخ رسول اور خارجی موذی علماء سوء عوام کو دھوکہ دے کر سنت و مستحب میں فرق کئے بغیر ہر نیک کام کو بدعت سیئہ بنا کر اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں ۔

لوٹا مذہب

مشینی و ٹیوب ویل دور سے پہلے چاہی زمینیں چاہات پر بائٹر فٹ کرکے اس پر ماہل اور ماہل پر مٹی کے لوٹے باندھ کر بائٹر بیلوں کے ذریعہ گھمایا جاتا تو لوٹے پانی سے بھر کر پانی باہر لے آتے ۔ چونکہ ایسے چاہی لوٹوں کو زمین پر رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی اس لئے لوٹا ساز کمہار ان لوٹوں کو نیچے سے گول ہی رکھ کر (بے پیندے) بنا دیتے تھے اور وہ نیچے سے گول ہونے کی وجہ سے سیدھے نہیں ٹک سکتے تھے بلکہ یا ادھر یا ادھر گر جاتے تھے ۔ الیکشن کے دنوں میں ابن الوقت یعنی کبھی ادھر کبھی ادھر قسم کے الیکشن بازوں کو " لوٹا' لوٹا " کہہ کر " بالٹے " الیکشن باز خوب بدنام کرتے ہیں ۔ سیاست یا خباثت میں تو " لوٹا بازی " مشہور ہے ہی مگر مذہب میں یہ لوٹا پالیسی اگر بچشم خود دیکھنی ہو تو دیوبندی علما کا ہر نئے موقع پر تجدد مذہب دیکھ لیجئے ۔ فتویٰ کچھ عمل کچھ ۔ ایک عالم کچھ کہتا ہے دوسرا کچھ اور فرماتا ہے ۔ " لوٹے " کی طرح کبھی ادھر کبھی ادھر اس کی تفصیل کے لئے تو ہماری کتاب " دیوبندی مذہب " کے باب دیوبندیوں کے چار سو بیس قسم کے فتوے ملاحظہ کرلیں ۔ یہاں اس گلہری اتار چڑھاؤ سیمپل مذہب کے چند عجوبے ملاحظہ فرما لیں ۔ مگر پہلے گلہری اتار چڑھاؤ محاورہ کا موضوع لہ سن لیجئے ۔

مشہور ہے کہ کسی گلہری اور طوطی کی دوستی ہوگئی تھی ۔ ایک دن گلہری ملاقات کے لئے طوطی کے پاس گئی تو طوطی نے سیب انار وغیرہ سے گلہری کی خوب تواضع کی ۔ پھر طوطی کو بھی خیال آیا کہ گلہری سے ملاقات کرے تو وہ گلہری کے پاس پہنچی اور جتنی دیر گلہری کے پاس بیٹھی

رہی گلہری حسب عادت درخت کی ٹہنیوں پر کبھی چڑھتی رہی اور کبھی اترتی رہی - کافی دیر بعد طوطی نے کہا کہ میں تو جاتی ہوں کچھ تو کھلاؤ پلاؤ بھی- گلہری نے کہا کہ "کھانے والے کو چھوڑو- ہمارا اتار چڑھاؤ دیکھو" - دیوبندی فرقہ کے علما کا مذہب بھی اتار چڑھاؤ ان کے مرکزی سلکاتی اکابر اور غازیان سپاہ صحابہ کی شیعہ فرقہ کے متعلق لوٹاپالیسی - اتار چڑھاؤ یا نوراکشتی ملاحظہ کیجئے-

دیوبندیہ فرقہ کے سب سے بڑے حکیم الامت مولوی اشرفعلی تھانوی کا فیصلہ کوئی شخص تھانوی صاحب سے پوچھتا ہے کہ سنی عورت کا نکاح شیعہ مرد سے ہو جاتا ہے یا نہیں اور اگر نکاح کے بعد معلوم ہو جائے کہ وہ شیعہ شیخین یعنی ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو سبّ کرتا ہے اور تبرّا کرتا ہے تو پھر صورت حال کیا ہوگی ؟......... تھانوی کا جواب سن لیجئے-

اور چونکہ نکاح منعقد ہو گیا لہٰذا اولاد ثابت النسب اور صحبت حلال ہے (امدادالفتاوی ج 1 ص 25)

سنی و بسی شیعہ سے نکاح منعقد ہوگیا اور صحبت حلال کے الفاظ آپ پڑھ رہے ہیں - تھانوی صاحب نے علی الاعلان رافضیوں کو بھی مسلمان تسلیم کر لیا کیونکہ کافر سے نہ نکاح ہو سکتا ہے نہ صحبت حلال ہو سکتی ہے-

دیوبندی فرقہ کے سب سے بڑے امام ربانی مولوی رشید احمد گنگوہی مہتمم دارالعلوم دیوبند کا فیصلہ

کسی شخص نے گنگوہی صاحب سے پوچھا کہ جو شخص صحابہ کرام کو کافر کہتا ہو اور ان پر لعنت کرتا ہو ایسے شخص کو امام بنانا درست ہے یا نہیں ؟ اور ایسا شخص اہل سنت و جماعت ہے یا نہیں؟ .... گنگوہی صاحب کا جواب پڑھ لیجئے-

جو شخص صحابہ کرام میں سے کسی کی تکفیر کرے وہ ملعون ہے ایسے شخص کو امام مسجد بنانا حرام ہے اور وہ اپنے کبیرہ گناہ کے سبب سنت جماعت سے خارج نہ ہوگا (فتاوی رشیدیہ حصہ دوم ص ١٤١)

سنت جماعت سے خارج نہ ہوگا کا مطلب واضح ہے کہ مسلمان ہی رہتا ہے کافر نہیں ہوتا - اب غازیان سپاہ صحابہ کا وہ نعرہ جو وہ تقریباً پاکستان کے ہر شہر کی دیواروں پر جلی بلکہ اجلی الفاظ سے لکھتے کر رہے ہیں یعنی :

کافر - کافر - شیعہ - کافر ... جو نہ مانے وہ بھی کافر

کی زد میں آکر تھانوی و گنگوہی صاحب کا حشر کیا ہوا ؟

تھانوی و گنگوہی صاحبان شیعوں بلکہ رافضیوں تبرائیوں کو بھی کافر نہیں مانتے اور "جو نہ مانے وہ بھی

کافر" سے سپاہ صحابہ والوں کے نزدیک یہ دونوں صاحبان کافر ہو گئے یا ان کو ملک اسلام سے باہر کرنے کے لئے سپاہ صحابہ کو انڈیا سے کوئی بلڈوزر در آمد کرنا پڑے گا؟
کتاب و سنت اور علوم عربیہ کے خادمین و مفتیان دین متین کو ایسے فتووں کا صلہ نہ دینا اور لوٹا پالیسی و اتار چڑھاؤ پر انہیں داد نہ دینا ان کی واقعی بڑی حق تلفی ہوگی۔

دعا بعد نماز جنازہ کے متعلق علمائے دیوبند کی لوٹا پالیسی

دعا بعد سلام نماز جنازہ کے بدعت سیئہ ہونے کے عنوان پر علمائے دیوبند کے کئی رسالے میدان میں موجود ہیں اور خارجیہ کی تربیت یافتہ یہ فوج ہر قسم کے سامان فتویٰ سے لیس ہو کر جمہور اہل اسلام کے خلاف ایسے صف بستہ ہے جیسا کہ کشمیری مسلمانوں کے خلاف ہندوستان کی فوج معرکہ آرا ہے اور علمائے دیوبند چیخ چیخ کر یہ واویلا کر رہے ہیں کہ گویا جنازہ کے بعد دعا نہ مانگو ورنہ پاکستان کی جڑیں کمزور ہو رہی ہیں اور میت کے لئے ایصال ثواب کر کے لوگ ملک و ملت کو عظیم نقصان پہنچا رہے اس سلسلہ میں مولوی عبدالرشید کا رسالہ "نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں" اور بہاول نگر اسود قبری کی رسالی ہمارے سامنے موجود پڑی ہیں۔ مگر گلہری پالیسی کے ماہر اس فرقہ کے ایک فٹ اونچی ٹوپی پوش حضرات کا عمل دیکھئے۔

جنرل ضیاء الحق کی نماز جنازہ کے بعد دیوبندی علما نے دعا مانگی

مورخہ 17 اگست 1988 کو جنرل محمد ضیاالحق بہاول پور کے قریب بستی لال کی حدود سے گزرتے ہوئے ہوائی جہاز حادثہ میں جاں بحق ہوگئے تو ان کی نماز جنازہ کے بعد پاکستان کے دیوبندی علما کے سرخیل مولوی مولوی عبدالمالک کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور اور سنی بریلوی شہنشاہ عالمگیر اورنگزیب کی تیار کردہ شاہی مسجد لاہور کے پکے غاصب دیوبندی امام مولوی عبدالقادر آزاد نے بڑے ولولے اور جذبے سے اس طرح ہاتھ لمبے کر کے دعا بعد جنازہ مانگی جس طرح کہ غیر اللہ سے امداد مدرسہ یا چندہ بطن شریف کے لئے نوٹوں کا کوئی تمید وصول کر رہے ہیں اور امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنی و امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما پر بدعتی و مشرک ہونے کا فتویٰ دے کر ان کو شہید کر دینے والے خارجیوں کی زندہ جاوید یادگار ان مولویوں کی اس ریاکارانہ حرکت کو ٹی وی پر دنیا کے کروڑوں لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔
دعا بعد نماز جنازہ کے مسئلہ پر شہر بہ شہر قریہ بہ قریہ اور گلی گلی صرف فساد ہی نہیں بلکہ کشت و خون تک کر دینے والے ان جھگڑوں کی نہ توحید گئی اور نہ ہی سنت میں کوئی اچھل مچی۔

رند کے رند رہے اور ہاتھ سے جنت بھی نہ گئی
دو رنگی پکڑ لے یک رنگ نہ ہو کمائی کا طریقہ آج ہے یہ

آخری گذارش

ہم نے اپنے اور آپ کے چشم دید دلائل سے مندرجہ ذیل امور ثابت کردیئے ہیں۔

نمبر۱۔ صلوٰۃ و سلام قبل اذان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث:

"ہر اہم کام جس کی ابتدا میں حمد الٰہی اور مجھ پر صلوٰۃ نہ پڑھی گئی وہ کام ناقص اور ہر برکت سے محروم ہے" کی رو سے مستحب ہے۔

نمبر۲۔ دعا بعد سلام نماز جنازہ قول و فعل نبوی و عمل صحابہ سے سنت بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث:

"تم میں سے کوئی بھی جب نماز سے فارغ ہو تو دعا مانگے" الخ۔ کی رو سے مستحب بھی ہے۔

نمبر۳۔ صلوٰۃ و سلام اور دعا عبادات... غیر موقتہ ہیں ہر وقت ادا ہو سکتی ہیں۔ ان کو موقتہ بنانا کہ صرف اس وقت ہی ادا ہو سکتی ہیں یا اس وقت منع ہیں۔ یہ مداخلت فی الدین ہے جو کہ شرعاً جرم ہے۔

نمبر۴۔ فقہا کی جن عبارات میں دعا بعد نماز جنازہ سے منع کیا گیا ہے وہ چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان والی دعا ہے۔ سلام کے بعد والی دعا نہیں۔ اور بحرالرائق کی عبارت میں لفظ بعد التسلیم سبق یادداشت ہے یا سبق قلم ہے۔ حدیث نبوی اور اصول عبادات کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

حسبۃً للہ اور پوری دیانتداری سے ان مسائل پر مفصل بحث کے بعد اب فی الحال اسی اپنی گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔ میری سابق تصنیف "دیوبندی مذہب" اور یہ "تحفۃ المناظرین" "الحق مُرٌّ" کے عین مطابق حق بھی ہیں اور تلخ حقیقت بھی۔ کتاب "دیوبندی مذہب" کے میدان میں آنے کے بعد مُحبّی اور تبرائی دیوبندیوں نے اپنے "دشنام باڑوں" کے اندر بھی اور باہر بھی مجھے پورے شرح صدر سے گالیاں دیں اور میری اس بلا خوف لَوْمَۃَ لائم تحریر "تحفۃ المناظرین" کے صلہ میں بھی مجھے بد زبانوں سے کوئی بھلائی کی امید نہیں۔ میری تصنیف کتاب "دیوبندی مذہب" کے جواب میں "رضاخانی مذہب" لکھنے والے نے اس کی بسم اللہ سفید جھوٹ سے ہی نہیں بلکہ سیاہ جھوٹ سے کی کہ امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ کے ملفوظات سے ایک مجذوب حضرت موسیٰ سہاگ" کا واقعہ نقل کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت کے الفاظ "یہ کہتا تھا" کے ساتھ "سہاگن بیوی" کے الفاظ خود اضافہ کرکے "سہاگن بیوی کا یہ کہنا

تھا "کا جملہ گھڑ کر موسیٰ سہاگ کو خدا کی سہاگن بیوی کہنے کا الزام اعلیٰ حضرت پر
واردات میں ہی عین موقع نقب پر دھر لئے گئے تھے اور میں نے اس کے سارے
کے جوابات پر حاوی "علمائے دیوبند کے جھوٹ" کا مسودہ مکمل کر کے کاتب کے سپرد
اس کے والد مولانا بشیر احمد صاحب کی مخزن ولائت حضرت پیر سید محمد اسماعیل شاہ صاحب
والے رحمت اللہ علیہ سے بیعت ان کے کام آگئی اور وہ میدان محشر میں اپنے
"رضاخانی مذہب" کی فضیحت سے بچ گئے کہ وہ دیوبندی مذہب سے تائب ہو کر مسلمان
اس نے خود اپنی سابق تصنیف "رضاخانی مذہب" کے جھوٹے ہونے کا اشتہار شائع
کے بعد ہم نے اس کے جواب کی اشاعت غیر ضروری سمجھ کر اس کی طباعت ملتوی کر دی

اور اب ....

دیکھتے ہیں کہ ہماری اس تالیف کے جواب میں زبان درازی کا کون سا نیا تجربہ
ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت بخشے اور ہماری اس سعی کو قبول فرمائے۔ آمین

وما علینا الا البلاغ المبین

کتاب ________ تحفتہ المناظرین

نام مصنف ________ علامہ غلام مہر علی، چشتیاں شریف

سال اشاعت ________ 1997

صفحات ________ 208

قیمت ________ روپے

کمپیوٹر آپریٹر ________ فواد رضا خان

کمپوزنگ ________ ایف سی اے، اسلام آباد